OSMANIA UNIVERSITY

تاریخ دولتِ عثمانیہ

جلد دوم

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ دولت عثمانیہ

(تا سنہ ۱۹۱۴ء)

جلد دوم

تصنیف

ڈلا ژوں کیئر

کا

فرانسیسی سے انگریزی

اور

انگریزی سے اُردو ترجمہ

باھتمام

مولوی محمد مارماڈیوک پکتھال صاحب و مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی

سنہ ۱۳۵۸ھ م سنہ ۱۳۴۸ف م سنہ ۱۹۳۹ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب کتب خانۂ آشیت پیرس کی اجازت سے
جس کو حقِ اشاعت حاصل ہے اُردو میں
ترجمہ کرکے طبع وشایع کی گئی ہے۔

فہرست مضامین

تاریخ دولت عثمانیہ جلد دوم

فہرست مآخذ

تاریخ دولت عثمانیہ کی پوری فہرست مآخذ کی یہاں تشریح ناممکن ہے۔ ان ناظرین کے لئے جو مزید تفصیلات کے شائق ہوں اس تاریخ میں جو مآخذ دیے گئے ہیں ان کے علاوہ چند مآخذ یہاں درج کیے گئے ہیں جو ان کے کارآمد ہوں گے۔

عام تاریخ:۔ ووداسٹون D'Ohsson اور فان ہامر Von Hommer کی مشہور تصنیفات اور کینٹمر Cantemir جو شیرو دے سنٹ ڈونیس Juehereau de St. Denis اور دے لیولٹی De Levaltee کی تواریخ کے علاوہ رسالہ جات ایشیاٹک جرنل انسائکلوپیڈیا آف اسلام اور حسب ذیل کتابیں مآخذ ہیں۔

تاریخ زوال سلطنت یونان وقیام سلطنت ترک مصنفہ Chal Condyle and d'Embry

سلسلۂ تاریخ بالا از تباہی پلوپانیس تا ۱۶۱۲ء مصنفہ Artus Thomas جلد اول پیرس ۱۶۳۲ء Sieur d'Embry

تاریخ سنین از حاجی خلیفہ المعروف بہ کاتب چلپی مترجمہ Rinaldo Carli از زبان ترکی بزبان اطالوی۔ جلد اول۔ وینس ۱۶۹۷ء

دولت عثمانیہ کے عام حالات از ابتدائے سلطنت تا دور حاضرہ مصنفہ Petis de la Croix نیز مختصر سوانح شہنشاہان ترک (ایک ترک درویش کی زبانی) سہ جلد۔ پیرس ۱۶۹۵ء

عام تاریخ آغاز واقتدار ترک مصنفہ Francesco Lansovino جلد اول وینس ۱۵۸۲ء

ترکوں کے عادات واطوار ان کا مذہب اور حکومت مع ملخص تاریخ آل عثمانیہ

مصنفۂ (Guer) دو جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۴۶ء۔
مشرقی فہرست کتب مولفہ D'Herbelot
سلسلۂ بالا مولفہ Galland and Visdelon
جلد اول Mæstricht سنہ ۱۷۷۶ء
جلد دوم La Haye سنہ ۱۷۷۹ء
تاریخ دولت عثمانیہ از آغاز تا صلح بلغراد۔ ۴ جلد پیرس سنہ ۱۷۷۱ء مصنفۂ Abbe Mignot
تاریخ دولت عثمانیہ تا سنہ ۱۷۹۲ء ۴ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۱۳ء Count de Salaberry
خلاصہ تاریخ دولت عثمانیہ۔ ۳ جلد۔ پیرس سنہ ۲۴-۱۸۲۲ء Alix
تاریخ ترکی۔ یک جلد پیرس سنہ ۱۸۴۰ء مصنفہ Jouanin and Von Gaver
بوسنیا، سرویا وغیرہ۔ جلد اول۔ پیرس سنہ ۱۸۵۶ء مصنفۂ Chapin and Ubicini
(سلسلۂ پکچرسک ورلڈ)
روس۔ کریمیا۔ آرمینیا۔ دو جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۳۸ء مصنفۂ Chopin, Tamin, Bore
(سلسلۂ پکچرسک ورلڈ)
تاریخ قسطنطنیہ یعنی سلطنت بزنطین وعثمانیہ۔ دو جلد پیرس سنہ ۱۸۵۳ء مصنفۂ Poujoulat
تاریخ ترکی ۸ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۱ء مصنفۂ Lamartine
سلاطین عثمانی۔ دو جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۱ء مصنفۂ جلیل خانم
مجموعۂ بین الاقوامی قوانین دولت عثمانیہ۔ ۴ جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۳-۱۸۹۷ء
مولفہ۔ G. Noradounghian

مقدمہ

مقالہ بر تاریخ عرب قبل اسلام۔ ۳ جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۴۷ء Cassin de Perceval
سیاحت عرب ترجمہ از جرمن۔ ۲ جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۷۹ء مصنفۂ Carsten Niebuhr
سیرت محمدیہ از ابو الفدا مترجمہ Noel des vergers یک جلد پیرس سنہ ۱۸۳۷ء۔

سیرت محمدیہ مصنفۂ واشنگٹن ارونگ Washington Irving ترجمہ از انگریزی بفرنچ از ہنری جارجس جلد اول پیرس ۱۸۶۵ء۔

تذکرۂ اسلام مصنفہ Leonce Caetani, Prince of Teano سہ جلد روما ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۱۰ء۔

سیاحت ملک امیر اعظم سرتاج والیان عرب بحکم شاہ لوئی چہاردہم بشمول حالات عربستان رقم زدۂ سلطان اسماعیل ابوالفدا مصنفہ De la Roque جلد اول۔ پیرس ۱۸۷۴ء

اسلام من حیث القرآن مصنفہ Garcin de Tassy ایک جلد پیرس ۱۸۷۴ء۔

اسلام مصنفہ Count H. de Castries ایک جلد پیرس۔

قانون اسلام مصنفہ Nicholas de Tormanauw ترجمہ از زبان روسی از Pierre Valtier ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۷ء

تذکرہ حملہ ہائے فرنگ بہ ممالک اسلام مصنفۂ ابن خلدون بارہ صدی عیسوی کی دو مشرقی شاہزادیاں مصنفہ L. du Sommerard جلد اول پیرس

اعداد بزنطین مصنفۂ Charles Diehl

دسویں صدی عیسوی کی رزمی تاریخ بزنطین مصنفہ Gustave Schlumberger دو جلد۔ ۱۸۹۶ء تا ۱۹۰۰ء۔

جلد اول ۱۸۹۰ء Renaud de chatillon مصنفہ ایضاً

حملۂ المرغوری یا مشرقی ممالک میں کیتلان والوں کی بادیہ پیمائی مصنفہ ایضاً ۱۳۰۲ء تا ۱۳۱۱ء جلد اول ۱۹۰۲ء۔

بیت المقدس بارھویں صدی عیسوی میں مصنفہ ایضاً جلد اول پیرس ۱۹۰۶ء۔

تاریخ حروب صلیبیہ مصنفۂ Michaud چھ جلد۔ پیرس ۱۸۴۱ء پوجالٹ اڈیشن۔

مقابلہ برحکومت الکزس اول کمین مصنفہ Ferd Chalandon ایک جلد پیرس ۱۹۰۰ء۔

تاریخ آل تاتار ترجمہ از مخطوطۂ تاتاری ابوالغازی بہادر خاں یک جلد لیڈ۔

سنہ ۱۷۲۶ء مترجمہ Bentick

تاریخ عرب مصنفہ Sedillot یک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۵۴ء

تاریخ عرب مصنفہ Clement Hurat ۲ جلد پیرس سنہ ۱۹۱۲ء

تمدن عرب مصنفہ گستاولیبون Le Bon جلد اول سنہ ۱۸۸۴ء

تاریخ قسطنطنیہ تحت شاہان فرانس مصنفۂ Ducange یک جلد پیرس سنہ ۱۶۵۷ء

ہن، ترک، مغل اور دیگر اقوام تاتاری مصنفۂ Deguigne ماخوذ از کتب چینی
چار جلد سنہ ۱۷۵۶ء تا سنہ ۱۷۵۸ء۔

تاریخ قسطنطنیہ از حکومت جسٹن قدیم تا ختم سلطنت مصنفۂ Cousin ۸ حصص
در ۱۰ جلد پیرس سنہ ۱۶۸۵ء۔

تاریخ سلطنت بزنطین مصنفۂ Lebeau ۲۲ جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۵۷ء تا سنہ ۱۷۷۹ء

تاریخ بزنطین یک جلد۔ پیرس سنہ ۱۶۸۰ء مصنفہ Ducange

تاریخ سلطنت بزنطین مصنفہ Count de Segur

تاریخ ترکی تا عہد حکومت مراد اول مصنفہ سعد الدین
(در ترکی ولاطینی مرتبہ (Ad Kollar de Kerenstch) یک جلد وائنا سنہ ۱۷۵۵ء

مقدمۂ تاریخ ایشیا، ترک و مغل از زمانۂ ابتدا تا سنہ ۱۴۰۵ء مصنفہ Leon Cahun
یک جلد۔ پیرس۔

تاریخ حکومت جمہوری وینس مصنفہ Count Daru ۹ جلد۔ پیرس۔ سنہ ۱۸۵۳ء

تاریخ و حالات بالائی البانیا مصنفہ Hecquard یک جلد پیرس سنہ ۱۸۵۳ء

ماضی و مستقبل سرویہ مصنفہ H. Thiers یک جلد پیرس سنہ ۱۸۶۲ء

اسلامی عسکری نظام علی الخصوص ترکی مصنفہ Belin یک جلد پیرس سنہ ۱۸۷۰ء

تاریخ تیمور صاحبقران۔ مصنفہ احمد افندی ترجمہ از عربی Pierre Vattier
یک جلد۔ پیرس سنہ ۱۶۵۸ء۔

تاریخ تیمور بیگ (فارسی) مصنفہ شرف الدین مترجمہ Petis de la Croix
۴ جلد۔ پیرس سنہ ۱۷۲۲ء۔

ابتدائی سلطنت ترک و نظم و نسق مملکت مصنفہ Georgievitz ایک جلد پیرس سنہ ۱۵۶۸ء

ترکوں کے مذہب وعادات واطوار پر ایک رسالہ مصنفہ George de Hemgaria
(ایک ہنگری کے رہنے والے یا ایک رومانی کے بیان سے ماخوذ) جو ۱۴۳۶ء سے ۱۴۵۵ء
تک ترکی میں مقید رہا۔ ایک جلد۔ لائپزگ ۱۴۸۸ء۔

تاریخ مصر مصنفہ عبداللطیف طبیب بغدادی بشمول مختلف اقتباسات
از مصنفین مشرق وصوبجات ودیہات مصریہ شانزدہ صدی عیسوی (عربی)
مترجمہ S. De Sacy

تاریخ ملوک سلاطین مصر (عربی) مصنفہ تقی الدین احمد مقریزی ترجمہ کواترمیر
ایک جلد دو حصوں میں۔ پیرس ۱۸۳۷ء۔ ۱۸۴۰ء۔

مقالہ بروئنگی ومالدیویہ مصنفہ Count de Salaberry پیرس ۱۸۲۱ء

بربری جہازراں۔ مصنفہ Admiral Jurien de la Graviere

تاریخ مالٹا (۷ جلد۔ پیرس ۱۷۷۲ء) مصنفہ Vertot خطوط بیرون دے بزبک
ترجمہ بزبان فرانسیسی مع حواشی۔ از Abbe de Foy ۳ جلد۔ پیرس ۱۷۴۸ء

سیاست وینس اور فرمانروایان یورپ سولھویں صدی عیسوی میں مصنفہ
Armand Baschet جلد ایک۔ پیرس ۱۸۶۲ء۔

سفرائے وینس کے خطوط بنام مجلس اعلیٰ (سنیٹ) سولھویں صدی مصنفہ۔
Alberi پندرہ جلد۔ فلورنس ۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۳ء۔

تاریخ پاپائیت سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں بزبان جرمن مصنفہ
L. de Ranke ترجمہ بزبان فرانسیسی از Heber ۴ جلد۔ پیرس ۱۸۴۳ء۔

دولت عثمانیہ اور ہسپانوی بادشاہت بزبان جرمن　　ایضاً
ایک جلد۔ لائپزگ ۱۸۵۷ء۔

تاریخ مہم موہاکز مصنفہ کمال پاشا زادے ترجمہ از ترکی بہ فرانسیسی۔ مترجم
de Courteille ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۹ء۔

فرانسیسی سیاست کی عام توضیحی تاریخ۔ فرانسیسی قوم کی ابتدا سے تا ختم عہد لوئی
شانزدہم مصنفہ Flassan ۶ جلد۔ پیرس ۱۸۰۹ء۔

مشرق میں مسیحی کلیساؤں کے تحفظ اور دول یورپ کی باہمی رقابت کی تاریخ

مصنفہ Famin ایک جلد پیرس ۱۸۵۳ء

تاریخ تجارت مابین مشرق قریب و یورپ مصنفہ Depping ۲ جلد پیرس ۱۸۳۰ء۔

مشرق قریب میں فرانسیسی قوم کا عمل دخل مصنفہ Charriere ۱۵۵۰ء۔ ۱۵۸۰ء، ۱۸۴۰ء، ۱۸۵۳ء۔ ۴ جلد۔ پیرس۔

فرانسس اول کی گرفتاری مصنفہ Champollion Figeac ایک جلد پیرس ۱۸۴۷ء

خطوط و تذکرۂ مملکت۔ دو جلد پیرس ۱۶۶۶ء مصنفہ۔ Ribier

تذکرۂ تاریخی و سیاسی مصنفہ Pouqueville

ہنگری پر عثمانیہ تسلط کے دور میں گیاروں کی حالت مصنفہ Albert Lefawre از ۱۵۲۶ء تا ۱۷۲۲ء۔ ۲ جلد۔

Sundar Rang F. Denis { الجزائر میں تولیت کی بنا۔ تاریخ بار بروسا۔ سولھویں صدی کی عربوں کی تاریخ۔ مہم چارلس پنجم۔ دو جلد۔ پیرس ۱۸۳۷ء۔ سرزمین مقدس، مصر، الجزائر، تونس اور یونان میں موسیو دے بریوز کے سفر کے حالات مع صلحنامہ ۱۶۰۴ء مابین ہنری اعظم و شہنشاہ ترکی ایک جلد۔ پیرس ۱۶۲۸ء۔

A Boppe قونصل فرانسیسی (Gedoyn) رسالہ و مکاتبت عیدان ترک متعینۂ حلب (۱۶۲۵ء تا ۱۶۲۳ء) ایک جلد پیرس۔

واقعۂ وفات سلطان عثمان و تاجپوشی سلطان مصطفیٰ (ترجمہ از ترکی) Galland ایک جلد۔ پیرس ۱۶۷۸ء۔

Petis de la Corix { سلیمان کے عہد حکومت کے حالات جو مراد چہارم کی واقفیت کے لئے بیان کئے گئے۔ سلاطین عثمانیہ کے حالات خفیہ اسناد پر مبنی ہیں اور سیاسی و عسکری کوائف پر مشتمل ہیں۔ ترجمہ از ترکی ایک جلد ۱۷۴۵ء۔

سیاحت شام و کوہ لبنان یعنی تاریخ پرنس ترلس مارونت شہید مذہب۔

De la Roque دو جلد۔ پیرس ۱۷۲۵ء۔
محاصرۂ جزیرۂ کینڈیا (ایک جلد۔ پیرس ۔ سنہ ندارد۔ سترھویں صدی عیسوی)
سوانح متعلق فتح مصر۔ ترجمہ بزبان فرانسیسی از والے Leibnity ایک جلد
پیرس ۱۸۴۰ء۔
سوانح، فوجی فنون، ترکوں سے جنگ معرکہ ۱۶۶۴ء Montecuculli ترجمہ
از لاطینی مترجمہ ٹی۔ ڈی کرس مع تشریحات تین جلد۔ پیرس ۱۷۶۹ء۔
سوانح Petis de la Croix دو جلد۔ پیرس ۱۶۸۴ء
حالت حاضرہ سلطنت عثمانیہ Ricaut ترجمہ بزبان انگریزی از بریو۔ دو جلد
پیرس ۱۶۷۰ء۔
تاریخ جین سوبیسکی و مملکت پولینڈ Salvandy دو جلد ۱۸۲۹ء
تاجپوشی سلیمان Chardin ایک جلد۔ پیرس ۱۶۹۱ء
تاریخ پطرس اعظم Voltaire
پطرس اول Golvin دو جلد۔ لائپزک ۱۸۶۱ء
سوانح Count de Bonneval دو جلد پیرس ۱۸۰۶ء
ایک سفیر مارکوئس دے نائنٹل کے معرکے A. Vandal (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۰۰ء)
لوئی پانزدہم کے عہد حکومت کی فرانسیسی سفارت ״
درجنز کا شہسوار L. B. de Marsangy (دو جلد پیرس)
تاریخ ایران من ابتدائے موجودہ صدی La Mamie Clerac
(۳ جلد۔ پیرس ۱۷۵۰ء)
سفر یورپ ایشیا و افریقہ La Mottraye (تین جلد لاہے ۱۷۲۷ء)
سفر ترکی و ایران و بیان معرکۂ طہماسپ قلی خاں Otter ۲ جلد پیرس ۱۷۴۸ء
تاریخ طہماسپ خاں (جدید شاہ ایران) یعنی ایران کے آخری انقلاب کی تاریخ گمنام
ایک جلد۔ پیرس ۱۷۴۲ء۔
تذکرۂ سفارت فرانسیسی بہ ملک ترکی Count de Saint Priest
ایک جلد پیرس ۱۸۷۷ء۔

تذکرۂ سفارت فرانسیسی بہ ملک ترکی از ماشر سی شیفر Marquis de Bonnac (ایک جلد پیرس)

پولینڈ میں بدنظمی اور اس جمہوری ملک کا انتزاع Rulhieres (۴ جلد پیرس ۱۸۰۷ء)

سیاحت کریمیا۔ ترجمہ از انگریزی از برشیر س Lady Craven (ایک جلد پیرس ۱۷۸۹ء۔)

خطوط ترجمہ از انگریزی از آسن Lady Montagu (دو جلد پیرس ۱۸۹۱ء)

تاریخی خلاصہ حروب مابین ترکی و روس ۱۷۶۹ء تا ۱۷۷۴ء Vasif Effendi ترجمہ از زبان ترکی من ڈی پرسیول ایک جلد۔ پیرس ۱۸۲۲ء۔

سوانح

سیاحت شام فلسطین و مصر Count de Segur Volney (دو جلد پیرس ۱۷۸۷ء

مسئلہ مشرق اٹھارہویں صدی میں۔ بناء اتحاد ثلاثہ De Sorel ایک جلد پیرس ۱۸۷۷ء

ترکوں کی مہمیں Volney ایک جلد۔ پیرس ۱۷۸۸ء

رسالہ عبدالرحمٰن درباره قبضۂ فرانسیسی Abdur Rahman C'Barti

اور اسی حملے کا خلاصہ جو نکولاس ال ترکی سکرٹری شاہزادۂ دروزیان نے کیا۔ ترجمہ از عربی از الکس کارڈین ایک جلد۔ اسکندریہ ۱۸۳۵ء۔

مصر پر فرانسیسی حملے کی تاریخ Nekoula-el-Turk ترجمہ از عربی من ڈسگر نجس (ایک جلد پیرس ۱۸۳۹ء)

حملۂ مصر کے متعلق جدید حالات Richardet ایک جلد۔ پیرس ۱۸۴۸ء۔

حملۂ مصر بابت ۱۷۹۸ء تا ۱۸۰۱ء C. de la Jonquiere اشاعت آرمی ہیڈ کوارٹرس۔ صیغہ تاریخ پانچ جلد پیرس ۱۹۰۰ء۔ ۱۹۰۵ء)

واقعات معرکۂ مصر General J. P. Doguereau مرتبہ دے لاژونکیر۔ ایک جلد پیرس ۱۹۰۴ء۔

ایک ترکی سفارت M. Herbette

قسطنطنیہ کے انقلابات J. de St. Denys دو جلد۔ پیرس ۱۸۱۴ء۔

ترکی کے اصلی حالات Thornton ترجمہ از انگریزی دو جلد سنہ ۱۸۱۲ء
کراجارجس و میلاش۔ سرویہ انیسویں صدی میں St. Rene Taillandier
ایک جلد سنہ ۱۸۷۵ء پیرس۔
تاریخی مقالہ بر انقلاب و خود مختاری سرویہ Cunibert دو جلد
لائپزگ سنہ ۱۸۵۵ء۔
تذکرۂ علی پاشا Pouqueville ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۲۲ء
حالات یونان و البانیہ بعہد حکومت علی پاشا۔ ابراہیم منصور افندی ایک جلد۔
پیرس سنہ ۱۸۲۲ء۔
البانیہ و نپولین A Boppe ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۱۳ء
یونان کا وہ حصہ جو براعظم پر واقع ہے اور موریہ Buchon ایک جلد
پیرس سنہ ۱۸۴۳ء۔
سیاحت ایوبیا، سائکلیڈس و جزائر یوتیا Buchon ناشر لانگنن۔ ایک جلد
پیرس سنہ ۱۹۱۱ء۔
سیاحت یونان Pouqueville (۶ جلد پیرس سنہ ۱۸۲۵ء
احیاء یونان Pouqueville (۴ جلد پیرس سنہ ۱۸۲۶ء
بغاوت و احیاء یونان Gervinius ترجمہ از زبان جرمن از منسن ۲ جلد
پیرس سنہ ۱۸۶۲ء۔
یونان پر مختصر نوٹ Maxime Raybaud جو جنگ خود مختاری کے
ضمن میں قابل مطالعہ ہیں۔
جنرل فبوئے اس کی جنگی و سیاسی زندگی A. Debidour ایک جلد پیرس سنہ ۱۹۰۴ء
سوانح مرتبہ شلمبرجر Commandant Persat (پیرس سنہ ۱۹۱۰ء)
روسی حملہ ہائے ملک ترکی موقوعہ یورپ بزمانہ سنہ ۱۸۲۸ء و ۱۸۲۹ء Count de Moltke
ترجمہ از ڈیمیر دو جلد پیرس سنہ ۱۸۳۴ء۔)
روس ایشیائے کوچک میں یا معرکہ ہائے مارشل پاسکیویچ در سال سنہ ۱۸۲۸ء و ۱۸۲۹ء
F. de Fonton ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۴۰ء۔

فتح الجزائر C. Rousset ایک جلد۔ پیرس ۱۸۷۱ء

مصر جدید Merruau ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۸ء

جدید ترکی d'aubignose دو جلد پیرس ۱۸۳۹ء

محمد علی اور ترکی کی جنگ کی تاریخ de Caldavene and Barrault دو جلد۔ پیرس ۱۸۳۶ء۔

مشرقی ممالک کی دو سال کی تاریخ de Caldavene and Barrault دو جلد پیرس ۱۸۴۰ء

شام بعہد حکومت محمد علی Ferrier ایک جلد۔ پیرس ۱۸۴۲ء

خطوط بشیو الیئے دے جنرل، موسوسہ ایران دیلے کیا۔ Prokesh Osten بابت ۱۸۱۳ء تا ۱۸۲۰ء (دو جلد پیرس)

ایک سرحدی داستان Prince G. Bibesco (ایک جلد پیرس)

رومانیہ۔ ایڈریانوپل سے بالٹا لیما تک ۱۸۲۹ء سے ۱۸۴۹ء ایضاً

حکومت بیبسکو۔ (دو جلد پیرس)

سیاسی تاریخ اہل رومانیہ ۱۸۲۱ء سے ۱۸۵۹ء حکومت مائیکل اسٹرڈزا Alex sturdza ایک جلد پیرس۔

مشرق میں یورپ کی مداخلت۔ اور ایشیا میں اسلامی تمدن اور عیسائی معاشری حالت پر اس کا اثر Houry ایک جلد پیرس ۱۸۴۳ء۔

ترکی کے متعلق پوشیدہ حالات Destrilhes ایک جلد پیرس ۱۸۵۵ء

مشرقی انقلاب ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۶ء وغیرہ کی سیاسی تاریخ و مسئلہ مقامات مقدسہ۔ ایک جلد بروسلز ۱۸۵۷ء

ابتدائے جنگ کریمیا Ed. Bapel

تاریخ جنگ کریمیا C. Rousset ایک جلد پیرس ۱۸۷۷ء

کریمیا پر حملہ Kinglake ترجمہ از انگریزی از کچہ تین جلد۔ بروسلز ۱۸۶۴ء۔

محاصرۂ سباستاپول Niel ایک جلد پیرس ۱۸۵۸ء

یادگار جنگ کریمیا Fay ایک جلد پیرس ۱۸۶۹ء

فرانسیسی و روسی۔ ماسکو اور سباستاپول A. Rambaud ایک جلد پیرس ۱۸۸۰ء

معرکۂ کریمیا Anitschkoff ترجمہ از جرمن دو جلد پیرس ۱۸۶۸ء

مدافعت سباستاپول Ed. de Todlebca (ترجمہ از فرانسیسی ۴ جلد سینٹ پیٹرسبرگ سنہ ۱۸۶۴ء)۔
پیرس کانگریس کی تاریخ Gourdon (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۵۷ء)
یورپ کے سامنے چھوٹی ریاستوں کا مسئلہ Ubicini ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۵۸ء
ترکی اور دوسری اسلامی ریاستیں de Lanture ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۵۵ء
مارونیتی و فرانس Dufaure ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۰ء
شام پر چڑھائی Louet ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۶۲ء
شام سنہ ۱۸۶۱ء میں St. Mare Giradin ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۶۲ء
ترکی اور تنظیم Ed. Englehardt (پیرس سنہ ۱۸۸۴ء)
فرانس و لبنان De Baudicour (ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۷۹ء)
مکتوب جوزف کرم عیسائی حکومتہائے یورپ کے نام سنہ ۱۸۶۸ء مانٹینگرو والبانی روایات کے مطابق Pasco Wasa (رسالہ قسطنطنیہ سنہ ۱۸۷۰ء)
سرویہ و وفد بہ سرویہ Iovanovity (ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۷۰ء)
بغاوت کریٹ کی تاریخ Ballot (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۸ء)
سیاسی دستاویزیں دربارہ جنگ ترکی و یونان۔ ایضاً (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۳ء)
ترکی میں اصلاحات Chertier (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۸ء)
سنہ ۱۸۶۷ء میں ترکی اور یورپ Duc de Valmy (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۷ء)
ترکی بعہد عبدالعزیز Osman Bey (ایک جلد۔ بروسلز سنہ ۱۸۶۸ء)
ترکی کی مالی حالت کی خرابی Brunswick (رسالہ پیرس سنہ ۱۸۷۴ء)
ہرزیگو ینا سے متعلق Ali Suavi-Effendi (ایک جلد پیرس سنہ ۱۸۷۵ء)
مشرقی جنگ (سنہ ۱۸۷۶ء۔ سنہ ۱۸۷۷ء) Gl. Lecomte تین جلد لاسین سنہ ۱۸۷۷ء۔ سنہ ۱۸۷۸ء۔
بلغاری مظالم کی داستان اور مسئلہ مشرق Gladstone (رسالہ۔ لندن سنہ ۱۸۷۶ء)
مدحت پاشا Louzon-le-Duc ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۷۷ء
مدحت پاشا کے متعلق انکشاف حقیقت Brunswick (رسالہ۔ پیرس سنہ ۱۸۷۹ء)

دستور عثمانی Ubicini (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۷۹ء)
جنگ مشرق (۱۸۷۷ء۔ ۱۸۷۸ء) از یکے ماہر جنگ (۱۸۸۲ء)
تاریخ اسباب جنگ مشرق Eugene Forcade
ترکی اور اسلام General Hussein Tewfitk Pasha لکچر جو جزیرۂ رھوڈ کی تاریخی مجلس کے آگے پڑھا گیا (۱۸۷۸ء)
مسئلۂ مصر Ch. de Freycinet (ایک جلد پیرس)
فرانس و انگلستان مصر میں A. Bourguet (ایک جلد پیرس)
طونس میں فرانسیسی حکمت عملی حکمبرداری اور اس کی ابتدا (۱۸۵۴ء۔ ۱۸۹۱ء) D. E. de Constant (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۸۲ء)
طونس میں رسالت ماہی معرکے کی یادگار Dick de Lonlay ایک جلد پیرس ۱۸۸۲ء
ترکی یورپی دول کے روبرو Leonce Casaubon (رسالہ پیرس ۱۸۸۷ء)
خطوط باسفورس Count C. de Mouy (ایک جلد پیرس ۱۸۸۷ء)
یادداشت و مکالمۂ سیاسی ایضاً (ایک جلد پیرس ۱۸۹۹ء)
بلقان کی موجودہ جنگ اور مشرق مسئلہ (۱۸۸۵ء۔ ۱۸۹۷ء) Lieut. C. Becker (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۹۹ء)
تھسلی واقع کریٹ Pierre Mille (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۹۸ء)
تھسلی کی جنگ اور ترکی فوج K. F. Von der Goltz (ایک جلد برلن ۱۸۹۸ء)
مشرق ادنیٰ میں بیس سال A. G. Hulme Beaman (ایک جلد ۱۸۹۸ء)
یورپی ترکی Sir Charles Eliot (ایک جلد ۱۸۹۷ء)
جدید ترک E. Fazy (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۹۸ء)
سلطان و دول عظمیٰ Max Cool (ترجمہ از انگریزی از لنگمٹ ایک جلد ۱۸۹۹ء)
ترکی اور اس کے ہمسائے Chas Wood (ایک جلد۔ پیرس)
ارمینی اور ترکی اصلاحات Albert Vandal (رسالہ پیرس ۱۸۹۷ء)
مقدونیہ اور اس کی عیسائی آبادی D. Brankoff (ایک جلد ۱۹۰۴ء)
مقدونیہ کے رومانویوں میں سیاحت Bolmiteano (ایک جلد ۱۸۹۳ء)

مقدونیہ کی مصیبت Maurice Gandolph (ایک جلد پیرس)
مقدونیہ اور اصلاحات Dranganoff (ایک جلد پیرس)
ترکوں کا انصاف اور مقدونیہ میں اصلاحات O. Focieff
دولت عثمانیہ بعہد عبد الحمید Ch. Hecquard (ایک جلد سنہ ۱۹۰۱ء)
قسطنطنیہ اخیر دور عبد الحمید ثانی میں Paul Fesch
باسفورس اور دردۂ دانیال Serge Gorianow (ایک جلد پیرس سنہ ۱۹۱۰ء)
مسئلۂ شرق André Chéradame (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۳ء)
سلطانی سیاست Victor Berard (ایک جلد پیرس)
حالات کریٹ " (ایک جلد پیرس سنہ ۱۹۰۰ء)
ترکی اور جدید یونانیت " (ایک جلد پیرس)
سلطانِ اسلام اور دول " (ایک جلد پیرس سنہ ۱۹۰۷ء)
مقدونیہ و حمایت مقدونیہ "
انقلاب ترکی " (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۹ء)
یورپ اور دولت عثمانیہ René Pinon (ایک جلد پیرس)
یورپ اور نوجوان ترکی " (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۱۱ء)
احیاء سلطنت عثمانیہ Paul Imbert (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۹ء)
ترکی کا مستقبل G. Charmes (ایک جلد۔ سنہ ۱۸۸۹ء)
ضلع الیسیو اور مرویت Wiett (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۸۶۶ء)
یادداشت متعلقہ بالائی البانیہ A. Degrand (ایک جلد۔ پیرس سنہ ۱۹۰۱ء)
البانیہ کے نامعلوم حالات G. L. Jaray (ایک جلد پیرس سنہ ۱۹۱۳ء)
مسئلۂ شرق کے تین سال کی روداد L. Thouvenal
وفات عبد العزیز کی حقیقت A. de la Jonquiere رسالۂ مشرقی
پیام رساں بابت ۹ مئی ۱۹۰۹ء ماہ جون قسطنطنیہ۔
مدحت پاشا ان کی زندگی اور ان کا کام Ali Haidar Pasha ایک جلد
پیرس سنہ ۱۹۰۸ء)

واقعات مشرق General Mohamoud Muktar

سفر شام G. Charmes (ایک جلد پیرس ۱۸۰۹ء)

مسئلۂ شرق من ابتدائے عہد نامۂ برلن Max Choublier

فرات کے بدوی قبایل A. Blunt

استانبول کا خاتمہ V. Berard (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)

جنگ بلقان Colonel Immanuel دو جلد ترجمہ از جرمن۔ پیرس ۱۹۱۴ء)

ترکی بلقانی جنگ Colonel Boucabille (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)

محاصرۂ ایڈریانوپل Colone P. de Mondesir (ایک جلد پیرس ۱۹۱۴ء)

اتحادیوں کے ہمرکاب Captain d'Alauzier (ایک جلد پیرس ۱۹۱۴ء)

ایک شکست کھائے ہوئے کی بائیں جنرل عزت فواد General Izzat Fuad (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)

تھریس کے معرکے میں میری سپہ سالاری (ترجمہ از جنرل محمود مختار) General Mahnoud Muktar جرمن ایڈیشن از کمانڈنٹ منرت۔ پیرس ۱۹۱۳ء۔

گولہ باروت میں ترکوں کے ساتھ Major de Hochwaechter ترجمہ از جرمن از منرت (ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)۔

حملے کے ایام سے متعلق ایک ترکی افسر کی بیاض لفٹنٹ سلیم بے (ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)

ترکوں کے ساتھ تھریس میں E. Achmead Bartlett (ایک جلد لندن ۱۹۱۳ء)

۱۹۱۲ء کی جنگ بلقان Alain de Penennrun (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)

صوفیہ سے شتلجہ تک Réne Puaux (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۳ء)

ترکی بلغاروی جنگ Corrado zoli (ایک جلد۔ میلان ۱۹۱۴ء)

بلقانی جنگ کا ناٹک۔ ایک خاص نامہ نگار (ایک جلد۔ لندن ۱۹۱۳ء)

بلغاروی فوجوں کے ساتھ فتح Lieut. Wagner ترجمہ از جرمن از منارت (ایک جلد پیرس ۱۹۱۳ء)

ایک انتقام۔ ایک پیشقدمی Jean Leune (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۴ء)

جغرافیۂ عالم Elisee Reclus

تاریخی وجغرافیائی بیان ایشیائے کوچک V. de St. Martin (دو جلد پیرس ۱۸۵۲ء)

جغرافیائی لغت " " "

دہانۂ بحر اسود کا سفر General Andreossy (دو جلد پیرس ۱۸۲۸ء)

باسفورس اور قسطنطنیہ De. Tehihatcheff (پیرس ۱۸۷۷ء)

قسطنطنیہ E. de Amicis (ترجمہ از زبان لاطینی مترجمہ مڈیم لوریو (ایک جلد پیرس ۱۸۷۸ء)

قسطنطنیہ و ایشیا کے شاہراہ" Gaston Deschamps

ایشیائی ترکی میں سیاحت Count de Cholet

سیاحت شام Guys (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۵۵ء

شام Kairallak (رسالہ۔ پیرس ۱۹۱۲ء

صوبۂ بغداد Habib K. Chila (ایک جلد۔ قاہرہ ۱۹۰۰ء)

موجودہ عربستان Baron d'Avril (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۸ء)

ترکی کی سلافی آبادی Ubicini (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۳ء)

ترکی کے سلاف Cyprien Robert (ایک جلد۔ پیرس ۱۸۶۲ء)

یورپین ترکی کی اقوام Lejeune (ایک جلد ۱۸۶۱ء)

یونانی خون کی جدید آمیزش Marino Vreto (ایک جلد۔ ایتھنس ۱۸۵۵ء)

والیکی زبان Theeman (ایک جلد۔ وینس ۱۷۷۳ء)

مقالہ بر مذہب دروزی S. de Sacy (دو جلد۔ پیرس ۱۸۳۸ء)

تاریخ کلیسا ہائے یونان وارمنی Ricaut (ترجمہ از انگریزی از روزمنڈ پیرس ۱۶۹۲ء)

مشرقی ارمنی کلیسا کی تاریخ، اعتقادات، مراسم و قوانین Dulaunier (ایک جلد پیرس ۱۸۵۵ء۔)

ڈلمیشیا۔ ایتھنس، جزائر ایونیا و مونٹ ایتھاس Stanislas de Nolhac

مونٹ ایتھاس اور اس کی خانقاہیں V. Langlois (پیرس ۱۸۶۷ء)

مشرقی مراسلت Michaud and Poujoulat (سات جلدیں ۱۸۳۳ لغایت ۱۸۳۵ء)

تاریخی وجغرافیائی حالات ارمینا St. Martin (دو جلد۔ پیرس ۱۸۱۸ء)
تاریخ ارمینیہ Lazdivertzi (ترجمہ از ارمین از پروو ہوم) (دو جلد پیرس ۱۸۶۷ء)
سسلی میں فرانسیسوں کا قتل عام ذمہ داریاں واقعات ووثائق M. Mouchegh
(رسالہ۔ اسکندریہ ۱۹۰۹ء)
ترکی میں اصلاحات اور عیسائیوں کی مخالفت (۱۶۷۳ء سے ۱۹۰۴ء) A. Schopoff
(پیرس ۱۹۰۵ء)۔
بلغاریہ اور یونان کا بالائی کلیسا۔ گمنام (رسالہ قسطنطنیہ ۱۸۶۰ء)
انتراق اور کیتھولک بلغاریہ (۱۸۶۰ء) "
بلغاری مسئلے کی حقیقت (۱۸۶۰ء) "
مسیحی بلغاریہ Baron d'Avril (پیرس ۱۸۶۷ء)
مقالہ بر معاشی تاریخ ترکی من ابتدائے عہد محمد ثانی عہد حاضرہ Belin
(پیرس ۱۹۰۳ء)۔
لیوان کے معاہداتی بندرگاہوں میں فرانسیسی اختیارات Feraud-Giraud (۲ جلد پیرس ۱۸۶۶ء)
شرائط متعلقہ حوالگی ایضاً (رسالہ۔ لائنس ۱۸۷۳ء)
مقالہ بر حقوق اہل یورپ در ترکی و مصر Gavillot (پیرس ۱۸۷۳ء)
عثمانی عدل بمقابلہ دول غیر A. Mandelstam (ایک جلد۔ پیرس ۱۹۱۱ء)
عثمانی عدالت کی اصلاح کے بارے میں Count Leon Ostrorog (پیرس ۱۹۱۲ء)
لیوان میں فرانسیسی اثر E. Lamy (پیرس)
مسائل آسٹریا ہنگری ہ مسئلۂ شرق Rene Henry
کوہ بوہیمیا سے خلیج فارس تک " "
آسٹریا ہنگری کے جنوبی سلافی علاقے Viscount de C. de St. Aymour
بلقان اور ایڈریاٹک Albert Dumont
ایک مشرقی وفاق کے ذریعے مسئلۂ مشرق کا حل A Latin (ایک رسالہ ۱۹۰۵ء)
بوڑھا فرانس اور نوجوان جرمنی G.Goyan
ترکی واقع ایشیا کی عرب قوم میں بیداری۔ عجیب آذری۔

مسئلہ عرب سنہ ۱۹۰۹ء Martin Hartman
دول یورپ و بغاوت عرب Eugene Jung (پیرس سنہ ۱۹۰۶ء)
عیسائی اور مسلمان Ludovic de Contenson (پیرس سنہ ۱۹۰۷ء)
اصلاحات در ترکی موتوعۂ ایشیا " " (سنہ ۱۹۱۳ء)
سلطنت عثمانیہ میں اہل یورپ اور وہ جوان کی حفاظت میں ایں Pierre Arminjon
(دو جلد سنہ ۱۹۰۳ء)
غیر مسلم عثمانی رعایا کا قانونی مرتبہ Count J. de. Steende Jehay
ترکی کے عثمانی قانون اراضی کے متعلق Padel and L. Steeg
لیوان میں غیر دول N. Verney and G. Dambmann (پیرس سنہ ۱۸۹۹ء)
یزیدی J. Menant (پیرس سنہ ۱۸۹۲ء)
ایشیائی ترکی Vital Cuinet (۴ جلدیں۔ پیرس سنہ ۱۸۹۶ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرھواں باب

عبد العزیز ۱۸۶۱ء تا ۱۸۶۹ء

سلطنت کی عام حالت۔ (قرہ طاغ) مانٹی نیگرو۔ جنگ ۱۸۶۲ء۔ باب عالی۔ [illegible] (رومیہ) بلغراد پر گولہ باری شہزادہ کوزہ۔ فواد پاشاہ کا نظم و نسق۔ وزارت محمد رشید پاشا۔ لبنان۔ جوسف کرام۔ فساد کریٹ (قندیہ) ۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۹ء)۔ علی پاشا کا نظم و نسق۔ نہر سویز (۱۸۶۹ء)۔ لندن کانفرنس (۱۸۷۱ء) محمد نسیم پاشا۔ عزیز کی معزولی اور وفات (۱۸۷۶ء)۔ مراد پنجم (۱۸۷۶ء)۔

سلطنت کی عام حالت۔ مانٹی نیگرو۔ جنگ ۱۸۶۲ء۔

عزیز ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوا اور دس سال کی عمر ہی سے عزلت نشیں ہو گیا۔ اس زمانے میں اس کی تفریح کے ذرائع صرف شکار اور بھیڑیں پالنے تک محدود تھے۔ گو اس کو

مشرقی زبانوں پر کامل عبور اور اسلامی علوم میں کمال کا درجہ حاصل تھا لیکن یورپ سے جن چیزوں کا تعلق تھا ان سے اُسے بالکل ناواقف رکھا گیا تھا۔ اگرچہ اس کی تخت نشینی پر اصلاح کے حامیوں کو بہت کچھ تشویش ہوئی لیکن قدیم ترکی جماعت بیتابی کے ساتھ اس کی منتظر تھی اور ان لوگوں کو اس کی ذات سے بہت کچھ توقعات تھے۔ تخت وتاج کے وارث یک جدی کو بادشاہ ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنا جانشین کرنا چاہتے ہیں۔ ابتدائی زمانے میں سلاطین اپنے قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ مروا ڈالتے تھے۔ لیکن اسی زمانے میں اس قسم کی انتہائی تدابیر کا اختیار کرنا ممکن نہ تھا۔ اِدھر وارث تخت وتاج بھی باوجودیکہ ہمیشہ اشتباہ کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور عملی طور پر اپنے محل میں بند رکھا جاتا تھا، رعایا کے ایک حصے کو اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کرتا تھا اور حکمران بادشاہ کے خلاف پوشیدہ سازشیں کیا کرتا تھا۔ عبدالمجید کی زندگی میں اس کا بھائی علما اور صوفیا کی نوال پذیری پر بہت کچھ ہمدردی کا اظہار کیا کرتا تھا اور نئی روشنی کے مخالف اس شاہی وارث کے مفاد سے بہت کچھ دلچسپی لیتے تھے۔ لیکن تخت پر بیٹھتے ہی اس نے محسوس کیا کہ وہ ترقی کی اس دوڑ میں پیچھے رہ جانا گوارا نہیں کر سکتا۔ اس طرح اس نے تمام متعصب لوگوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ یہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے اور اُدھر سلطان بھی ان کی طرف سے مدافعت یا مقابلے کی معمولی سی کوشش پر بھی سختی سے کام لینے لگا۔

سلطان نے سب سے پہلے جو کام انجام دیئے ان کی غرض یہ تھی کہ رعایا کو اطمینان حاصل ہو جائے۔ ایک "خطِ شریف" (یعنی شاہی خط) میں جس میں وزیر کو مخاطب کیا گیا تھا، اس نے اپنے اس مصمم ارادے کا اظہار کر دیا کہ اصلاحات کے نفاذ کو برقرار رکھا جائے گا۔ غیر ملکوں کے سفیروں کو نہایت باقاعدہ طور پر اس امر کا اطمینان دلا دیا گیا کہ نیا بادشاہ وہی طرزِ عمل اختیار کرے گا جو اس کے پیشرو کا قائم کیا ہوا ہے۔ قید خانوں کے دروازے کھل گئے اور مرحوم سلطان کے وزرا کے سیاسی مخالفوں کو رہا کر دیا گیا۔ جن لوگوں پر رعایا نے غبن اور رشوت ستانی کے الزام لگاتے تھے ان کے خلاف عدالتی کارروائی عمل میں لائی گئی۔ ان کو ملازمتوں سے برخواست کر دیا گیا

اور ان کی عام طور پر تشہیر کی گئی۔ عبد المجید کے حرم کو منتشر کر دیا گیا اور سلطان نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کرے گا۔

تخت نشین ہونے کے بعد عبد العزیز نے رضا پاشا کے علاوہ اپنے بھائی کے تمام وزیروں کو بحال رکھا۔ اور رضا پاشا کی جگہ نامق پاشا کو مامور کیا۔ کچھ روز کے بعد محل کی ایک سازش کی بنا پر وزیر اعظم محمد قبرسلی پاشا نے مہر وزارت علی پاشا کے سپرد کر دی (۶ راگست)۔ کریمیا کی لڑائی کے خوشگوار نتائج اور خط شریف (دستور اساسی) کے مندرجہ فیاضانہ دعووں کے باوجود سلطنت کی حالت نہایت نازک تھی۔ مالیات کی بدنظمی، خزانے کی تہیدستی، جس کی وجہ سے سلطنت کے کاروبار میں رکاوٹیں پیدا ہوتی تھیں، سلافی صوبہ جات کی بغاوت، جس سے جزیرہ نمائی تمام عیسائی آبادی کے بغاوت میں شریک ہو جانے کا خطرہ تھا، مسئلۂ لبنان جو ملتوی کر دیا گیا تھا مگر جس کا تصفیہ اب تک نہیں ہوا تھا، اور سربستان اور مالڈووا لاشیا کی خود مختاری حاصل کرنے کے لئے کھلم کھلا جدوجہد، یہ تمام ایسے مسائل تھے جن کی طرف فوری توجہ مبذول کرنے کی ضرورت تھی۔

سلطنت سربستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے بعد، جو دوشن کی موت اور اوراس کے بیٹے اوروش کے قتل کا پیش خیمہ تھی، ایک البانی امیر مسمی پاشا نے قلعہ سکاویر پر قبضہ کر لیا تھا اور زیٹا کو مغلوب کر کے اپنے اقتدار کو کٹھارو تک بڑھا لیا تھا۔

پاشا، سردار پاشائیدس پرووانس کے مشہور و معروف خاندان کا ایک رکن تھا، جس نے چارلس آف انجو کی ہمرکابی میں اول سسلی میں اور پھر البانیا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ یہ لوگ بیرنس بوے لو، شہزادہ ہائے اورانج، وائی کاونٹس آف مارسیلز، کاؤنٹس آف ان ٹیس کے گیوٹ، کاؤنٹس آف اسکوٹی لیس، پرنس آف ٹارینٹو، کاؤنٹس آف ایوی لینو، اور ڈیوکس آف انڈریا تھے۔ ان کی حکومت پلوپانیز پر تھی اور یہ قسطنطنیہ کی سلطنت کے دعویدار تھے۔ پچاس سال کے دوران میں جبکہ البانیا پر انگیون بادشاہوں کی حکومت تھی، متعدد فرانسیسی سرداروں نے اس کائی پس ٹارس میں رہائش اختیار کر لی تھی اور پیٹروس کے

شریف خاندانوں سے روابط قائم کرلئے تھے۔ باشا، برٹرینڈ ڈیس باکس[1] کے ایک چھوٹے لڑکے کی اولاد اور اپنی پیڑھی میں پہلا شخص تھا۔ اس نے البانیا میں استحکام حاصل کرلیا اور اپنی وفات پر اپنی وسیع سلطنت جو مانٹی نیگرو پرایز خلیج سقوطری کے دونوں کناروں، اور مقبوضات بری پر مشتمل تھی اپنے تینوں لڑکوں کے لئے چھوڑ گیا۔

از سرِ نو کیتھولک مذہب اختیار کرنے کے بعد، جس کو چھوڑ کر ان کے دادا نے یونانی افتراقی اصول کو دوشان کے زمانے میں اختیار کرلیا تھا۔ باشا کے بیٹوں نے، شاہان صربستان سے جن کے وہ برائے نام ماتحت تھے اور البانی خاندانوں سے لڑائیاں لڑ کر بہت کچھ عزت و عظمت حاصل کرلی اور ۱۳۵۵ء میں بالشیدیون نے براٹ، ویلونا، دُرازو اور ہرزی گووینا کے ایک بڑے حصے کو اپنے مقبوضات میں شامل کرلیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب کہ ترک، فرانسیسی نسل کے دوکا دجینی لوگوں کی دعوت پر، جو شاہان باکس کے حریف تھے، البانیا میں داخل ہوئے۔

باشا ثانی سورا کی مقاومت کی تاب نہ لاکر براٹ کے قریب جنگ میں ہلاک ہوگیا اور اس کے بھتیجے، جارج، کو براٹ اور کیسٹوریا مجبوراً ترکوں کے حوالے کردینا پڑے۔ کسووو کی لڑائی کے بعد جارج ثانی نے ترکوں کی اطاعت سے انکار کردیا۔ لڑائی کا نتیجہ مایوس کن تھا اور جارج کی جاں بخشی کے لئے وینس کی مداخلت کی ضرورت ہوئی۔ لیکن یہ امداد اس کو بہت مہنگی پڑی اور وینس کی اعانت کی قیمت میں اس کو کرویا، دُرازو اور سقوطری وینس کے حوالے کردینا پڑا یہ آخری شاہ باکس ترکوں کو شکست دینے کے بعد ۱۴۲۱ء میں لاولد فوت ہوگیا۔

باشا ثالث کا اے تین دے میرامون، جس کو سرنوئی وتیچ کہتے تھے جانشین ہوا۔ اس کی ایک فرانسیسی خاندان سے نسبتی قرابت تھی جو لاپوئیلی میں آباد ہوگیا تھا اور جس کو باشا کے بیٹے نے زیٹا میں بلاکر سرنے گورا کی سرداری عطا کردی تھی۔ باشا کے اس جانشین کو البانیا کی بغاوت کو روکنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ دو مجن:

[1] ویو کانج۔ "قسطنطنیہ کی فرانسیسی شہنشاہی کی تاریخ"۔

ٹوپیا اور ایریا ناٹس تینوں قوموں نے اپنی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک اسکندبیگ کو اپنا سردار تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بیرامون کے خاندان والوں نے، مانٹی نیگرو کی سرداری حاصل کرنے کے بعد یونانی کلیسا کے عقاید اختیار کر لئے تھے۔ آئی وان سرنوویچ، خاندان بیرامون کے سب سے زبردست بادشاہ، کے عہد میں ہوٹی اور البانیا کے ان قبیلوں نے جو اب تک شاہان زیتا کے ماتحت تھے۔ بغاوت کردی۔ اس زمانے سے لے کر آج تک سرنیگوری باشندگان سربستان اور کیتھولک عقیدہ رکھنے والے اہل البانیا ایک دوسرے کو نہایت نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے قطعاً علیحدہ ہو گئے ہیں۔ آئی وان نے ایک مدت تک ترکوں کی مدافعت کی لیکن ۱۴۸۴ء میں یہ محسوس کر کے کہ آیندہ مدافعت کرنا قطعاً ناممکن ہے اور خاصکر البانی خاندانوں کی بغاوت کے بعد اس نے اپنے دارالحکومت آیاب لیاک کو جلا دیا اور سرنیگورا کی پہاڑیوں میں واپس ہو کر سنتجی میں سکونت اختیار کر لی۔

ان مصائب کا ایک حد تک سدباب کرنے کی غرض سے ایک قومی مجلس عامہ نے بالآخر یہ قانون پاس کیا کہ:۔ "جنگ کے زمانے میں کوئی مانٹی نیگرن اپنے ترک سردار کی اجازت کے بغیر میدان جنگ کو چھوڑ کر نہیں جا سکے گا جو لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل اور رسوا کر دیا جائے گا وہ جلاوطن کر دئے جائیں گے اور زنانہ لباس پہن کر ان کے ہاتھوں میں روئی کی پونیاں دے دی جائے گی اور اُن کو بزدل اور غدار تصور کر کے عورتیں روئی کی چھڑیاں لے کر ان کا تعاقب کریں گی۔" یہ گویا پیش خیمہ تھا باشندگان مانٹی نیگرو کی اس جنگ کا جو آج تک جاری ہے۔ وہ کبھی اس جنگ میں فتحیاب ہوئے اور کبھی ان کو شکستیں ہوئیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کبھی مسلمانوں کی اطاعت قبول نہیں کی۔ اور آل عثمان کو ان ناہموار پہاڑوں میں جہاں آزادی کی پرستش کی جاتی ہے کبھی پاؤں جمانے نصیب نہیں ہوئے۔

جارج پنجم سرنوویچ اپنی بیوی کے لئے ریناڈوریا کی خاطر جو سرنے گورا کی دیہقانی زندگی کی عادی نہیں ہو سکتی تھی تخت سے دست بردار ہو گیا (۱۴۹۶ء) اگر کے مے ڈے ریس پر اعتبار کیا جائے تو بیرامون خاندان کے آخری نام لیوا نے

حالت الحاد میں اپنی زندگی کا خاتمہ کیا۔ اپنی اراضی کو دوبارہ حاصل کرلینے کی توقع میں وہ مسلمان ہوگیا اور استنبول میں اس کی موت واقع ہوئی۔ جو کچھ بھی ہو اس کے بیٹے بہرحال عیسائی مذہب پر قائم رہے۔ ان میں سب سے بڑا بیٹا قسطنطین ایک خاندان کا مورث اعلیٰ بنا جس کا نام سترھویں صدی میں دنیا سے بالکل مٹ گیا۔ دوسرا بیٹا۔ سالومن لاولد فوت ہوا تیسرا لڑکا ایلی ہنگری کے میٹکوا خاندان کا مورث اعلیٰ ہوا اور اسی خاندان میں ارسینی ثالث، آئی پک کا بطریق پیدا ہوا۔

جارج پنجم کے تخت سے دست بردار ہونے کی وجہ سے حکومت میٹروپولیٹن (ولادیکا) کے ہاتھوں میں چلی گئی اور اس خاندان میں ایسی حکومت کا آغاز ہوا جس میں ذات خداوند کو اصلی شہنشاہ تسلیم کیا جاتا ہے اور عہدہ داران کلیسا اس کے نائب مانے جاتے ہیں۔ ۱۶۲۳ء میں، ڈیوک ڈی نیورس کے ایک صلیبی لڑائی کے ترتیب دینے کی ادھوری اور ناکام کوشش کے تین سال بعد، سلیمان پاشا کے حکم سے ایک ترکی فوج سنجی تک آپہنچی اور اس جگہ ایک گیریزن قائم کر کے لوگوں سے خراج وصول کیا۔ مانٹی نیگرنس نے ایسے پہاڑوں پر جن پر چڑھنا قریب قریب ناممکن تھا، خندقیں کھودلیں اور یہاں سے برابر ساٹھ سال تک ترکوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ ۱۶۹۷ء میں ایک نئے ولادیکا خاندان کے ورود نے، جو ڈے نیلو پٹرویچ کا خاندان تھا، مانٹی نیگرو کے لئے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ ڈے نیلو نے ۱۷۰۲ء میں ایک قتل عام کے ذریعے سے سرنیگورا کو قطعی طور پر آزادی دلادی اور اس طرح مانٹی نیگرو کو ترکوں سے جو ملک میں آباد ہوگئے تھے بالکل پاک کردیا ساتھ ہی مرستان کے ان باشندوں کا بھی قلع قمع ہوگیا جو عیسوی مذہب سے منحرف ہو گئے تھے۔ اس قتل کی رات سے ایک ایسے دور کا آغاز ہوتا ہے جو پوری اٹھارویں صدی میں شعلہ افگن رہا اور آج بھی اسی طرح جاری ہے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جس میں شان وشوکت کے حیرتناک منظر پیش آئے اور جس میں دلیری اور جرات کے ایسے ایسے کام کئے گئے جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنے گئے تھے۔

مارشولیو کی لڑائی جو ترکوں اور مانٹی نیگرو والے کے درمیان سب سے بڑی لڑائی تھی اور جس میں کہا جاتا ہے کہ بیس ہزار ترک ہلاک ہوئے، ڈے نیلو کے

زمانے میں واقع ہوئی (۱۷۱۱ء)۔ روس اور مانٹی نیگرو کے مابین ایک سال قبل تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ ۱۷۱۰ء کے اواخر میں پیٹر اعظم نے کاونٹ ساوا ولادی سلاویش کے مشورے کے مطابق، ترکوں کے خلاف ایک معاہدۂ اتحاد قائم کیا۔ اس روز سے مونٹی نیگرو ایک حیثیت سے ماسکو کا ایک پرگنہ بن گیا۔ ولادیکی باشندے مذہبی تقدس کے لئے سینٹ پیٹرس برگ جانے لگے۔ اور زار کے وظیفہ خوار بن کر وہ اپنے نہایت اہم افعال و اعمال کو اس کے سامنے پیش کرنے کے خوگر ہو گئے۔ پیٹر اول کے طویل زمانہ بادشاہی میں (۱۷۸۲ء تا ۱۸۳۰ء) روس کا اثر اس حد تک حاوی ہو گیا کہ ولادیکا کی رعایا اس کے خلاف زار روس کے سامنے شکایتیں پیش کرنے لگی۔ ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ پکا عیسائی نہیں ہے اور یہ کہ وہ عورتوں کی خانقاہوں کی تعداد بڑھانے کی کوشش نہیں کرتا۔ پیٹر اول نے اپنی بریت ثابت کرنے کے لئے رگوسا کی روسی کونسل کے سامنے سر نیاز خم کر دیا اور اس نے اس اختیار قانونی کے خلاف، جو روس کے مطلق العنان بادشاہ نے ناجائز طور پر حاصل کر لیا تھا، کوئی احتجاج نہیں کیا۔ پیٹر ثانی نے نیکیا اور پلیمنا سے آزادی حاصل کر کے اقتدار مطلق حاصل کر لیا۔ یہ ولادیکا جبل اسود کی عظیم ترین تاریخی ہستی ہے "کبھی وہ اپنی فوج کی کمان پر اس حیثیت سے نظر آتا ہے کہ تلوار ہاتھ میں ہے اور تمام جنگی محاسن کی زندہ نظیر لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ کبھی وہ ایک پجاری اور مبلغ کی حیثیت میں نظر آتا ہے صلیب اس کے ہاتھ میں ہے اور اپنے وحشی رفیقوں کو لوگوں پر رحم کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ کبھی وہ ایک سنگدل جج بنا ہوا ہے اور مجرموں کو اپنے سامنے سزائیں دلوا رہا ہے یا بے لوث سردار بنا بیٹھا ہے اور لوگوں کی نوازشوں کو جن کے ذریعے سے وہ اس کی آزادی کو سلب کرنا چاہتے ہیں، نخوت کے ساتھ ٹھکرا رہا ہے"[1]۔

دو صدی تک اس مذہبی بادشاہی کی عظمت کو پیٹرو ویچ خاندان نے قائم رکھا اور چچا کے بعد بھتیجا اس عظمت کا علمبردار بنتا رہا۔ پیٹر ثانی کی موت پر

---

[1] Fridey & wlahovity Le Montenegre

اس کے بھتیجے ڈے نی لو نے مذہبی اعتراضات کی پروانہ کر کے اور ڈارزکا کوپچ کے عشق میں بری طرح گرفتار ہو کر خاص خاص سرداروں سے استرضا اور روس کی منظوری کے بعد، مذہبی اقتدار کا دنیوی اقتدار سے تبادلہ کر لیا بشپ کا عہدہ بہرحال شاہی خاندان کے اراکین یا ان کی غیر موجودگی میں ملک کے کسی شریف ترین خاندان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ باب عالی کو، جو سرنیگورا کا دعویدار تھا، یہ امر ناگوار گذرا اور عمر پاشا کو حملہ کرنے کا حکم دیا گیا (۱۸۵۲ء)۔ تین مہینے کی شدید جنگ کے بعد جس میں ترکوں کے ساڑھے چار ہزار سپاہی مقتول، پانچ ہزار مجروح اور (۳۱) ملین پیاسٹر کا نقصان ہوا، آسٹریا اور روس کی مداخلت کی بنا پر سلطان کو جنگ ملتوی کر دینی پڑی (مارچ ۱۸۵۳ء)۔ ڈے نی لو نے اپنے آباؤ اجداد کی پالیسی کے خلاف روس کے مقابلے میں مانٹی نیگرو کے مفادات پر زیادہ توجہ کرنی شروع کر دی اور آسٹریا سے روابط بڑھانے چاہے۔ اور روس کی تحریکات اور اپنی رعایا کی بغاوتوں اور لعن وطعن کے باوجود، کریمیا کی لڑائی میں وہ غیر جانب دار رہا۔

پیرس کانگریس کے موقع پر جب باب عالی نے یورپ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ سرنیگورا پر ترکوں کا اقتدار تسلیم کر لیا جائے تو ڈے نی لو نے دول کے نام ایک یادداشت ارسال کی جس میں اس نے مانٹی نیگرو کی سیاسی خودمختاری کے تسلیم کئے جانے، ہرزی گونیا اور البانیا کی جانب اپنی سرحدوں کی توسیع اور اپنے حدود کے صحیح تعین کا مطالبہ کیا۔

انٹیواری کی حوالگی[1]:

---

[1] ۱۷۹۹ء کے ایک ایکٹ میں جو سلطان سلیم ثالث نے بعبارت ذیل نافذ کیا تھا سرنیگورا کی خودمختاری کو کامل طور پر تسلیم کیا گیا ہے :۔ "ہم سلطان سلیم امیر خاں وغیرہ اپنے وزرا، بوسینا، ہرزی گودینا، البانیا، اور مقدونیہ کے، جو مانٹی نیگرو کے ملحقہ صوبہ جات ہیں، پاشاؤں اور قاضیوں کو مطلع کرتے ہیں کہ اہل مانٹی نیگرو نے باب عالی کی اطاعت کبھی قبول نہیں کی ہے تاکہ ہماری سرحد پر ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور ہمیں توقع ہے کہ وہ بھی ہماری رعایا کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں گے۔"

ستنجی کے مقام پر ولادیکا، پیٹر ثانی اور بوسنیا اور ہرزی گودینا کے پاشاؤں کے نمائندوں کے مابین

یورپ کے مدبروں نے شاید یہ خیال کرکے کہ انسان کے ساتھ وہی سلوک کیا جاسکتا ہے جو سامان تجارت کے ساتھ کیا جاتا ہے ڈے نی لو کی استدعا کے جواب میں اسے باب عالی کی اطاعت قبول کرلینے کا حکم دیا۔ اس کے معاوضے میں انھوں نے ہرزی گو دینا میں بعض قطعات ڈے نی لو کو اس شرط کے ساتھ دینے پر رضامندی کا اظہار کیا کہ عشر وصول کیا جائے، ڈے نی لو کا وظیفہ مقرر ہو جائے اور اس کی حیثیت مشیر کی سی سمجھی جائے اور یہ کہ اہل مانٹی نیگرو کو تمام بندرگاہوں پر آنے کی عام اجازت عطا کی جائے۔ ترکی نے سرحد پر فوج کے ایک دستے کو متعین کرکے اس تجویز کی عملی طور پر تائید کی۔ ڈے نی لو نے پیرس، وانا، اور سنیٹ پیٹرس برگ سے اپیل کی مگر ہر جگہ ناکامی ہوئی۔ صرف فرانسیسی حکومت نے اس معاملے میں کچھ دلچسپی کا اظہار کیا اور ڈے نی لو سے وعدہ کیا بطائف الحیل سرنیگورا کی خودمختاری کو برقرار رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ جنگ ۴ رمئی ۱۸۵۸ء کو شروع ہوئی۔ ۱۳ رتاریخ کو حسین پاشا نے گراہووو کے مقام پر مرکو پیٹروویچ، ڈے نی لو کے بھائی کے ہاتھوں شکست کھائی اور اس کی فوج کے تین ہزار آدمی مارے گئے اور تمام توپیں دشمن کے قبضے میں چلی گئیں۔ دول کی مداخلت نے مزید مصروفیتوں کو روک دیا۔ حالات بدستور قائم رہے اور مانٹی نیگرو کو صرف یہ فائدہ ہوا کہ ایک بین الاقوامی کمیشن کے ذریعے سے، جس میں یورپ نے اس کے نمایندوں کو بھی شرکت کی اجازت دی تھی، اس کے حدود مشخص کردیے گئے۔ ۱۳ راگست ۱۸۶۰ء کو کیٹلے رو کے مقام پر ڈے نی لو قتل کردیا گیا اور اس نے صرف ایک لڑکی چھوڑی۔

اس کا بھتیجا، نکولاس پیٹروویچ، جو فاتح گرے ہووو کا بیٹا تھا، ڈے نی لو کا جانشین ہوا اور اس نے سلطنت کا کاروبار اپنے باپ، مرکو، کے سپرد کردیا۔ گرے ہووو کی لڑائی نے عثمانی سلطنت کے سلیوین صوبوں کی رعایا کی امیدوں کو تازہ کردیا تھا چنانچہ ہرزی گو دینا نے جس کو باشی بازوک نے پامال کرڈالا تھا، جس کو ایک کے بعد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جو معاہدہ ۲۰ راکتوبر ۱۸۳۲ء کو منعقد ہوا تھا اس کے فقرہ (۵) میں درج ہے کہ "مانٹی نیگرو کی خودمختار حکومت اور بوسینا اور ہرزی گو دینا کے پاشاؤں کے مابین ہمیشہ صلح رہے گی۔"

دوسرے نے اپنی ستم رانیوں سے کچل ڈالا تھا اور جس کو صدیوں کی فلاکتوں اور مصیبتوں نے عاجز کر دیا تھا، آخر کار اب بغاوت کر دی۔

اہل مانٹی نیگرو، اس موقع پر ڈے نی لو کی پالیسی سے مجبور ہو کر اس شورش کا تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن جب دلیر مرکو نے اپنے بیٹے کے نام سے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لی تو مانٹی نیگرو والوں کو ترکوں کے مقابلے میں اپنی قدیم نفرت وعداوت سے کام نکالنے کا موقعہ مل گیا۔ والنٹیروں کے بیشمار گروہ اپنے برادران ہرزی گووینا کی امداد کے لئے جھپٹے اور قلعہ ستورینا اور نک سیچ پر قبضہ کرنے میں ان کی مدد کی۔ باب عالی نے مانٹی نیگرو کی سرحد پر طلایہ گرد دستے قائم کر دئے اور اپنے بیڑے کو ایڈریاٹک کے بندرگاہوں کی ناکہ بندی کا حکم دیدیا۔ مرکو نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور باوجودیکہ وہ برابر اپنی غیر جانب داری کا اعلان کرتا رہا مگر اس نے (نہایت مکاری کے ساتھ) فوجیں جمع کرلیں جس سے عثمانی سپہ سالار کو بہت کچھ تشویش پیدا ہو گئی۔ باب عالی نے سرنیگورا کو ہتھیار رکھ دینے کا حکم دیا اور ادھر سے انکار ہونے پر اس کی سرحدی ناکہ بندی کا اعلان کر دیا۔ اور ۱۸۶۲ء کے موسم بہار میں عمر پاشا نے ساٹھ ہزار جانبازوں کو ساتھ لے کر جبل اسود پر حملہ کر دیا مانٹی نیگرو دو مثلثوں پر مشتمل ہے جو چوٹی کی طرف سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ وادی بیلوپیو بچ جہاں سے شمال و مغرب اور جنوب مغرب میں نکسیچ اور اسپز کے قلعوں کی نگرانی کی جاتی ہے، ان کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ دو فوجیں درویش پاشا اور عابدی پاشا کے ماتحت وادی بیلوپیو بچ اور تنگنائے دوگا پر قبضہ کر کے ان اطراف کے وسط میں ایک دوسرے سے مل جانے کی غرض سے ان مقامات کی طرف روانہ ہوئیں ایک تیسری فوج حسین اوتی پاشا کی ماتحتی میں، دشمن کی توجہ کو اپنی طرف جلب کر لینے کی غرض سے بردا میں داخل ہو کر اس تدبیر کی کامیابی کے تیقن کے لئے متعین کی گئی۔ حسین اوفی پاشا، لن کو عبور کرتے وقت، شکست کھا کر نہایت بدنظمی کے ساتھ قلعہ اسپز کی طرف پسپا کر دیا گیا اور دو مہینے تک درویش پاشا اور عابدی پاشا، جن کو مرکو نے آگے بڑھنے سے روک دیا تھا، ایک انچ زمین پر بھی قبضہ حاصل نہیں کر سکے۔

درویش پاشا نے بالآخر نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی فوجوں کو آگے بڑھایا اور تنگنائے دوگا کا چکر کاٹ کر ترکی فوج کو آسٹرالگ پر لے آیا۔ پیٹرو وکوریچ نے گولیا اور اور کالو کو پر دشمن کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کی فوجوں کو ہزیمت ہوئی اور مرکو کو دونوں طرف سے گھر کر عمر پاشا کی پوری فوج سے مقابلہ کرنا اور بالآخر مجبور آپسپا ہونا پڑا۔ ترک اپنی فتح کو تندہی کے ساتھ آگے بڑھانے کے بجائے بیلو ہیویچ کو تاخت و تاراج کرنے میں مصروف ہوگئے۔ اور انھوں نے گانووں میں آگ لگادی، بار آور درختوں کو کاٹ ڈالا اور جنگلوں اور فصلوں کو جلا ڈالا۔ مرکو نے اس مہلت سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا اور عثمانی فوج لاگراج اور کوکوئی پر شکست کھا کر مراچہ کی طرف پسپا ہوگئی۔

صورت حال اب تک خطرناک تھی۔ یورپ کی حکومتوں نے اس موقع پر اس چھوٹی سی قوم کی، جو اس قدر بہادری کے ساتھ حصول حریت کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہی تھی، مایوسانہ التجاؤں پر کوئی اعتنا نہیں کیا۔ وینیسی حکومت نے اپنی دوروبیہ پالیسی پر کار بند ہوکر، ترکوں کے حق میں اپنی غیر جانبداری کو فسخ کر دیا۔ انگلستان کی ریاکار حکومت، ان مظالم کے قصے سن سن کر جو بورڈرس اور بیلو ہیویچ میں جاری تھے، باغ باغ ہوگئی اور برطانیہ کے انسانیت دوست یہ خبریں سن کر مسرور ہوگئے۔ اور لارڈ پالمرسٹن نے پارلیمنٹ میں اعلان کر دیا کہ "یہ انگلستان کے لئے باعث تحسین و آفرین ہے کہ سلطانی فوجیں باغیوں کا قلع قمع کر رہی ہیں"۔ فرانس اور روس صلح کے متعلق ان مبہم وعدوں پر مطمئن ہوکر بیٹھ گئے جو فواد پاشا نے کئے تھے۔ اور اس طرح نہایت نیک نیتی کے ساتھ خود بخود فریب میں مبتلا ہوگئے۔ صرف ایک حکومت نے اس موقع پر مانٹی نیگرو کی حقیقی طور پر حمایت کی اور وہ پوپ کی حکومت تھی۔ بصارت مقدس (The Holysees) نے سب سے پہلے یورپ میں یونانی لڑائیوں کی ہمت افزائی کی اور ان پر اپنی برکتیں نازل کیں۔ اسی نے پھر ان عیسائیوں کی بالحاظ اس کے کہ ان کا کس فرقے سے تعلق ہے، امداد کی، جو اپنے مذہب کی آزادی کے لئے اسلام سے برسر پیکار تھے۔ ویٹی کان کے بڈھے نے جس کی

دنیوی طاقت سلب کر لی گئی تھی، سرنیگورا کے مظلوم عیسائیوں کی طرف اپنا دست شفقت پھیلا دیا اور ایک پسندیدہ فرمان پاپائی البانیہ کے استقفوں کے نام جاری کیا جس میں اس ملک کے تمام کیتھولک عیسائیوں کو مانٹی نیگرو کے خلاف ترکوں کی حمایت میں ہتھیار اٹھانے کو ممنوع قرار دے دیا لیکن پوپ کی قائم کی ہوئی اس اعلیٰ مثال کی تقلید نہیں کی گئی اور ہمیں نہم نے سلیو بن عیسائیوں کی اسی طرح مادی طور پر امداد کرنے کے بجائے جیسی کہ ہمیں ہفتم نے یونان کی کی تھی، صرف اخلاقی امداد کی اور یہ امداد آل عثمان کی توپوں اور سنگینوں کو روک نہیں سکتی تھی۔[1] عمر پاشا، اپنی ابتدائی تدابیر میں تعدیل کر کے، سرنوئی وچکا۔ ریکا پر حملہ آور ہوا۔

اور مانٹی نیگرو والوں پر، جن کے پاس توپیں نہیں تھیں، غالب آگیا۔ مرکو نے اب ایک آخری کوشش اور کی۔ ۲۴ر اگست کو ریکا کے مقام پر اس نے ترکوں پر حملہ کر دیا اور انسان جس حد تک بہادری اور دلیری سے کام لے سکتا ہے، مرکو نے اس موقعے پر اسی قدر بہادری اور دلیری سے کام لیا جنگ برابر کی نہ تھی۔ ترکوں نے اہل مانٹی نیگرو کو کچل کر رکھ دیا۔ عمر پاشا کو ستنجی[2] کی طرف پیش قدمی کرنے کی فرصت مل گئی۔ ڈپلومیسی اب نیند سے چونکی اور ۳۱ر اگست کو صلحنامے پر دستخط ثبت ہو گئے۔

عمر پاشا کی پیش کی ہوئی شرطیں نہایت سخت تھیں اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مانٹی نیگرو ہمیشہ کے لئے باب عالی کا دست نگر بن جائے۔ مرکو کو ریاست میں رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ترکی کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ سقوطری سے ہرزیگووینا تک جو سڑک جاتی ہے اور جو سرنیگورا کو طے کرتی ہے، اس پر

---

[1] ۔ نورمان۔ ترک اور اہل مانٹی نیگرو۔

[2] عثمانی برقی مراسلوں میں جو بیان کیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ترک ستنجی میں داخل ہی نہیں ہو سکے۔ یہاں آنے کے لئے عمر پاشا کو مرکو اور دوکورچ سے ایک دوسری لڑائی لڑنی پڑتی۔

جہاں جہاں چاہے قلعے تعمیر کرے اور ان میں متحفظ فوجیں متعین کردے۔ ترکوں کے شریفانہ سلوک کے متعلق یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے "سیف جبل اسود" مرکو کے اخراج پر اصرار نہیں کیا۔ دوسری شرط کے متعلق باب عالی کا مطالبہ اٹل تھا۔ سینٹ پیٹرزبرگ کے دارالوزرا نے اس مطالبے کے خلاف بہت کچھ غل شور مچایا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ عثمانی حکومت نے فوراً ایک حصار کی تعمیر شروع کردی۔ آسٹریا اور فرانس کی طرف سے اس کے انہدام کا مطالبہ کیا گیا اور ۳۲ مارچ ۱۸۶۳ء کو وزیر اعظم نے پرنس نکولاس کے سامنے یہ اعلان کیا کہ سلطان معاہدہ سقوطری کے فقرہ ۶ سے اس صریح شرط کے ساتھ دست بردار ہو جائے گا کہ جس سڑک پر قلعے تعمیر کئے جانے والے تھے وہ ہمیشہ کھلی رہے اور یہ کہ نکولاس کی حکومت ان تمام مسافروں کو تاوان ادا کرے جن کا اس سڑک پر کسی قسم کا نقصان ہو۔ مانٹی نیگرو نے اس تجویز کو فوراً منظور کرلیا لیکن جون ۱۸۶۴ء تک ترکوں نے اس قلعے کو منہدم نہیں کیا جس کو وہ تعمیر کرچکے تھے۔ اس کا بدلہ ترکوں نے اس طرح کیا کہ خود اپنی سرحد پر انھوں نے ایسے مقام پر ایک جدید قلعہ تعمیر کرلیا جہاں سے مانٹی نیگرو کے علاقے پر گولہ باری ہوسکتی تھی۔ مانٹی نیگرو کی شکست کے ساتھ ہرزی گووینا نے بھی جس کو اپنی احمقانہ بغاوت کا بہت بری طرح خمیازہ بھگتنا پڑا، اطاعت قبول کرلی۔

باب عالی۔ صربستان اور رومانیہ بلغراد پر گولہ باری۔ شہزادہ کوزہ
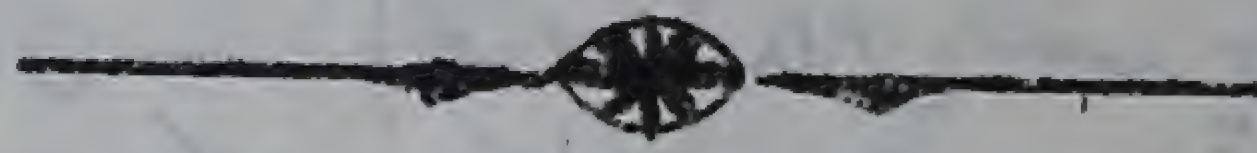
صربستان کے تخت پر بیٹھ کر آبرینووچ کو دوبارہ اس کپ چھینا گئے ووٹ کی قیمت ادا کرنی پڑی، جنھوں نے ۱۸۶۰ء میں اپنا موروثی تخت و تاج آبری نوووچ کے خاندان کو دے دیا تھا۔

متعدد معاہدوں کی بنا پر ترکوں کو بلغراد، سمندریہ، سکود، اوجیزا، فتح اسلام اور شاباز کے چھ سربین قلعوں میں حفاظتی فوجیں رکھنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۸۳۰ء کے معاہدے کی رو سے ان چھ قلعہ بند مقامات کے باہر مسلمانوں کا قیام ممنوع قرار دے دیا گیا اور بقیہ تمام علاقہ شاہی حدود میں داخل ہو گیا۔ ترکوں نے بہر حال ان شرائط کی کبھی پابندی نہیں کی۔ بلغراد میں انھوں نے عیسائی آبادی کے ایک پورے محلے پر قبضہ کر لیا اور پاشا، جو قلعہ کا سالار عسکر تھا، گرد و نواح کے معاملات میں ہمیشہ مداخلت کیا کرتا تھا۔ جو ترکی باشندے مواضعات میں سکونت رکھتے تھے انھوں نے صربستانی قوانین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ سربین گورنمنٹ نے ام۔ گیراچینین کو اپنی شکایتیں باب عالی میں پیش کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ بھیجا مگر یہ سفارت بار آور نہ ہوئی۔ اور اس کا صرف یہ نتیجہ نکلا کہ ترکی نے اسی مسئلے پر ایک مشترکہ کمیشن میں غور کرنے کا موہوم سا وعدہ کر لیا۔ ہرزیگووینا اور مانٹی نیگرو کی بغاوتوں نے دیوان کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا تھا کہ صربستان بھی اپنی باری پر میدان بغاوت میں اتر آئے گا لہذا اس نے باشی بازوک لوگوں کے بے شمار قبیلے سرحد پر جمع کر لئے اور ان کے متواتر حملوں اور روزمرہ کی غارتگریوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ لڑائی کے خواہشمند ہیں۔ ۱۶ دسمبر سنہ ۱۸۶۱ء کو علی پاشا نے صربستانی سفیر کو بہ حیثیت عثمانی کمشنر سعید افندی کی نامزدگی کی اطلاع دی۔ لیکن اس نے ام۔ رس تچ کے کوششوں کے باوجود استنبول کو نہیں چھوڑا۔ صورت حال روزانہ پیچیدہ تر ہو رہی تھی، عیسائیوں اور مسلمانوں میں روزانہ فساد ہو رہے تھے اور دونوں فریقوں کا غصہ اپنے انتہائی نقطے پر پہنچ چکا تھا۔ ۱۰ جون سنہ ۱۸۶۲ء کو بالآخر وہ حادثہ پیش ہی آگیا جس کا خطرہ تھا۔ ایک ترکی سپاہی نے ایک بے جرم سربین کو جو ایک چشمے سے پانی لے رہا تھا صرف اس قصور پر قتل کر ڈالا کہ اس نے اس بعد میں آنے والے ترکی سپاہی کو پہلے پانی بھر لینے سے روک دیا تھا۔ ایک صربستانی جنداری نے، جو اپنے ہم وطن کی امداد کے لئے فوراً آپہنچا تھا، قاتل کو گرفتار کر لینا چاہا۔ ترکی پولیس کے ایک سپاہی نے، جو اس جگہ متعین تھا۔ قید کر کے صربستانی پولیس کے اس ترجمان کو ہلاک کر دیا۔ بلغراد کے باشندے فوراً مسلح ہو گئے

اور ترکی "کورڈی گاڈی" (دستۂ جرس) کے سپاہیوں پر، جو شہر میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے، حملہ کر کے اکثر کو جبراً گرفتار کر لیا۔ وزیر اعظم، گیرا چینین نے بہر حال فسادیوں کو مطمئن و منتشر کر دیا۔ اور ترکی قیدی صربستانی فوج کے ایک دستے کی حفاظت میں قلعے روانہ کر دیئے گئے۔ لیکن قلعے کے نشیبی پشتے کے قریب پہنچتے ہی، جہاں اُن کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا، ترکی سپاہیوں نے اپنے محافظ دستے پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ اب بلوے کو فرو کرنا ناممکن تھا۔ شہر میں ہر طرف مورچے قائم کر دیے گئے، جو قلعے کے دروازے تک پھیلے ہوئے تھے۔

ان رکاوٹوں کے باوجود صربستانی وزرا اور پاشا کے مابین نہایت عجلت کے ساتھ گفت وشنید عمل میں لائی گئی۔ ایک تحریری معاہدے کو قونسلز کور کے زیر صدارت مرتب کیا گیا اور یہ تصفیہ ہوا کہ ترکی سپاہی چوکیوں کا تخلیہ کر دیں۔ گیرا چینین نے اس کے مقابلے میں قلعے میں داخل ہونے تک ان کی حفاظت کا وعدہ کیا اور اس امر کی ذمہ داری لی کہ مسلمان باشندوں کے جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔ اہل صربستان نے اس معاہدے کے شرائط کی سچائی کے ساتھ پابندی کی لیکن جب ترک اور ان کے اہل و عیال قلعے کی فصیلوں کی پناہ میں حفاظت کے ساتھ پہنچ گئے تو بلغراد پر شدت کے ساتھ بم برسنے لگے۔ اقوامی حقوق کے اس نقض نے یورپ کی پبلک کو بیدار کر دیا اور فرانس نے ان ماتم خیز مناظر کے اعادے کو روکنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک کانفرنس کے انعقاد کی تحریک کی۔ یہ مسئلہ بہر حال، اس وجہ سے بار آور نہ ہو سکا کہ، ترکی حکومت کے خارجی قونصلوں کو کانفرنس میں شریک ہونے سے اس بناء پر روک دیا گیا کہ ان کی شرکت سے ترکی اقتدار زائل ہو جائے گا۔ کانفرنس کے جلسے نہایت طوفان خیز تھے۔ آسٹریا نے (جس کے قونصل ام۔ واسیچ نامی متعینہ بلغراد کے متعلق یہ قوی شبہ تھا کہ اس نے پاشا کو اس دھواں دھار گولہ باری کے لیے جس پر باب عالی کی طرف سے اظہار افسوس اور تمام دول کی طرف سے اظہار ملامت کیا گیا" اکسایا تھا) اس موقع پر صربستان کی کھلم کھلا مخالفت کی۔

انگلستان نے اس سے بھی زیادہ برا سلوک کیا۔ سر ہنری بلور نے ایک مسودہ مرتب کیا، جس میں بارہ فقرے تھے اور جس میں امپیریل گورنمنٹ کیلئے شہر پر گولہ باری کے حقوق کے ساتھ ساتھ گولہ باری کے لئے بہت سی سہولتیں بھی پیدا کی گئی تھیں۔ مارکوئس ڈی موسیر نے فرانس کی طرف سے قلعے کے تخلیے کا ترکوں سے بے سود مطالبہ کیا۔ اور مجبوراً اُسے اپنے مطالبے کو باشندگان شہر کی حفاظت تک محدود کرنا پڑا۔ ۸ر ستمبر ۱۸۶۲ء کے معاہدے کی رو سے سکود اور اوجیزا کے قلعے مسلمانوں کے اخراج اور ترکی کورڈی گاڈی کی بلغراد میں شکست کے بعد، اہل سربستان کو مل گئے۔ بلغراد کا قلعہ بہر حال آل عثمان ہی کے قبضے میں رہا اور باب عالی کی قلعوں کو ترقی دینے کی آزادی برقرار رہی، جس کو ایک مشترکہ کمیشن نے فوجی نقطۂ نگاہ سے ضروری سمجھا تھا۔ باب عالی کو سربستانی گورنمنٹ سے یہ تصفیہ کرنا پڑا کہ جن مالکان اراضی کو بیدخل کیا جائے گا، انھیں کس قدر معاوضہ ادا کیا جانا چاہیے۔ ساتھ ہی ترکوں کو مذہبی عمارات کے ہاتھ لگانے سے ہمیشہ کے لئے قطعاً روک دیا گیا۔ اگرچہ یہ انتظامات سربستان تک محدود تھے۔ لیکن لوگوں کو اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ اور ۱۸۶۴ء کے اسکپ چینا نے، جو پرنس کے ایک پیام کے جواب میں شایع کیا گیا تھا، اقوام کے جذبات کی ترجمانی کی خدمت خود بخود اختیار کر لی۔

اس کے الفاظ یہ تھے کہ "جس چیز سے ہمیں سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بلغراد پر گولہ باری کے بعد بھی ترکی قلعوں کی توپوں کا رخ ہمارے بے انتہا اہم شہروں کی طرف پھر گیا۔ جب تک کہ یہ قلعے ملک کو خوف کی ایک مسلسل حالت میں رکھیں، اے پرنس، اس وقت تک تمام حقیقی ترقیاں ناممکن ہیں۔ سربستان کے باشندوں کو اس وقت تک اس معاملے میں اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ یور ہائنس اور قوم کے جائز مطالبات کے متعلق پورا اطمینان نہ دلا دیا جائے۔"

فرانسیسی سفارت نے سربستان کے مطالبات کی حمایت کی اور ستمبر ۱۸۶۵ء میں باب عالی کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے باب عالی نے ایک مالی تاوان کے طور پر بلغراد میں قلعے کے باہر جس قدر املاک تھیں سب سے دست برداری اختیار کر لی۔

جس زمانے میں سربیا ترکی کے قبضے سے آزاد ہونے کی کوشش کر رہا تھا صوبہ جات مالدووا و ولاشیا نے ایک متحدہ ریاست کی صورت اختیار کر لی۔ اور اس طرح رومانی پطریرکوں کی امیدیں پوری ہو گئیں۔ اس انقلاب عظیم کے بعد سے جس نے فینیے ریاکس کا خاتمہ کر دیا تھا ڈینوبین ریاستیں ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر اتحاد قائم کرنے کی فکر میں تھیں۔ اور روس کی سازشوں اور باب عالی کی مقاومت کے باوجود وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں سرگرم تھیں پیرس کانفرنس میں فرانسیسی حکومت نے مولداویا اور ولاشیا کے اتحاد کے متعلق بعض اصول مرتب کر کے پیش کیے تھے لیکن باب عالی کی مخالفت کے سامنے، جس کی تائید پر برطانیۂ عظمیٰ بھی تھا اس کی کچھ نہیں چلی۔ برطانیہ کی پالیسی اُس زمانے میں یہ تھی کہ فرانس کی ہر جگہ مخالفت کی جائے لیکن آل عثمان کی نگرانی کے باوجود دونوں ریاستوں میں ایک ہوسپودار کے انتخاب نے ارباب سیاست کو بہت کچھ چراغ پا کر دیا۔ پیرس کانفرنس نے کرنل کوزا کے اس دُہرے انتخاب کو تسلیم کر لیا۔ دونوں ریاستوں میں جو انتشار پھیلا ہوا تھا اس میں روز افزوں ترقی ہو رہی تھی اور اس لئے باب عالی نے بھی مصلحۃً اس صورت حال کو منظور کر لیا۔ اور ۲۳ دسمبر ۱۸۶۱ء کو مالدویا اور ولاشیا کے اتحاد نظم و نسق و توضیع قوانین کی باقاعدہ طور پر منظوری دے دی گئی۔ ار دسمبر کے مجریہ ایک فرمان کی بنا پر دونوں ریاستوں کے لئے صرف ایک ہی وزیر اور ایک ہی مجلس کا قیام عمل میں آگیا اور اس اتحاد کو الکزنڈر جین اول کے عہد تک محدود کر دیا گیا۔

مجلس نے، جس میں ترقی یافتہ جماعت کا عنصر غالب تھا، فوراً اقدامت پسند وزراء اور بادشاہ سے لڑائی شروع کر دی۔ اور صدر مجلس اِمِ بار بو، کاٹارج نے اپنے خطابت کی زبردست قابلیت اور پارلیمنٹ کے مباحثوں میں اپنی نادر ذہانت کا لوگوں کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا۔ ۲۰ جون ۱۸۶۲ء کو انقلابی جماعت کے حملوں کا جواب دیتے ہوئے اس نے کہا "تم لوگ جو چاہو کہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم سے ڈر جاؤں۔ مجھے پروا نہیں کہ تم مجھے اسی جگہ قتل کر دو گے لیکن جس وقت تک میری رگوں میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے میں سوسائٹی، خاندان، معقولیت،

اور امن عامہ کی حمایت کروں گا"۔ چند لمحوں کے بعد، مجلس کے منتشر ہوتے ہی امر کاٹارج کے سر میں دو گولیاں آ کر لگیں اور وہ اسی جگہ گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔

بادشاہ اور پارلیمنٹ کے اختلافات نے اب ایک قطعی صورت اختیار کر لی۔ فریقین ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ مجلس (پارلیمنٹ) پرنس کے استیصال کی تیاریاں کرنے لگی اور پرنس کانسٹی ٹیوشن (دستوریت) کو بدل دینے اور ڈکٹیٹرشپ (آمریت) قائم کر دینے کی فکر میں مشغول ہو گیا۔ وقف شدہ خانقاہوں کے مسئلے نے کچھ مدت کے لئے پرنس اور قومی نمایندوں کو ایک دوسرے کا شریک و سہیم بنا دیا لیکن وطن پرستی کا یہ اشتراک و اتحاد زیادہ مدت تک قائم نہیں رہا۔

فنے ریاتس کے پنجے سے آزاد ہو کر، جنھوں نے ان ریاستوں کی دولت اور ان کا خون چوس لیا تھا مالدو ولاشیئنس مذہبی املاک کے از سر نو مدعی بن گئے، جن پر یونانی راہبوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان املاک کی آمدنی سے فنار کے بطریقوں کے خزانے بھرے جا رہے تھے اور یہ موقوفہ خانقاہوں کے نام سے در اصل بیت المقدس، مونٹ ایتھاس اور سینا کی ملک تھیں۔ یوروپین کمیشن نے، جو ۱۸۵۸ء میں اس مسئلے کے متعلق تحقیقات کی غرض سے قائم کیا گیا تھا۔ اپنی رپورٹ میں حسب ذیل امور کا تذکرہ کیا:۔

"آسٹریا، فرانس، برطانیہ عظمیٰ، پروشیا، اور سرڈینیا کے کمشنر، صورت حال کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد، حسب ذیل واقعات کو قابل اعتنا تصور کرتے ہیں:۔ خانقاہوں سے جو جائدادیں ملحق ہیں ان کا سب سے پہلا مقصد یہ تھا کہ ان خانقاہوں سے جن فرقوں کا تعلق ہے ان کی امداد کی جائے۔ اور ملک میں خیراتی اور اوقافی کاموں کے لئے ذرائع مہیا کئے جائیں۔ اور یہ صرف ان جائدادوں یا املاک کی زائد آمدنی تھی جو مقامات مقدسہ کے ضروریات کے لئے کام میں لائی جاتی تھی۔ ان میں کی بعض خانقاہیں، تعمیر کے بعد اپنے بانیوں کے ہاتھوں نہیں بلکہ دونوں ریاستوں کے حکمرانوں کے ہاتھوں وقف کی گئی تھیں، جنھوں نے ان خانقاہوں کی غیر اخلاقی حالت اور ان کی ملحقہ املاک کی بدنظمیوں پر نظر کر کے، ان کو ایک قانون اوقاف کے ذریعے سے ایسی خارجی خانقاہوں کی

نگرانی میں دے دیا تھا جو نیک نام تھیں ۔ ان کا مقصد متعلقہ فرقوں کے ضروریات رفع کرنے اور ایسے خیراتی کاموں کی تکمیل کے لئے، جو ان کے بانیوں نے لازمی قرار دے دیئے تھے، مزید ذرایع مہیا کرنا تھا ۔ اور ان امور کی تکمیل پر شاید قوانین اوقاف میں بھی، جو مقامات مقدسہ کی خانقاہوں کی زیر نگرانی ایک کتاب کی صورت میں از سر نو جمع کئے گئے ہیں، زور دیا گیا تھا ۔

لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ اس کتاب کے بعض فقروں میں (valaque) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کے معنیٰ وقف کے ہیں لیکن اس لفظ کا ترجمہ ہدیہ کیا گیا ہے اور اسی لئے لفظ "ہدیہ" سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے جس کو پیش نظر رکھ کر یہ کام انجام دیا گیا تھا ۔ کمشنروں کو اس امر کا یقین ہے کہ وہ اس امر کے مجاز ہیں کہ موقوفہ خانقاہوں کے اموال کو ایک ایسی مذہبی جائداد تصور کریں جو مالدووا لاشین ملک کی ملک ہے اور جس سے خالص مقصد یہ ہے کہ مقامی خیراتی کاموں کا سر انجام کیا جائے اور صرف ضمنی طور پر مقامات مقدسہ کی خانقاہوں کو امداد پہنچائی جائے ۔

اپنی رپورٹ کے آخر میں "موجودہ ناگوار صورت حال کو رفع کرنے کی غرض سے، جس نے قومی اراضی کا آٹھواں حصہ اجنبیوں کے قبضے میں دے دیا ہے" نمایندوں نے سفارش کی کہ موقوفہ خانقاہوں کا مال ومتاع مالدووالاشین حکومت کو دے دیا جائے اور اس کے معاوضے میں سالانہ کچھ رقم مقرر کر دی جائے ۔ روس نے اس فیصلے کی مخالفت کی اور باب عالی نے افنے نے ریاستوں کی التجا پر اپنے ذاتی اغراض ومفاد کو نظر انداز کر کے روس کی حمایت کی ۔ ۱۸۵۸ء کی کانفرنس نے بطریق اور دونوں ریاستوں سے مطالبہ کیا کہ وہ اس امر کے متعلق آپس میں دوستانہ طریقے پر کوئی تصفیہ کریں ساتھ ہی ساتھ کانفرنس نے اس امر کا بھی اعلان کر دیا کہ کچھ مدت کے بعد یہ مسئلہ ایک ثالث کے سپرد کر دیا جائے گا جس کو بہ استرضاء دول باب عالی نامزد کرے گا ۔ یہ سوال بہر حال جوں کا توں ہی رہا اور ۱۸۶۳ء میں پرنس کوزا نے مستقل طور پر ایک رائے قائم کر کے، موقوفہ خانقاہوں کے مال ومتاع کو ضبط کر کے ریاست کے خزانے میں

منتقل کر دینے کا قطعی حکم دے دیا۔ قسطنطنیہ کے بطریق نے اس ڈکیتی پر بہت شور مچایا۔ روس نہایت غرور کے ساتھ بطریق کی حمایت پر تیار ہو گیا۔ اور انگلستان اور آسٹریا کو اپنا ہم آہنگ بنا کر، باب عالی کو اس امر پر مجبور کیا کہ پرنس کو ضبطی کے منسوخ کر دینے کا اُن صریح الفاظ کے ساتھ حکم دیا جائے کہ اگر اس کی تعمیل نہیں کی گئی تو عثمانی فوجیں رومانیہ پر قبضہ کر لیں گی۔

فرانسس نے ان طریقوں کی مخالفت کی اور روسی سازش کو درہم برہم کر دیا۔ لیکن باب عالی نے پرنس کوزا کے قائم کئے ہوئے اتحاد کو، جو ہر غیر جانب دار جج کے نزدیک معقول تھا، منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن فنار کے بطریق کے نزدیک معقولیت کی مہلیت سے زیادہ وقعت نہیں تھی، اور جو چیز وہ تمام دوسرے خیالات کو بالائے طاق رکھ کر حاصل کرنا چاہتا تھا، وہی اس کے مظالم کی اصلی بنا تھی۔ اس نے طرح طرح کی ترکیبوں سے باب عالی کو پرنس کی درخواستوں کے منظور کرنے سے باز رکھا۔ جس نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ عثمانی حکومت راہبوں کی طرف سے جو اس کی رعایا ہیں عمل پیرا ہو کر اس مسئلے کا رومانیہ کی حکومت کے ساتھ تصفیہ کرے۔ پرنس کوزا نے اب ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ ۱۲ ستمبر ۱۸۶۳ء کو اس نے باب عالی کو اطلاع دی کہ مقامات مقدسہ کی خانقاہوں کو یکمشت چوراسی ملین ترکی پیاسٹر، صرف خیراتی کاموں میں صرف کرنے کے لئے ادا کئے جائیں گے۔ یہ رقم ترکی، دول، اور رومانیہ کی تحویل میں رکھی جائے گی اور اس رقم سے جو جو کام کئے جائیں گے ان کے متعلق خانقاہیں ہر سال باقاعدہ طور پر حساب پیش کریں گی۔ رومانی حکومت نے اس رقم کے علاوہ دس ملین پیاسٹر اپنی طرف سے ہر فرقے سے تعلق رکھنے والے عیسائیوں کے لئے ایک شفاخانہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرنے کی غرض سے دیئے۔

علی پاشا نے اس تجویز کے متعلق گفت و شنید کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن یونانی راہبوں نے اس سے انکار کر دیا۔ ۲۴ دسمبر کو رومانی ایوان نے تمام رومانی خانقاہوں کو عام اس سے کہ وہ موقوفہ ہوں یا غیر موقوفہ ملک دنیوی بنانے کے متعلق فیصلہ کر دیا۔ اِدھر بطریق نے بھی جس کی تمام آمدنی

موقوفہ خانقاہوں کے اعمال و افعال پر مبنی تھی، پرنس کوزا کی تدبیروں پر پانی پھیر دینے کی غرض سے، سازشوں، بد اخلاقیوں اور عیاریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ روس اور باب عالی اس معاملے میں اس کے وکیل تھے اور دیوان نے اپنے باجگزار پر یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ وہ اس قانون "دنیوی"، کو بالکل ناجائز تصور کرتا ہے۔ انگلستان، آسٹریا، اور پروشیا ایک بے جا فعل کو برقرار رکھنے کے لئے، جس کی نمایاں ناانصافی کو انھیں کے نمایندے پہلے تسلیم کر چکے تھے، روس کے شریک حال ہو گئے۔ لیکن فرانس اور ایطالیہ نے باب عالی کے احتجاج کی تائید کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ فرانس نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ وہ رومانیہ کے خلاف تمام قسم کی جبریہ کارروائیاں اختیار کئے جانے کا مخالف ہے۔ علی پاشا نے جو ہمیشہ سے اس مسئلے کے مصالحانہ تصفیے کا موید تھا، مارکوئس دی ماسٹیر اور سر ہنری بلور سے مشورہ کرنے کے بعد تاوان کی رقم کو ڈیڑھ سو ملین پیاسٹر قرار دیا۔ رومانیہ کی حکومت نے اس کو منظور کر لیا مگر یونانی راہبوں نے علی پاشا کو جواب دیا کہ "کسی صورت میں بھی ان کا ضمیر اور ان کے مذہبی رسوم و روایات اس بات کی اجازت نہیں دیں گی کہ وہ کلیسا کی بیدخلی یا کسی قسم کے تاوان کو قبول کر لیں" (۲۰ ستمبر ۱۸۶۴ء) یونانی راہبوں کے ہاتھ سے بہرحال موقع نکل گیا اور رومانیہ ان کی دستبرد سے صاف بچ گیا۔ ۲۶ مئی کے ایک منظور شدہ قانون نے میٹرا پولیٹن اور (Dixesan) (مطرانی اور اضلاعی) اسقفوں کی نامزدگی کا اختیار پرنس کو دے دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ان اسقفوں کو مذہبی جرائم کا قومی سنود (National Synod) کے سامنے اور غیر مذہبی جرائم کا کورٹ آف کیسے شن کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا تھا۔ ۱۳ دسمبر ۱۸۶۵ء کو رومانیہ کے سب سے پہلے قومی سنود نے اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا اور اس امر کی تصدیق کر دی کہ کلیسائے رومانیہ قسطنطنیہ کے جزرس بطریق کے احاطۂ اختیار سے قطعاً باہر اور بالکل خود مختار ہے۔

بادشاہ اور ایوان کے مابین یہ یکسانی اور ہم آہنگی، بہمہ حال قائم نہ رہ سکی۔ پرنس نے، جس کو زراعت پیشہ طبقے میں بہت زیادہ ہردلعزیزی

حاصل تھی، آخر کار ایوان کی باقاعدہ اور مسلسل مخالفتوں سے تنگ آ کر فوری اور جبریہ پالیسی اختیار کر لی اور ۱۴ ؍مئی ۱۸۶۴ء کو مجلس وضع قوانین برخاست کر دی گئی۔ ایک انتخاب کا قانون، جو زیادہ تر جمہوری اصول پر مبنی تھا، نافذ کر دیا گیا اور ایک عام رائے دہندگی کے ذریعے جس میں سات لاکھ، تیرہ ہزار دو سو پچاسی موافق، ستاون ہزار مخالف، اور ستر ہزار غیر جانبدار ووٹ آئے۔ موجودہ دستور ملکی میں ترمیم کر دی گئی۔ کچھ لیس و پیش کے بعد باب عالی نے بھی اس ترمیم دستوری کو منظور کر لیا، اور رومانیہ کے اندرونی نظم و نسق میں ترمیم و تنسیخ کے حق کو، حکومت اعلیٰ کے استمزاج کے بغیر، تسلیم کر لیا۔ بادشاہ نے ڈکٹیٹر شپ (آمریت) کے فرائض اپنے اختیار سے خود اپنے ذمے لے لئے تھے اور وہ اصلاحات کو بہت جلد ملک میں نافذ کر کے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت جلد ملک میں حسب ذیل اصلاحیں نافذ کر دیں: قانون روستایاں (۲۶ ؍اگست) کے ذریعے سے اس نے جبریہ مزدوری کے طریقہ کو منسوخ کر دیا اور کسانوں کو موقع دیا کہ وہ زمینیں اپنی ملک میں لے آئیں۔ اوزان و پیمانہ جات کا اعشاری آئین، دیوانی اور سول میریج کے قوانین کا نفاذ، جبریہ تعلیم، ضابطۂ دیوانی (جو کوڈ نیپولین کی نقل تھی)، فوجداری امور میں جوری کا تقرر، فوجی اور صنعتی مدرسوں اور شفا خانوں کی تعمیر، اور زرعی نمائشوں کا قیام عمل میں لایا گیا اور ان سب چیزوں نے مل کر رومانیہ کو اس قعر مذلت سے نکال لیا جس میں فینیر یاٹس کے ظلم و تشدد اور روس کی سازشوں نے اسے ڈھکیل دیا تھا۔ لیکن محاصل کے اضافوں، پبلک فنڈس کے انتظامات کی خرابیوں، اور مالی زبوں حالیوں نے جو پرنس کے متوسلین کی پیدا کی ہوئی تھیں رفتہ رفتہ ان تمام ملکی خدمات کو لوگوں کے دلوں سے محو کر دیا جو پرنس نے انجام دئے تھے۔ بغاوتیں شروع ہو گئیں اور ان کو نہایت سختی کے ساتھ فرو کیا جانے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر باب عالی نے فوراً ایک خشمگیں یادداشت بکدش (Bucharest) کو روانہ کی:—

اگر واقعی شکایت کے جائز اسباب موجود ہوں تو ایسی صورت میں یورہائی نس کا تمام معقول اور منصفانہ امور میں، جس حد تک کہ قانون اجازت دیتا ہے

مالدار و ولاشین قوم کی خواہشیں پورا کرنے کے ذرائع اور تدابیر اختیار کرنا کوئی عاجلانہ فعل نہیں ہوسکتا، سلطان المعظم اور ان کے حلفائے اعظم اس بات کو بے اعتنائی سے نہیں دیکھ سکتے کہ صرف مادی قوت کے بل پر ملک میں امن و امان قائم رکھا جائے" اس مراسلت کا بہر حال کوئی نتیجہ نہ نکلا اور پرنس اور فواد پاشا کے مابین چندے مراسلت کے بعد یہ معاملہ دبا دیا گیا۔ (۱۹ر نومبر ۱۸۶۵ء)۔

پرنس کوزا کے فتوح زیادہ مدت تک نہ رہ سکے۔ ۲۲ و ۲۳ر فروری ۱۸۶۶ء کی رات کو فوجی سازشیوں کی ایک جماعت نے جس کا سرغنہ صحیفہ نگار اوزیٹی، رومانول کا ڈپٹی اور ڈائرکٹر، تھا، پرنس کو محل میں داخل ہوکر یکایک گھیر لیا، اور اس کو تخت سے دست بردار ہوجانے پر مجبور کیا۔ تخت و تاج کاونٹ آف فلانڈرس کے سپرد کر دیا گیا۔ دول کے نمایندوں نے، جن کے دستخط ۱۸۵۶ء کے معاہدے پر ثبت تھے، پیرس میں ایک کانفرنس منعقد کی (۱۰ر مارچ)، اور روس کے علاوہ سب نے بالاتفاق اتحاد کو برقرار رکھنے کی رائے دی مگر ساتھ ہی ساتھ غیر ملکی بادشاہ کے انتخاب کی مخالفت بھی کی۔ رومانیہ والے بہر حال اپنے ارادے پر قائم رہے اور ۱۹ر اپریل کو پروشیا کے شاہی خاندان کے ایک رکن، پرنس چارلس آف ہوہن زولرن کو رومانیہ پر حکومت کرنے کی غرض سے طلب کر لیا گیا۔

فواد پاشا کا نظم و نسق

جس زمانے میں عیسائی قومیں، جن کو ترکوں نے ابتداءً مغلوب کر لیا تھا، ہر جگہ سر اٹھا رہی تھیں، دولت علیہ عثمانیہ تنظیم جدید کے وقت طلب کاروبار میں مصروف تھی اور اپنے مالی مشکلوں کا، جن پر اس کے مستقبل کا دارومدار تھا، مقابلہ کر رہی تھی۔

علی پاشا کی وزارت بہت تھوڑے زمانے تک قائم رہی لیکن اس نے اپنے اس قلیل المدت نظم ونسق کو، ایطالیہ کی حکومت کو تسلیم کرکے اور فرانس اور انگلستان کے ساتھ ایک تجارتی معاہدے کی تکمیل سے، بہت کچھ ممتاز ومنیر بنالیا تھا۔ برطانوی اثر اس کے زوال دولت (نومبر سنہ ۱۸۶۱ء) اور فواد پاشا کے علوئے مرتبت کا باعث تھا۔

فواد پاشا، مولائے عزت کا بیٹا تھا، جو ایک سربرآوردہ شاعر تھا اور جس نے محمد ثانی کے عہد میں بحالت جلاوطنی، ایشیائے کوچک میں داعی اجل کو لبیک کہا تھا۔ فواد پاشا شاہی مدرسۂ طبیہ کا طالب علم تھا اور اس نے سنہ ۱۸۳۰ء کی مہم میں، جو طرابلس اور باربرہ کے عربوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے اختیار کی گئی تھی، فوجی ڈاکٹر کے فرائض انجام دئے تھے۔ لیکن یہ ترقی کی منزلیں اس کی بلند حوصلگی کے لئے کافی نہیں تھیں وہ بہت جلد اپنے ان خدمات سے دست بردار ہوکر باب عالی کے دارالترجمہ میں داخل ہوگیا۔ سنہ ۱۸۴۸ء کے واقعات نے اس کو چمکا دیا۔ افلاک ولوغدانی (Moldo-Wallachian) سفارت میں اس نے روسی سفیر، بیرن ڈی بڈبرگ، کا مقابلہ کیا اور اس کی کامیابی نے اس کی سیاسی قابلیتوں کو اور بھی نمایاں کردیا اس نے مختلف حیثیتوں سے اہم امور انجام دئے تھے ایک تو وزیر خارجہ کی حیثیت سے (جس سے وہ سنہ ۱۸۵۲ء میں مستعفی ہوگیا تھا) دوسرے کمشنر دولت مقیم تھسلی کی صورت سے تیسرے پیرس کانگریس کے ترکی وزیر اور سنہ ۱۸۶۰ء میں لبنان کے قتل عام کے وجوہ کی تحقیقات کرنے والے افسر کی حیثیت سے، اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ہر حیثیت میں اس نے اپنی فراست وذکاوت کا درخشاں ثبوت دیا تھا۔ اپنے خیالات کی ایک طرح کی آزادی اور وسعت پر اس کو ناز تھا۔ وہ اپنے خاص انداز میں اصلاحات کا حامی تھا، اور اپنی کامیابی کے لئے جو ذرائع اختیار کرتا تھا ان میں احتیاط سے کام نہیں لیتا تھا اور اس طرح اپنے اعلیٰ اور ارفع حوصلوں کی تکمیل کے لئے اس نے ایک ایسی قابلیت پیدا کرلی تھی، جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔

وہ آزادی کے ساتھ اپنے حسب منشا حکومت کرنا چاہتا تھا، چنانچہ سلطان سے اس نے اپنے برادر نسبتی قپودان پاشا محمد علیؒ کی علیحدگی کا فرمان حاصل کر لیا۔ رفتہ رفتہ اس کے خود مختارانہ طرز عمل نے سلطان کو بہت کچھ پریشان کر دیا اور آخر کار ۱۸۶۳ء میں اسے مجبوراً علیحدہ ہو جانا پڑا۔ نوروز یا پاشا جواب کابینہ قائم کرنے کے لئے طلب کیا گیا تھا، بار وزارت کو سنبھال نہ سکا اور اس لئے قلمدان وزارت کامل پاشا (Kiamil Pasha) کے سپرد کر دیا گیا جو عالی مصر کا داماد تھا۔ علی پاشا کا وزارت خارجہ، اور مصطفےٰ فاضل پاشا کا وزارت مالیہ پر تقرر کر دیا گیا اور فواد پاشا کو مجلس معدلت کا صدر بنا دیا گیا اور اس کے کچھ دنوں بعد ہی اس کی وزارت حربیہ پر ترقی ہو گئی۔ یہ صورت حال بہت دنوں تک قائم نہیں رہی۔ اور جون ۱۸۶۳ء میں فواد پاشا نے دوبارہ وزارت عظمیٰ کا منصب جلیلہ حاصل کر لیا، ساتھ ہی ساتھ وزارت حربیہ بھی اسی کی نگرانی میں رہی، جس پر اس نے اپنے ایک آوردے، حسین اونی پاشا کا تقرر کر دیا تھا اور یہ شخص عمر پاشا کا دشمن تھا۔

مالی مسائل کو ترکی حکومت میں ہمیشہ سے تقدم اور اولیت کا مرتبہ حاصل تھا، اور ۱۲۵۶ء میں ایک مسلم مورخ نہایت شدومد کے ساتھ مالیات کی بدنظمیوں اور سرکاری رقموں میں نہایت ہی دنائت آمیز تغلبوں کی ماتم سرائی کر چکا تھا۔ محمد ثانی نے مسلسل لڑائیوں کی پیدا کی ہوئی شدید ضرورتوں کو رفع کرنے کی غرض سے، مجبوراً کاغذی سکہ رائج کر دیا تھا۔ جنوری ۱۸۳۰ء میں بتیس ۳۲ ہزار کے بانڈ، جو آٹھ سال میں واجب الادا تھے، اور جن پر آٹھ فیصدی سود لگایا گیا تھا، جاری کئے جا چکے تھے۔ یہ اجرائیاں پے در پے نہایت عجلت کے ساتھ عمل میں آنے لگیں اور بالآخر سود موقوف کر دیا گیا۔ اپنے عہد سلطنت کے آغاز میں عبدالمجید نے کاغذی سکے، کو جو ترکی کی مالی ترقیات میں حارج ہو رہا تھا منسوخ کر دینا چاہا، لیکن قریم کی لڑائی اور حرم کے اسراف میں، ۱۸۵۵ء کا حاصل کیا ہوا قرضہ صرف ہو چکا تھا اور اس طرح گویا خزانے کی بدنظمیاں مکمل ہو چکی تھیں، ترکی نے یوروپین سرمایہ داروں سے اپیل کرنے کی کوشش کی، لیکن فرانس اور انگلستان کے

ضمانت دینے سے قطعی طور پر انکار کر دینے کی بنا پر اور مائرس لون (Mires loan) کی ناکامیابی کی وجہ سے ترکی کو فوری تدابیر اختیار کرنی پڑیں۔ اور کمی پورا کرنے کے لئے، ایک ہزار دو سو ملین پیاسٹر[1] کا ایک جدید کاغذی سکہ رائج کیا گیا (۱۴ اپریل ۱۸۶۱ء)۔ ہر شخص اس نئے کاغذی سکے کے قبول کرنے پر مجبور تھا اور صرف کروڑ گیری کا محکمہ اس سکے کو مسترد کر دینے کا مجاز تھا۔ دو سو پچاس ملین پیاسٹر سے مضروب سکے کا کام لیا گیا، جو اصل سرمائے کے دو ثلث کے مساوی تھا اور اسی رقم کو یورپ کے ساتھ شرح مبادلہ کو قائم رکھنے کے لئے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ بقیہ رقم کو (۱) سابقہ اجرائیوں اور (۲) ۱۸۶۰ء و دور سنین ماضیہ کی تعایا کے ادا کرنے کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ اور یہ تصفیہ کیا گیا کہ تکمیل اجرائی تک، جو مارچ ۱۸۶۲ء میں ہونے والی تھی، تیس ملین پیاسٹر صرف قسطنطنیہ میں استعمال کئے جانے کے لئے اور ڈیڑھ سو ملین پیاسٹر، دوسرے مقامات میں تقسیم کئے جانے کے لئے سونے اور چاندی کے سکوں کے معاوضے میں مشروط طور پر رائج کر دئے جائیں گے جو مہر ان ڈیڑھ ملین کاغذی پیاسٹر کی پشت پر لگائی گئی تھی، اس میں مارچ ۱۸۶۲ء سے قبل ان کو رائج کرنے کی صاف طور پر ممانعت کر دی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ انتظامات اس قدر ہوشیاری کے ساتھ کئے گئے تھے کہ محصول ادا کرنے والوں کو اس قرضے کے متعلق کچھ زیادہ پس و پیش کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ کاغذی سکہ اٹھارہ سال کے زمانے میں رفتہ رفتہ واپس لے لیا جانے والا تھا اور اس کے لئے یہ صورت اختیار کی گئی تھی کہ ہر سال مالگزاری میں سے ساڑھے سات سو ملین پیاسٹر، مائرس لون کی کفالت کے لئے علیحدہ کر لئے جائیں گے۔

ترکی کا یہ خیال تھا کہ اس انتظام سے تمام خرابیوں اور مالی زبوں حالیوں کی تلافی ہو جائے گی مگر نتیجہ توقع کے خلاف نکلا۔ سلطان نے ۲۰ جنوری ۱۸۶۲ء کے ایک فرمان (hatt) میں جو وزیر اعظم فواد پاشا کا موسومہ تھا، اس صورت حال کو تسلیم کر لیا اور فواد پاشا کو مالیات میں اصلاح کرنے کا حکم دیا،

[1] تقریباً دو سو تراسی ملین فرانک۔

ساتھ ہی ساتھ اس کو سلطنت کی تمام مالگزاری کا ڈائرکٹر جنرل بھی بنادیا۔ فواد پاشا نے اپنی ایک قابل ذکر رپورٹ (۶ر فروری) میں تمام پوست کندہ حالات سلطان کے ملاحظے میں پیش کیے:۔

"کاغذی سکے، جس کی قدر حقیقی کے مساوی کوئی اور چیز نہیں۔ ہے ساکھ قائم رکھنے کا صرف ایک مصنوعی ذریعہ ہے اور یہ شرح تبادلہ کی قدر ... تخفیف کرنے کے مساوی ہے۔ اس کی وجہ سے تجارتی تعلقات میں متواتر ہیجان پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن کا ردعمل ریاست کی ساکھ (credit) پر شروع ہوتا ہے اور جو ہمیشہ ریاست یا پبلک اور بعض اوقات دونوں کے لئے تباہ کن نتائج پیدا کردیتے ہیں۔

اس امر میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یورپین کی حکومت کے لئے کاغذی سکے کا رواج، صحیح مالی طریق عمل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک خطرناک فوری ذریعہ ہے، جو شدید ضرورتوں کے موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

کاغذی سکے (نوٹ) کی قیمت تیزی کے ساتھ گھٹنے لگی۔ ترکی پونڈ کی قیمت ساڑھے تین سو کاغذی پیاسٹر ہوگئی۔ اور حکومت نے اس کو واپس لے لینے کا فیصلہ کرلیا۔ ۱۷ر جون کے ایک فرمان میں حکم دیا گیا کہ:۔

۱۔ کاغذی سکے کو کامل طور پر واپس لے لیا جائے۔

۲۔ مختلف نظم و نسق کے اثنا میں جو قرضے حاصل کئے گئے تھے ان کو بیباق کردیا جائے۔

۳۔ ایک موازنہ شایع کیا جائے جس میں جمع و خرچ تفصیل وار درج ہو اور موخرالذکر میں تخفیف کی جائے۔

ترکی حکومت نے باہر سے کسی نہ کسی طرح آٹھ ملین پاؤنڈ اسٹرلنگ کا قرضہ حاصل کرلیا اور یکم جولائی اور ۱۳ر ستمبر کے درمیان اس رقم کے ذریعے سے تمام کاغذی سکے واپس لے لئے گئے (۱٫۰۰۰٫۹۰۷٫۷۰۲) پیاسٹر ماحی نل ویلیو پر بشرح چالیس فی صدی بصورت سکہ مضروب اور ساٹھ فیصدی بصورت رقم مجتمعہ بہ قیمت مساوی (at par) ان لوگوں کو ادا کئے گئے جن کے پاس کاغذی سکے تھے۔

لیکن اس کے باوجود بھی بہت زیادہ رقوم کا ادا کرنا باقی رہ گیا اور یہ رقم بھی کم پڑ گئی۔ سلطان نے ماہانہ پانچ ہزار کیسے جو سول لسٹ کے محفوظ سرمائے کا کام دیتے تھے، قطعاً بند کر دئے اور بیگمات کو جو رقم ادا کی جاتی تھی اس کو کم کر دینے کا حکم دے دیا (۱۳ فروری ۱۸۶۳ء)۔ ایک بنک کے قیام سے جو فرانسیسی اور انگریزی سرمایہ داروں کے تعاون سے قائم کیا گیا تھا، گورنمنٹ کو بنک کے بانیوں کی وساطت سے آٹھ ملین پاؤنڈ اسٹرلنگ کا مزید قرضہ حاصل کرنے کا موقع دے دیا۔ منجملہ اس رقم کے چھ ملین پونڈ قرض کے لئے محفوظ کر دئے گئے اور بقیہ رقم سے پرانے خراب شدہ سکوں کی واپسی کا کام لیا گیا۔ مختلف سررشتوں میں حسب ذیل تخفیفوں کی بنا پر، وزیر مالیہ، مصطفےٰ فاضل پاشا کو تینتالیس ہزار کیسوں کی بچت دکھانے کا موقع مل گیا:۔ سول لسٹ ساٹھ ہزار کیسے۔ حربیہ ایک لاکھ اکتیس ہزار۔ بحریہ پینتیس ہزار، داخلہ اٹھارہ ہزار۔ خارجہ تین ہزار تین سو۔ تجارت ڈھائی ہزار۔ تعلیمات دو ہزار چار سو۔ پولیس چھ ہزار مالیہ پچیس ہزار۔ اس کے علاوہ اس نے حسب ذیل تجویزیں بھی پیش کیں:۔

۱۔ قسطنطنیہ میں مکانات پر ٹیکس لگا دیا جائے۔

۲۔ مکانات اور آراضی (حقیقی جائداد) سے جو مقررہ لگان حاصل کیا جاتا ہے اور جو وقف ہے، اس میں امکنہ مقدسہ کے اخراجات سے (جن کا تعلق اسی وقف سے ہے) تناسب قائم کر دیا جائے۔ اس صورت میں خزانہ اس قابل ہو سکے گا کہ جو چالیس ہزار کیسے سالانہ وقوف کے مرکزی انتظامات کے لئے ادا کئے جاتے ہیں ان کو تعمیرات و تعلیمات کے سررشتوں میں منتقل کر دے۔

۳۔ سائرات اور غیر واجب محاصل میں اصلاح کی جائے تاکہ رعایا دیوانی کے مظالم سے، جو اس کے لئے بہت سخت ہیں، نجات پا سکے اور اسی کے ساتھ ساتھ سلطنت کی مالگزاری میں بھی اضافہ ہو جائے

۴۔ تمام سلطنت کی بعجلت ممکنہ پیمائش کی جائے۔

"اس صورت میں ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ ان ناانصافیوں اور تصرفات بیجا کو واضح کر دیں جن سے تعین محاصل کے مواقع پر کام لیا گیا ہے۔

اور ہمیں موقع مل جائے گا کہ غریب اور نادار طبقے کا بوجھ ہلکا کردیں، امیر اور دولتمند طبقے کو ان کی دولت کے تناسب سے پبلک اخراجات میں حصہ لینے پر مجبور کریں اور مالگزاری کی حقیقی مقدار متیقن کرلیں"[1]

بدقسمتی سے فواد پاشا نے، سلطان کی خدمت میں زیادہ رسوخ حاصل کرنے کی غرض سے، اس کی فضول خرچیوں کی بہت کچھ تعریف و توصیف کی اور اسے اس امر کا موقع دے دیا کہ وہ اپنے بیجا اسراف کا تباہ کن سلسلہ جاری رکھے۔ عبد العزیز نے یہ دیکھ کر اپنے پہلے ارادوں کو پھر اپنے دل میں جگہ دے دی اور باقاعدہ طور پر تین شادیاں کرنے کے علاوہ ایک حرم بھی قائم کرلیا جس میں رفتہ رفتہ نوسو عورتیں اور تین ہزار خواجہ سرا، حاجب، کوچبان، ملاح وغیرہ جمع ہوگئے۔ محلات شاہی میں روزانہ پانچ سو دسترخوان بچھتے تھے اور ہر دسترخوان پر بارہ قسم کے کھانے چنے جانے لگے۔ مصطفےٰ افضیل پاشا اور فواد پاشا میں جو عداوت کا پھوڑا پکے پک رہا تھا اب وہ یکایک پھوٹ نکلا۔ یہ عداوت اس وقت سے شروع ہوئی تھی جب کہ فواد پاشا کو مصطفےٰ فاضل پاشا کے والد کی جائداد تقسیم کرنے کے لئے ثالث مقرر کیا گیا تھا۔ مصطفےٰ فاضل پاشا نے فواد پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے اپنی چالبازیوں سے مصطفےٰ میں اور اس کے بھائیوں میں رنجش پیدا کردی تھی۔ مصری شہزادے نے وزیر اعظم کے مالی انتظامات سے اتفاق کرنے سے انکار کردیا اور ایک عرضداشت سلطان کے ملاحظے میں پیش کی جس میں حکومت کی تمام برائیوں کو واضح کیا گیا تھا۔ اس عرضداشت کا لب و لہجہ ایسا تھا جس کو سننے کا سلطان عادی نہیں تھا۔ وزیر اعظم کے اثرات سلطان پر حاوی ہوگئے اور مصطفےٰ افضیل پاشا کو علیحدہ کرکے، اس کی جگہ کیانی پاشا کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ (مارچ ۱۸۶۴ء)۔ مصطفےٰ قسطنطنیہ سے یکایک پیرس روانہ ہوگیا۔ باب عالی نے اس کی جائداد ضبط کرلینے کا حکم دیا لیکن فرانسیسی حکومت کی مداخلت کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل نہ ہوئی اور مصطفےٰ دفتر محاسبی کا صدر بنا دیا گیا۔ اس

[1] رپورٹ مصطفےٰ افضیل پاشا، موسومہ وزیر اعظم سے مورخہ ۱۳ ستمبر ۱۸۶۳ء

جدید منصب کے حصول کے بعد دونوں حریفوں میں ہمیشہ مالی مسائل پر جھگڑا ہوتا رہا۔ مصطفےٰ نے اپنے حریف کو تباہ کردینے کے لئے بارگاہ سلطانی میں باریابی کی درخواست کی اور موجودہ صورت حال کی سنجیدگی کو نہایت مہیب شکل میں پیش کیا، ساتھ ہی ساتھ ان خطرات کو بھی بہت کچھ شدومد کے ساتھ بیان کیا جن میں سلطنت، فواد پاشا کے اعمال وافعال سے، گھر گئی تھی اور جن کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا کہ سلطنت کا دیوالہ نکل جائے۔ مصطفےٰ کی بیباکانہ گفتگو نے سلطان کو ناراض کردیا اور اس کو جلاوطن کردیا گیا۔

کیانی پاشا کی رپورٹ، مورخہ ۱۹ مارچ ۱۸۶۵ء کے مطابق ۲۹/۳۰/۳۱ مارچ کو سلطنت کے پبلک قرضوں کی بیاض اکبر کی تدوین کی گئی، اس بیاض اکبر میں چالیس ملین ترکی پاؤنڈ کے عام قرضے کے اندراج، داخلی قرضہ جات عامہ کے تبادلے یعنی تحویلات ممتازی، (Eshami-Dyeliudis) اور دہ سالہ کے عام قرضوں کو بانڈ کی صورت میں منتقل کردینے کے متعلق احکام نافذ کئے گئے۔ حرم کے اسراف نے خزانے کو خالی کردیا اور یہ محسوس کیا گیا کہ بیاض اکبر میں جن رقوم کا حال میں اندراج کیا گیا تھا وہ آئندہ چھ مہینے کی تنخواہیں اور اخراجات ادا کرنے کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوسکیں گی مجبوراً عثمانی بنک اور پیرس کے کریڈٹ موبی لیر کے توسط سے، ڈیڑھ سو ملین فرانکس کا قرضہ بشرح بارہ فی صد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ دسمبر ۱۸۶۵ء میں جو قرضہ حاصل کیا گیا تھا وہ ادائے قرضۂ عام کی آخری سہ ماہی کے لئے بالکل کافی نہیں تھا سررشتۂ تعمیرات نے بہرحال ادھم پاشا کے زیر ہدایت اپنی مصروفیتوں کو بہت کچھ وسعت دے دی۔ طرابزون کو ارض روم سے ملادینے کے لئے ایک سڑک اور وان سے روشوک تک ایک ریلوے لائن کی تعمیر شروع کردی گئی۔ دریائے طونہ کے دہانوں کی حالت بہتر ہو جانے سے تجارتی حمل ونقل میں جدید سہولتیں پیدا ہوگئیں۔ باب عالی نے اپنے دریائے طونہ کے ڈیلٹا کے حقوق ایک یوروپین سنڈیکیٹ کو اس شرط کے ساتھ دیدیئے کہ کام ختم ہو جانے پر دریا کے کناروں پر جن حکومتوں کے علاقے ہیں، ان کا ایک کمیشن نشیبی طونہ میں جہاز رانی کے مسئلے کا تصفیہ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا انتظام کرے گا۔

ہیضے کی عام وبا کے ختم ہوتے ہی، جو حاجیوں کی وجہ سے مکہ معظمہ تک پھیل گئی تھی اور جس نے بحر روم کی تمام کھاڑی (basin) کو تباہ کر دیا تھا، قسطنطنیہ میں ایک بین الاقوامی کمیشن کا اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں ان ذرائع اور وسائل پر غور کیا گیا جن پر عمل پیرا ہو کر آیندہ اس قسم کے مصائب کا سد باب کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مجلس حفظان صحت کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ لزارٹمیس اور قرنطینوں پر نگرانی قائم کی جا سکے۔ بلدیۂ پیرا کے صدر، سہرور پاشا نے ایک شفا خانہ تعمیر کیا جس میں بلا لحاظ قوم و مذہب غریب مریضوں کو داخل کرنے کا تصفیہ ہوا۔ دولت عثمانیہ نے اس شفا خانے کو سسٹرس آف چیرٹی کی نگرانی میں دے دینے میں کسی قسم کا پس و پیش نہیں کیا۔ اس شفا خانے میں جو مریض داخل کئے گئے ان میں بہر حال مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دولت عثمانیہ کو اپنے اس فعل پر متاسف ہونے کا کوئی موقع کبھی پیش نہیں آیا اور سلطان کے اس انتخاب نے مسلمانوں کے لئے بہت کچھ تعریف و توصیف حاصل کر لی۔ اگرچہ میونسپل بجٹ میں اس شفا خانے کے لئے جو رقم محفوظ کی گئی تھی وہ بہت قلیل تھی اور اکثر واجب الادا رہتی تھی تاہم، یہ برابر چلتا رہا جس کی وجہ زیادہ تر سینٹ انسنٹ دے پال کی مذہبی عورتوں اور عام لوگوں کی خیرات تھی۔

محمد رشیدی پاشا کی وزارت۔ لبنان۔ اور جوزف کرم

فواد پاشا کے خلاف اس کے دشمنوں کا مالی معرکہ، لارڈ پالمرسٹن کی موت اور برطانوی حکومت کی خارجی پالیسی کے نئے دور نے وزیر اعظم کے زوال کو متیقن کر دیا۔ ۴ر جون ۱۸۶۶ء کو محمد رشدی پاشا نے، فرانس کے زیر اثر، جو اس زمانے میں استنبول پر

حاوی تھا، ایک جدید وزارت قائم کی۔ نئے وزیر نے عثمانی قرضے کی آیندہ قسطوں کے باقاعدہ ادا کرنے کا یقین دلا کر دوبارہ ساکھ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس نے سلطنت کے بعض صوبوں کی مالگزاری عثمانی بنک کو، سہ ماہہ ادائیوں کی ضمانت وکفالت کے طور پر، تفویض کر دی اور بنک نے اس کے بدلے میں ترکی قرضہ جات کے متعلق جتنے تمسکات تھے سب کو بیباق کر دیا۔ لیکن فوری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نئے وزیر کو روپے کی شدید ضرورت تھی۔ اس نے دو دفعہ قرض لینے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ اور اس کو مجبوراً غلطہ کے بنکروں سے چھوٹی چھوٹی رقمیں قرض لے لے کر روزمرہ کی ضروریات پورا کرنے کا قدیم طریقہ اختیار کرنا پڑا۔

سیاسی صورت حال بھی مالی صورت حال سے کسی طرح بہتر نہیں تھی۔ قرہ طاغ ۱۸۶۲ء کی مصیبت سے ابھی تک سنبھل نہیں سکا تھا اور اس لئے دولت علیہ عثمانیہ کے خلاف سر نہیں اُٹھا سکتا تھا، لیکن رومانیہ اور سربیہ میں سخت پیچیدگیاں پڑی ہوئی تھیں۔

پرنس چارلس آف ہوہن زولرن کے رومانیہ کے تخت پر انتخاب پر باب عالی کی طرف سے احتجاج کیا گیا تھا، اور باب عالی نے دریائے طونہ کی ملحقہ ریاستوں کے اس صریح اتحاد کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن پیرس کانفرنس پرنس چارلس کے انتخاب کو منظور اور حکومت رومانیہ کو تسلیم کر چکی تھی۔ دیوان نے دریائے طونہ پر فوجیں اکھٹا کر لیں لیکن قریم میں جو واقعات پیش آئے اُن کی بنا پر یہ فوجیں واپس طلب کر لی گئیں، اور محمد رشدی پاشا نے شاہ رومانیہ کی حکومت کو تسلیم ہی نہیں کر لیا بلکہ اس کے ساتھ شاہی اعزاز بھی روا رکھا۔ ترکوں نے اس موقع پر خراج میں جو برائے نام اضافہ کر دیا گیا تھا، اسی کو غنیمت سمجھا۔ فرانسیسی قونصلوں کے لئے یہ تصفیہ کوئی نئی چیز نہیں تھا اور واقعہ یہ ہے کہ باب عالی نے نہایت دانشمندی سے کام لیا تھا۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ رومانیہ کی طاقت کو بڑھا دیا جائے تاکہ وہ سلطنت اور روس کے مابین، جو لہستان (پولینڈ) کو شمال کی تین طاقتوں کی مرضی پر چھوڑ کر اس قدر حماقت شعارانہ طریقے پر تباہ ہو چکا تھا، در بند کا کام دے سکے۔

اہل رومیہ، جو دراصل لاطینی النسل تھے، پان جرمن اور پان سلیو حملوں کے مقابلے میں ایک ترقی یافتہ پاسبان کی حیثیت رکھتے تھے، اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ترکی کے لئے اس میں زیادہ فلاح تھی کہ وہ ایک تکلیف دہ باجگزار ریاست کے بجائے، جس کا وجود، جیسا کہ ۱۸۷۷ء کے واقعات سے کافی طور پر ثابت ہو جاتا ہے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ ایک وفادار حلیف کی حمایت حاصل کرے۔

سربیہ ستمبر ۱۸۶۵ء کے معاہدے سے مطمئن نہیں تھا اور ان چار قلعوں کے تخلیئے کا، جن پر ترکی فوجیں اب تک قابض تھیں، برابر مطالبہ کر رہا تھا۔ باب عالی کو اس وقت شدید مالی مشکلات کا سامنا تھا ساتھ ہی ساتھ قریم میں بغاوت برپا ہو جانے کا خطرہ بھی لگا ہوا تھا، جس کی بنا پر یونان اور ترکی میں لڑائی چھڑ جانے کا اندیشہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں دریائے طونہ پر مشکلات کو رونما نہیں ہونے دیا جا سکتا تھا، خصوصاً اس لئے کہ سربیہ کے ساتھ اس موقع پر لڑائی چھڑنے کے یہ معنی تھے کہ تمام عیسائی صوبوں کو بغاوت پر برانگیختہ کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ چاروں قلعے سربیہ کے حوالے کر دئے گئے اور مارچ ۱۸۶۷ء میں سربیہ ترکی سنگینوں کے خطرے سے آزاد ہو گیا اور بلغراد پر تین جھنڈے لہرانے لگے۔ لبنان بہرحال سربیہ کی طرح خوش نصیب نہیں تھا۔ اس نے اپنے سیاسی اختیارات خود انتظامی کے مطالبے میں جبر اور طاقت سے کام لیا تھا اور اس لئے اس کو ایسی ہی سخت قربانیاں بھی کرنی پڑیں ۹ر جون ۱۸۶۰ء کے ایک منظور شدہ قانون میں یہ تسلیم کیا جا چکا تھا کہ لبنان کو ایک عیسائی گورنر جنرل اور ایک ارمنی کیتھولک کے رکھنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اس جگہ پر داؤد افندی کا انتخاب بھی ہو گیا تھا۔ لیکن یہاں ایک ایسا شخص موجود تھا، جس سے ترکوں کو خطرہ تھا۔ یہ شخص جوزف کرم تھا۔ اس کا تعلق مشہور میرونائٹ خاندان سے تھا، جس نے تین صدی تک صوبہ بقرہ Becharra پر حکومت کی تھی۔ فرانسیسی تسلط کے زمانے میں یہ شخص میرونائٹ کا پراونشل کیماکم (Kaimakam) تھا۔ اس کی قابلیتوں اس کی دولت اور اس کے اثرات سے باب عالی کو بہت کچھ خطرہ تھا۔ اور یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ لبنان کو براہ راست ترکی حکومت کا تخت بنا دینے کے لئے

جو تدبیریں اختیار کی جانے والی تھیں، اُن میں اس کی ذات سے بہت کچھ رکاوٹیں پیدا ہو جائیں گی۔ فواد پاشا نے، جو امیر اور گورنر جنرل کو لڑا دینا چاہتا تھا، جوزف کرم کو آسانی کے ساتھ اس امر پر تیار کر لیا کہ وہ لبنانی فوجوں کی کمان قبول کرنے سے جو داؤد آفندی کی طرف سے اس کے سامنے پیش کی گئی تھی، انکار کر دے۔ امیر حکومت سے ناراض ہو کر اپنے علاقے واپس چلا آیا لیکن وہ "نہ تو اطمینان کے ساتھ بیٹھ سکتا تھا تاکہ اس کے حریف اور دشمن جو اس کے اثرات سے اچھی طرح واقف تھے۔ مطمئن ہو جائیں اور نہ وہ اس قدر ذہین و چالاک واقع ہوا تھا کہ اپنی حفاظت کر سکتا" فواد پاشا کی طلبی پر وہ ملاقات کرنے کی غرض سے بیروت چلا گیا اور یہاں جو دام اس کے لئے بچھایا گیا تھا اس میں پھنس گیا۔ اس کو بیروت میں گرفتار کر لیا گیا اور یہاں سے وہ استنبول منتقل کر دیا گیا۔ داؤد آفندی کی مدت ملازمت ختم ہو جانے پر اس کے خدمات میں، فرانس کی طرف سے لبنان کے سیلف گورنمنٹ کے حقوق کے متعلق ہمدردانہ احتجاج کے باوجود تین سال کی توسیع کر دی گئی۔ مینور ائٹس کی شدید مخالفت کو ختم کر دینے کی غرض سے، جو اب تک جوزف کرام کے طرفدار تھے، گورنر جنرل نے امیر کے ساتھ اس کی رہائی کے متعلق گفت و شنید کرنی چاہی لیکن امیر کی طرف سے انکار کر دیا گیا۔ اسی اثنا میں یہ خبر پھیل گئی کہ کرام، استنبول سے بھاگ کر اپنے وطن واپس آگیا ہے (۷ ار نومبر ۱۸۶۴ء)۔ زیورٹا کے قبرستان میں، جہاں وہ اپنی ماں کی قبر پر جس کا جلاوطنی کی حالت میں انتقال ہوا تھا، اس کو شناخت کر لیا گیا۔ لوگوں نے اس کا نہایت شاندار خیر مقدم کیا اور شمال کے تمام اضلاع نے اس کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ داؤد نے واقعات کا یہ رنگ دیکھ کر فوراً استعفا پیش کر دیا مگر منظور نہیں ہوا۔ ادھر فرانسیسی قونصل مقیم بیروت نے مینورائٹ اسقفوں اور پادریوں کو اس امر سے آگاہ کر دیا کہ امپیریل گورنمنٹ کرام کی کبھی حمایت نہیں کرے گی۔ بیان کیا جاتا ہے، اور یہ بیان بے وجہ نہیں ہے کہ ترکی نے خفیہ طور پر امیر کی مراجعت کی اس خیال سے حمایت کی تھی کہ اس کی وجہ سے ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی جن سے اسے لبنان کے داخلی امور میں مداخلت کا موقع مل جائے گا۔ وزیر اعظم، فواد پاشا نے ترکی فوجوں کے لبنان پر قبضہ کر لینے کی دھمکی دی اور کرام نے

فرانسیسی حکومت کے ایما پر ولی کو اپنے صلح جویانہ ارادوں سے آگاہ کردیا۔ داؤد آفندی نے، دمشق اور لبنان کے قاتلوں کے داخلے کو ممنوع قرار دیکر اور مرکزی حکومت سے تین ملین پیاسٹر کا عطیہ حاصل کرکے، اپنی رعایا کی دلجوئی کی کوشش کی۔ اسی غرض کے لئے اس نے واجب الادا محاصل کو بھی معاف کردیا اور دمشق اور سعیدہ کی سڑکوں کو ترکی فوجوں کے قبضے سے نکال لیا لیکن یہ تمام کوششیں بھی مینور اٹیٹس کے شبہات کو دور نہیں کرسکیں۔ یہ دیکھ کر ولی نے ایک ایسے اقتدار کا خاتمہ کردینے کا مصمم ارادہ کرلیا، جس کی موجودگی سے خود اس کا اقتدار معرض خطر میں تھا۔ چنانچہ اس نے جوزف کرام کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ امیر نے اس کے جواب میں ہتھیار سنبھال لئے اور سالومان ہرونش اور اس کے متولیوں کو اپنی امداد کے لئے طلب کیا۔ ۶ر جنوری ۱۸۶۶ء کو دونوں سرداروں نے دو ہزار آدمیوں کے ساتھ غزیان پر حملہ کیا لیکن چھ گھنٹے کی ایک شدید لڑائی کے بعد ان کو ہزیمت ہوئی۔ ترکوں نے نہایت عجلت کے ساتھ فوجیں روانہ کیں۔ بنوچی کے عقب میں خندق کھود کر کرام نے ۲۸ر جنوری کو امین پاشا کو پسپا کردیا (اسکوارٹ زن برگ) لیکن وہ ترکوں کی تازہ دم اور جرار فوج کی تاب نہ لاسکا اور جارون کی لڑائی کے بعد، عدن کے مقام پر اس کی قوت پامال ہوگئی۔ اس کی ہزیمت کا کامل یقین ہوچکا تھا لیکن یکایک وہ شام کے ریگستان سے، جہاں اس نے پناہ لی تھی، نکلکر ترکی فوجوں پر، جو ادھر ادھر منتشر تھیں حملہ آور ہوا اور ان کو تباہ کردیا۔ اس کے بعد اس نے اپنی منتشر فوج کو جمع کیا اور پھر سالومان سے جاملا۔ لڑائی آخر جولائی تک جاری رہی اور اگرچہ یہ ایک دلیرانہ جنگ تھی تاہم دونوں پلے برابر نہ تھے۔ مینور اٹیٹس کو فرانس کی طرف سے مایوس اور وہٹی کان کی طرف سے مطعون ہونے کے بعد مجبور اً مغلوب ہونا پڑا۔ عدن کے پہاڑوں میں گھر جانے کے بعد، امیر بغیر لڑے بھڑے دشمن کی صفوں سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہر طرف سے گھر جانے پر بھی وہ مایوس نہیں ہوا اور ۴ار دسمبر کو اس نے ایک ترکی دستے کو شکست دیکر عدن پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ لیکن یہ اس کی

آخری مہم تھی۔ اس کے تمام ذرائع ختم ہو چکے تھے۔ ۷ار دسمبر کو اس نے یوروپین قونصلوں سے لبنان کو خیرباد کہدینے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے اپیل کی اور ۳۱ر جنوری ۱۸۶۷ء کو وہ بیروت سے جہاز میں بیٹھ کر الجزائر روانہ ہوگیا۔

بغاوت قریم (Crete) (۱۸۶۶ء تا ۱۸۶۹ء)

جزیرۂ قریم میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ یورپ کی انیسویں صدی کی ڈپلومیسی نے جس کی غلطیوں کا کوئی شمار نہیں تھا، یونانی سلطنت کے قیام کے وقت سے قریم کو، لارڈ پالمرسٹن کی تنبیہ کے باوجود، جس نے ۱۰ر فروری ۱۸۳۰ء کو صاف طور پر یہ کہدیا تھا کہ "میں یہ پیش بندی کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ اگر قریم کو یونان کے ساتھ ملحق نہیں کیا گیا تو ہمیں اس کے متعلق بہت جلد جنگ کرنی پڑے گی"، ترکی کے حوالے کردیا تھا۔ محمد علی کے نظم ونسق میں قریم میں ہر طرح امن وسکون رہا لیکن ۱۸۴۱ء میں جب اتحاد اربعہ نے اس جزیرے کو ترکوں کے حوالے کردیا تو عیسائیوں نے بغاوت کردی۔ بغاوت کے فرو ہوجانے کے بعد ۱۸۶۱ء تک یہاں کم وبیش امن رہا لیکن اس سال دولت علیہ نے ایک شخص اسماعیل پاشا کو یہاں والی مقرر کیا، جس نے مسلمان اور عیسائی دونوں قوموں کو اپنا دشمن بنالیا۔ قریم کی حالت اب نہایت ردی ہوگئی۔ عثمانی فتح کے بعد یہاں نہ تو کوئی نئی سڑک تعمیر کی گئی تھی اور نہ کسی قدیم سڑک کی مرمت ہوئی تھی، جس کی وجہ سے راستہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دلدل اور پہاڑی ٹیلے ہیں۔ پلوں کا تو تذکرہ ہی کیا ہے۔ لوگوں نے صرف قصے کہانیوں میں ان کا نام سنا تھا۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جب برف پگھلتی تھی تو پانی ہر طرف پھیل جاتا تھا اور تمام رقبہ دلدل کی حیثیت اختیار کرلیتا تھا۔

جن تین بندرگاہوں پر اس جزیرے کی تجارت کا دارومدار تھا۔ ان میں ریت اور کیچڑ جمع ہو گئے تھے۔ محاصل سختی اور غیر دانشمندی کے ساتھ عائد کیے گئے تھے اور ان سے خزانے کو کسی قسم کا نفع پہنچے بغیر محاصل ادا کنندگان کے تباہ ہو جانے کا احتمال تھا۔ عدالتوں میں انصاف نہیں ہوتا تھا اور حاکم وہ لوگ مقرر کیے جاتے تھے جو سب سے زیادہ نذرانہ پیش کریں۔ اسماعیل پاشا نے اس قدر وحشیانہ اور مغرورانہ طریقے کا برتاؤ کیا کہ رعایا کی ناراضی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ مارچ ۱۸۶۶ء کی ابتدائی تاریخوں میں عیسائی نمایندوں نے گری وولکیا کے مقام پر ایک جلسہ منعقد کیا اور والی کے خلاف سلطان کی خدمت میں ایک معروضہ پیش کیا، جس میں اپنی تمام شکایتوں کو توضیح کے ساتھ قلمبند کیا اور جو اصلاحیں وہ چاہتے تھے ان کو بتایا۔ اسماعیل نے جلسوں میں شریک ہونے والے تمام لوگوں کے ساتھ باغیوں کا سا برتاؤ کرنے کی دھمکی دی۔ اس نے جگہ جگہ فوجوں کو متعین کر دیا۔ ام ڈرشی[1] اور مسٹر ڈکسن، فرانس اور انگلستان کے قونصلوں نے ایک طرف تو والی کو اعتدال سے کام لینے پر مائل کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف قریم کے باشندوں کو باغیانہ افعال سے محترز ہونے کا مشورہ دیا۔ لیکن امریکن قونصل اور روس اور ایطالیہ کے نائب قونصلوں نے اس کے برخلاف لوگوں کو کھلم کھلا بغاوت کر دینے پر اکسایا۔ بلکہ موخر الذکر تو قریم کے ایطالیہ کے قبضے میں آجانے کے خواب بھی دیکھنے لگا۔ دیوان کا جواب یکم اگست کو موصول ہوا۔ اس میں سلطنت کی تمام رعایا کی فلاح و بہبود کو پیش نظر رکھ کر عمل پیرا ہونے کے وعدے کیے گئے تھے لیکن سوءِ اتفاق سے یہ وعدے پورے نہیں ہوئے اور عرضی گزاروں کی تشفی نہیں ہوئی۔ اس میں ان لوگوں کو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر کسی اتفاق سے وہ اپنے کو کافی خوشحال اور

---

[1] یونانی اخبارات نے ام ڈرشی پر یہ الزام لگایا کہ اس نے اپنے کو ترکوں کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا۔ یہ ایک اتہام ہے جو جاعت دارانہ احساسات پر مبنی ہے۔ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ ام ڈرشی نے اس بغاوت کے دوران میں اہل قریم کے ساتھ نہایت انسانیت کا برتاؤ کیا اور اس نے حتی الامکان ان کی مدد کی۔

بختیار تصور نہیں کریں گے تو ان کو سخت سزا دی جائے گی۔ اس اعلان کے مشتہر ہونے کے دوسرے روز قریمین کمیٹی نے لوگوں کو جنگ کا اِذن دے دیا اور لڑائی فوراً شروع ہوگئی۔

اس زمانے میں قریم ایک ایسا ملک تھا جس کے چاروں طرف ڈھلواں پہاڑ تھے، جس میں گھنے جنگل چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور جہاں صرف خشک نالے اور ورندوں کے آمد و رفت کے راستے سڑکوں کا کام دیتے تھے، اور اس لئے قزاقانہ جنگ کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور کوئی ملک نہیں ہو سکتا تھا۔ پہاڑوں کے اس سلسلے پر جسے اسفاکیہ کہتے ہیں، اور جس کی اس جزیرے میں سب سے زیادہ بلندی (۲٫۴۰۰) میٹر ہے، ایک ایسی سخت پہاڑی قوم آباد تھی، جو اپنے کو اہل رومہ کی اولاد کہتی تھی۔ اس قوم نے آئندہ ہونے والے فاتحین کی کوششوں کو ہمیشہ درہم برہم کیا تھا۔ اور نہ تو عرب اور نہ اہل بندوقیہ ہی ان اسفاکی باشندوں کو کبھی مغلوب کر سکے تھے۔ ترکوں کو ہمیشہ ان سے لڑنا پڑتا تھا۔ ۱۸۲۱ء، ۱۸۴۱ء اور ۱۸۵۲ء انھیں لوگوں نے بغاوت کی ابتدا کی تھی اور انھیں نے سب کے بعد میں ہتھیار ڈالے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں بھی یہی لوگ تھے جنھوں نے قومی جد و جہد کے لئے نہایت دلیر اور وفا شعار جنگجو مہیا کئے تھے۔ اسلامی دستے جو ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر متفرق سمتوں میں پھیلے ہوئے تھے اور جن پر پہاڑوں میں اچانک حملے کئے جاتے تھے، بے ترتیبی کے ساتھ قنیہ اور قندیہ کی طرف پسپا کر دئے گئے۔ شاہین پاشا کو یوری سس کے مقام پر شکست ہوئی اور الپوگورونو میں اس نے ہتھیار ڈال دئے۔ ایک دوسری ترکی فوج نے سلینو کے مقام پر شکست کھائی بغاوت فرو کرنے کی غرض سے باب عالی نے چالیس ہزار فوج روانہ کی، جس کے ساتھ کے بی نئس آف سنیٹ جیمس اینڈ دی نوٹی لیبرز کی طرف سے تعرض کئے جانے کی بنا پر ایک کمشنر، مصطفےٰ قرتلی پاشا، سابق گورنر قریم بھی تھا، جس کو کامل اختیارات حاصل تھے لیکن باغیوں کے مطالبات میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تھا اور ۲ ستمبر کو ایک فصیح و بلیغ اعلان میں جو اسفاکیہ کا مجریہ تھا، اس جزیرے پر یونان کے قبضے کی منادی کر دی۔

اس واقعے کے دس روز بعد مصطفےٰ پاشا، قانیہ پہنچا اور اس نے اہل قدیم کو ہتھیار ڈال دینے کا حکم دیا۔ لیکن اس حکم کی تعمیل نہ ہوتے دیکھ کر اس نے اس واقعے کو فراموش کر دیا کہ اس کی حیثیت صرف حکم کی ہے اور فوجی مصروفیات کی نگرانی خود اپنے ذمے لے لی۔

اکتوبر کے وسط میں اس نے بارہ ہزار آدمی لے کر اسفاکیہ پر چڑھائی کی۔ یونانی افسر جو اہل قدیم کے ساتھ ترکوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے اور جن میں کرنل کورونیوس، کرنل بنی سرلی، اور میجر سمولی لنسک بھی شامل تھے بے ترتیب جنگ کے طریقے سے بالکل ناواقف تھے۔ ان لوگوں کی صلاح پر باغیوں نے کھلے میدان میں ترکوں کا مقابلہ کیا اور بالآخر وافی کے مقام پر ان کو پسپا کر دیا گیا۔ اپنے ابتدائی منصوبوں کو ترک کر کے، مصطفےٰ پاشا نے نہایت عجلت کے ساتھ ارکادیان پر، جو اس جزیرے کی سب سے زیادہ دولتمند اور اہم خانقاہ تھی اور جہاں نواحی مواضعات کے ایک ہزار عورتیں اور بچے دو سو مسلح آدمیوں کی زیر حفاظت پناہ گزیں تھے، حملہ کر دیا۔ ۱۹ر نومبر کو ترکوں نے یہ حملہ کیا اور دوسرے روز لڑتے بھڑتے خانقاہ کی فصیلوں میں داخل ہو گئے۔ لڑائی چھ گھنٹے تک جاری رہی اور ترکی توپیں، جو خانقاہ کے صحن میں نصب کی گئی تھیں، ہر طرف گولے برسانے لگیں۔ عمارت کا خاص حصہ عین اس وقت منہدم ہوا جبکہ مصطفےٰ پاشا کی فوج خانقاہ میں داخل ہو رہی تھی۔ یونانی اخبارات کا بیان ہے کہ قدیمی عورتوں نے فاتحین کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے، خود ہی باروت میں آگ لگا دی تھی لیکن ترکوں کا یہ بیان ہے کہ دھماکا ایک بمب کے گرنے سے واقع ہوا، جو ترکی فوج نے پھینکا تھا۔ دوسرے لوگوں کا بہرحال یہ بیان ہے کہ ایک مخمور راہب نے یہ شرارت کی تھی۔ اسی خانقاہ میں جتنے لوگ پناہ گزیں تھے وہ سوائے سو عورتوں کے جن کو مصطفےٰ کے سب سے چھوٹے بیٹے صالح پاشا نے بچایا تھا، ہلاک ہو گئے۔ کرنل کورونیوس نے، جو قریب ہی ارکادی کی سطح مرتفع پر فوجیں لئے ہوئے لڑائی کے لئے تیار تھا، خانقاہ کے مدافعین کو مدد پہنچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی اور اس طرح اس مغرور اور خطاکار سپاہی نے جس کو سپہ سالاری کا دعویٰ تھا

اپنی قلعی آپ کھولدی۔

کرنل کورونیوس اور اس کے احباب کے قیاسات وخیالات سے متنفر ہوکر اہل قریم نے پھر بے ترتیب جنگ کا آغاز کردیا۔ حاجی میکالی، کیارٹ، کوراکاز، پٹرو پولاکی، اور زمبراکاکی نہایت دلیر سردار تھے۔ بغاوت کے مرکز لکاسس، مسکلا، کوروو اور دیاکوناکے مواضعات تھے، جو جبل ابیض پر واقع تھے۔ ان کے عقب میں اماکو کی سطح مرتفع تھی، جو دشمن کے لئے بالکل دور دست تھی اور جو باغیوں کے لئے بہترین ملجا و مامن کا کام دیتی تھی۔ مصطفے پاشا نے سب ایک آخری اور فیصلہ کن لڑائی کا تہیہ کیا۔ زمبراکاکی نے نہایت بہادری سے لکاس پر ترکی فوجوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن گولہ باروت کے ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کو پسپا ہونا پڑا۔ اور باغی اماکو کی طرف ہٹ گئے۔ مصطفے پاشا نے اب اسفاکیہ کی طرف پیشقدمی کی لیکن وہاں ان کو شکست ہوئی اور سخت نقصان اٹھاکر تیزی کے ساتھ پسپا ہوجانا پڑا۔ صورت حال کی سنجیدگی سے خائف ہوکر محمد رشدی پاشا وزارت عظمی سے مستعفی ہوگیا (۱۱ر فروری ۱۸۶۷ء)۔

یہ واقعہ ہے کہ نئی وزارت، جس میں علی پاشا وزیر اعظم، فواد پاشا وزیر خارجہ، اور محمد رشدی پاشا وزیر حربیہ تھا، دراصل قدیم وزارت کی ایک جدید صورت تھی۔ علی پاشا سلطنت کا نہایت مشہور مدبر تھا اور اس کی فراست وکیاست نے اسے واقعی اس قابل بنادیا تھا کہ وہ شہرت اور نیکنامی حاصل کرے۔ وہ ۱۸۳۸ء میں لندن میں مصلحت گزار، ۱۸۴۱ء میں سفیر، صدر مجلس تنظیمات، ۱۸۴۶ء میں وزیر اعظم، ۱۸۵۶ء کی پیرس کانفرنس میں ترکی کا وزیر مختار، ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۱ء میں دوبارہ وزیر اعظم اور اس کے بعد وزیر خارجہ رہ چکا تھا۔ وہ نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام کرتا تھا اور کبھی اس نے رشوت لے کر اپنے نام کو بٹہ نہیں لگایا اور یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو ترکی میں اس زمانے میں نادر تھی۔ مصطفے کی جگہ اب عمر پاشا کو مامور کیا گیا، جس نے باغیوں کو اسفاکیہ کے کوہستانی علاقے میں پسپا کرکے چاروں طرف سے محصور کرلینے اور اس طرح ان کے استیصال کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ لیکن یہ تدبیر

فوج کے کافی نہ ہونے اور اس کے ماتحت افسر کی نااہلی کی وجہ سے کارگر نہیں ہو سکی"

لڑائی نے اب نہایت خطرناک صورت اختیار کر لی تھی عمر پاشا نے اس موقع پر وحشیانہ مظالم سے کام لے کر اپنے نام کو بٹہ لگا لیا۔ اس نے اب سردار اکرم کا لقب اختیار کر کے اپنی خونخواری سے گزرے ہوئی زر کی یاد تازہ کر دی، جنھوں نے ویانا کی گلیوں میں، جبکہ وہاں بغاوت پھیلی ہوئی تھی، مجروحین کے جو زخمی ہو ہو کر اپنے مورچوں پر گر پڑے تھے، سر قلم کر دئے تھے اور ہیانو کی تقلید کا حق ادا کر دیا، جس نے عورتوں کے کوڑے لگوائے تھے اور ان کی بے حرمتی کی تھی اور جس کے ساتھ ہمیشہ پھانسی کی ٹکٹکیاں رہا کرتی تھیں۔ مصطفےٰ پاشا نے اپنے بیٹے صالح پاشا کے زیر اثر باغیوں کو ذبح کر کر کے لڑائی کو روکنے کی کوشش کی۔ سب سے بڑا کام جو مصطفےٰ نے کیا وہ یہ تھا کہ لوگوں میں مذہبی تعصب نہیں پھیلنے دیا۔ عمر پاشا نے جزیرے کو ریگستان بنا دیا اور مسلمانوں کو عیسائیوں کے استیصال[1] پر مجبور کیا۔ تمام بستیوں کے پبلک مقامات پر چکنے ڈنڈوں کے بھیس میں قاپوق نصب تھے، جن پر باغیوں کے کان اور ناک کاٹ کاٹ کر کیلوں سے ٹھونک دئے گئے تھے۔ مجروحین کو سخت ایذائیں دے کر قتل کر دیا جاتا تھا۔ باغیوں کے اہل وعیال کو تیل میں زندہ جلایا جاتا تھا اور ان کے مکانات کو انسان کا گوشت پکانے کے لئے تندور بنا دیا جاتا تھا۔ فرانسیسی قونصل نے اپنی حکومت کو ان واقعات کے متعلق یہ الفاظ لکھے تھے کہ: "ترکوں کی کمزوری نے غیظ وغضب کی صورت اختیار کر لی اور پھر یہ غیظ وغضب استیصال کے جذبے سے بدل گیا"۔ انگلستان، فرانس، اور روس کے قونصلوں نے اپنی اپنی حکومتوں کو اطلاع دی کہ:-

---

[1] یہ ایک صریح الزام ہے جو اس کتاب کے متعصب عیسائی مصنف نے عمر پاشا پر لگایا ہے۔ تاریخ کا جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ مسلمانوں نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ عیسائی یا دوسری قوموں کا کامل طور پر استیصال کر دیں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں نے اکثر خونریزیوں سے کام لیا مگر وہ ایک وقتی بات تھی جو ان کی دانست میں اس وقت کے لئے موزوں اور مناسب تھی۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کا نام دنیا سے مٹا دیا جائے، اور صرف ایک شخص، گلیڈسٹون کی جدوجہد اس کا کافی ثبوت ہے۔ مترجم

"عورتوں اور بچوں کے قتل نے جزیرے میں خوف پھیلا دیا ہے حکومت بغاوت کو فرو نہیں کر سکی ہے اور نہ ان مظالم کا سد باب ہو سکا ہے۔ انسانیت کا شدید تقاضا یہ ہے کہ یا تو لڑائی کو روک دیا جائے یا عورتوں اور بچوں کو یونان منتقل کر دیا جائے"۔ (۱۴ اگست) فواد پاشا نے ان اطلاعوں کے خلاف یہ بیان کیا ہے کہ قونصلوں نے جھوٹی اطلاعیں دی ہیں۔ انگلستان نے بظاہر فواد پاشا کے قول کو تسلیم کر لیا[1]۔ اور انگریزی قونصل کو یہ احکام مل گئے کہ عمر پاشا کے معاملات میں دست انداز نہ ہو۔ رایل نیوی کے کپتان پین کی، جس نے اپنے جہاز پر ایک ہزار عورتوں، بچوں اور بوڑھے آدمیوں کو جن پر عثمانی کروزر برابر شیل برسا رہے تھے[2]، سوار کر لیا تھا، بہت کچھ سرزنش کی گئی۔ خوش قسمتی سے فرانس اور روس نے خلق دوست[3] انگلستان کی تقلید نہیں کی اور اگست کے اختتام تک فرانسیسی اور روسی جہازوں نے تیرہ ہزار آدمیوں کی جانیں بچالیں[4]۔

انگلستان اور آسٹریا کے علاوہ دوسری طاقتوں کے ایما پر قریم میں ایک عثمانی وزیر مختار کو باغیوں کے ساتھ گفت و شنید کرنے کی غرض سے بھیجنے کا بالآخر سلطان نے حکم دے دیا۔ علی پاشا اس معاملے کو کسی دوسرے شخص پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور اس لئے وہ خود قریم کو گیا۔ (۴ اکتوبر ۱۸۶۷ء) اس نے سب سے اول خاص خاص سرداروں کو ملانے کی کوشش کی اور اس غرض کے حصول کے لئے اس نے تمغے

---

[1] انگلستان جیسے ملک کا اپنے قونصل کے مقابلے میں ایک ترک کے قول پر اعتبار کر لینا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ جن مظالم کا اسقدر گلا پھاڑ پھاڑ کر راگ گایا جاتا ہے وہ فرضی اور محض بے بنیاد ہیں۔ مترجم

[2] ترکی جہازوں نے، جن پر فرانسیسی اور روسی جھنڈے اُڑتے ہوتے تھے، کئی مرتبہ کنارے کے نزدیک آ آ کر پناہ گیرندوں پر گولہ باری کی۔

[3] مصنف پر تعصب کا جذبہ اسقدر حاوی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی ایک ہم مذہب و ہم قوم طاقت پر بھی جس کو دنیا جانتی ہے کہ ترکوں سے ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے صرف اس لئے حملہ کرتا ہے کہ اس نے روس اور فرانس کی طرح اس موقع پر ترکوں کے معاملات میں دست اندازی نہیں کی اور انصاف سے کام لیا۔ مترجم

[4] یہ الفاظ دیگر ترکوں کے خلاف باغیوں کی ہمت افزائی کی اور خوب خوب مدد پہنچائی۔ (مدعنا)

خطابات، روپیہ پیسہ غرض کسی چیز سے دریغ نہیں کیا۔ اگر ترکی اخبار، مخبر پر اعتماد کیا جاسکتا ہے[ا] تو پھر یہ باور کر لینا چاہئے کہ علی اس سے زیادہ زبردست ذرائع استعمال کرنے میں بھی نہیں جھجکتا۔ اور جن سرداروں کو وہ توڑ نہیں سکا تھا ان کو قتل کرنے کی کوشش سے بھی اس کو کوئی دریغ نہیں ہوتا۔ علی پاشا کی تمام زندگی اس تہمت کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتی ہے۔ بغاوت کے متعلق بہرحال کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ وزیر نے بالآخر پریشان ہو کر عمر پاشا سے اس کے متعلق مشورہ کیا اور اس نے یہ جواب دیا، جو ایک حد تک صحیح بھی ہے، کہ جنگی بیڑے کے نقائص اور دفتری حکومت کے ناقص اثرات نے جنگی مصروفیتوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر جزیرے کی ناکہ بندی موثر ہوتی تو باغی فاقہ مر جاتے۔ ترکوں کے پاس جہازوں کی صورت کی جتنی چیزیں تھیں جا بجا وہ سب قریبین سواحل پر بھیج دیتے لیکن اس کا کیا علاج تھا کہ یونان کے بحری قزاق، ہین ہیلے مان، جس کا امیر البحر کپتان سٹورمیلس تھا، اور کپتان کورین تس کے "ارکادی" اور "انوسسں" نامی جہازات ہر ہفتہ باغیوں کو ہتھیار اور گولہ باروت تقسیم کرتے تھے۔ ترکی افسر اپنے دلوں کو خوش کرنے کے لئے یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان باغیوں کا طرفدار اور حامی ہے۔ ترکی بیڑے کا امیر البحر ہوبرٹ پاشا تھا، جو پہلے انگریزی بیڑے کا بحری لفٹنٹ رہ چکا تھا اور جس نے امریکہ کی جنگ اعتزال میں جنوب کی طرف بہت کچھ نام پیدا کیا تھا۔ یہ شخص لڑائیوں میں اعتدال سے کام لیتا تھا اور یہ صحیح ہے کہ اس کا اسلوب جنگ نہایت ہی عجیب تھا۔ ترکی افسر ہر روز ساحل کے اس حصے کی اچھی طرح چھان بین کرتے تھے جو ان کی نگرانی میں تھا۔ لیکن یہ چھان بین روزانہ ایک ہی وقت معینہ پر عمل میں لائی جاتی تھی گویا یہ بھی روزانہ قواعد کا ایک جزو تھا۔ جب دشمنوں کے آنے کا وقت ہوتا تھا تو عثمانی جہاز اپنی بندرگاہوں کو واپس چلے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں محاصرین کی نگاہوں سے بچ جانا بہت آسان تھا خصوصاً تنگ آبناؤں میں جہاں ترکوں کے وزنی کروزر تھا تب

[ا] مخبر پر تو نہیں البتہ ریوٹر اور فرانسیسی اخبارات پر ضرور اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

نہیں کر سکتے تھے۔ ترک صرف ارکادی، جہاز کو تباہ کر سکے مگر یہ کوئی ایسا زبردست جہاز نہیں تھا۔ ترکوں کے ایک مسلح جہاز، ایک آہن پوش اور ایک رہبر کشتی (Advice-boat) نے اس دوسطولی جہاز کو، جس پر پچیس ۲۵ آدمی سوار تھے۔ یونانی سمندر میں گھیر لیا لیکن یہ کسی طرح بچ بچا کر بھاگ نکلا۔ اس کے امیر الغراب، کپتان کورین لٹس نے ترکوں کی رہبر کشتی کو گرفتار کر لینا چاہا لیکن ناکام رہا اور ترکوں کے مسلح جہاز سے خائف ہو کر اس نے ارکادی، کو کیپ کریو کے قریب زمین پر چڑھا دیا۔ اور پھر اپنے جہازی عملے کو صحیح سلامت کنارے پر اتار کر جہاز میں آگ لگادی۔ عمر پاشا نے بالآخر تنگ آکر استعفا پیش کر دیا اور اس کی جگہ حسین اوانی پاشا کا تقرر کیا گیا۔ ۱۸۶۸ء کے آغاز میں علی پاشا استنبول کو واپس آگیا جہاں یونان کے طرز عمل کی بنا پر اس کی موجودگی کی ضرورت تھی۔

قریم کی بغاوت نے فطرۃً یونان میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اثینا میں بہت سی کمیٹیاں قائم ہو گئی تھیں اور انھوں نے روپیہ فراہم کر کے رضاکاروں کی ایک فوج کو قندیہ کو روانہ ہو جانے کے لئے آراستہ کر دیا تھا۔ کمون ڈوروز کی کابینہ نے تمام تیاریاں تکمیل کر لیں تھیں اور فوج کو لڑائی کے قابل بنا دیا تھا لیکن شاہ یونان کو اس معاملے میں اپنی طرح دلچسپی نہ لیتے دیکھ کر وہ مستعفی ہو گیا۔ (دسمبر ۱۸۶۷ء)۔ جماعت حربیہ کو بہر حال اکثریت حاصل تھی۔ اور ترکی کے ساتھ یونان کے سیاسی تعلقات بہت جلد منقطع ہونے والے تھے (۳۰ اپریل ۱۸۶۸ء)۔ انگلستان اور فرانس نے یونان کو اپنے ارادے سے باز رکھا لیکن ام کمون ڈوروز کے از سر نو برسر اقتدار ہو جانے پر اس صورت حال نے نہایت شدید نوعیت اختیار کر لی۔ رضاکاروں کی فوج دن دہاڑے پھریرے اڑاتی ہوئی قریم کو روانہ ہو گئی۔ ترکی سفیر کی اسی کے سفارت خانے میں توہین کی گئی اور ام کمون ڈوروز نے بالآخر ایوان میں یہ اعلان کر دیا کہ پبلک قریم کے یونان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ کر رہی ہے۔ باب عالی نے اپنے سفیر کو واپس بلا لیا (۲ر ستمبر ۱۸۶۸ء)۔ یونان نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جنگ کی تیاری کی جانے لگی۔ قریم کے یونانی الاصل باشندوں کے ساتھ یوروپین حکومتوں کو کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ انگلستان، آسٹریا، اور پروشیا نے ان کے خلاف جنگ کا حکم دیدیا۔

فرانس، جس نے پہلے بظاہر ان لوگوں کی اس وقت طرفداری کی تھی جبکہ نپولین ثالث نے جنرل کلرگس سے نہایت لمبے چوڑے اور غلط وعدے لئے تھے، اب ترکوں کا طرفدار ہو گیا۔ دول نے ایک ایسی جنگ کا انسداد کرنے کے لئے، جو ترکوں کے خلاف تمام عیسائیوں کو برانگیختہ کر دیتی، اس معاملے میں مداخلت کی۔ پیرس میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں یونان کو صرف حق مشاورت عطا کیا گیا تھا۔ اس کانفرنس نے یونان کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ قریم کی خود مختاری کے آخری مدافعین کی بربادی اور تباہی کو چپکا بیٹھا دیکھتا رہے اور انگلی بھی نہ اٹھا سکے۔ (جنوری و فروری ۱۸۶۹ء)۔ اہل قندیہ، جن کے پاس نہ بندوقیں تھیں اور نہ کافی گولہ بارود و سامان خوردونوش، ترکوں کی زبردست فوجوں کے، جو ان کے خلاف بھیجی گئی تھیں، مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ اضلاع اسفاکیہ اور اپوکوروئو کے علاوہ، جہاں پٹرو پولاکی اور زمبراکاکی نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا، جزیرے میں ہر طرف جنگ موقوف ہو گئی، ترکوں نے بہر حال بہت سی قربانیوں کے بعد پیشقدمی کی تھی۔ اور جب بغاوت فرو کر دی گئی تب بھی باشندگان قریم کو ایک قسم کی نہایت نمایاں فتح حاصل ہوئی۔ اس جزیرے کے لئے ایک خاص دستور قائم کیا گیا جس کی وجہ سے یہ لبنان اور شامس کے بعد سلطنت کا ایک ایسا صوبہ بن گیا جس کو بہت زیادہ حقوق و مراعات حاصل تھیں ۔

علی پاشا کا نظم و نسق۔ نہر سویز ۱۸۶۹ء۔ لندن کانفرنس ۱۸۷۱ء

علی پاشا کا نظام العمل اس خواہش پر مبنی تھا کہ محمود نے جو مطمح نظر قائم کیا تھا۔ اس کو پورا کر دیا جائے۔ لیکن عبدالعزیز کی بدگمانیوں اور خود رائیوں نے اس کو قریب قریب ناممکن بنا دیا۔ اس کے دل میں اس خیال نے اچھی طرح جگہ کر لی تھی کہ

وہ قادر مطلق ہے اور اس لئے یہ بات اس کے قیاس میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ اس کی رعایا کو بھی یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ اس غیر محدود طاقت کو جو خدا کی طرف سے اسے عطا کی گئی تھی، محدود کردے۔ اس کی دانست میں دنیا سے مفہوم صرف اللہ، رسول اور بادشاہ تھا۔ علی پاشا بہر حال اپنی چالاکی اور استقلال سے سلطان پر حاوی ہو گیا اور اگر وہ اپنی تمام خواہشات کو جو اس کے دل میں پنہاں تھیں پورا نہیں کر سکا تو اس نے کم سے کم یہ ضرور کر لیا کہ سلطنت کو ایک صحیح راستے پر ڈال دیا اور ملک کے اصلی ذرائع میں بہت کچھ ترقی کر لی۔ ان تدابیر کو اختیار کر کے جو اگلے وزرا کے خیال میں تھیں، اس نے وقوف کو دنیوی قانون کے تحت کر دیا۔ ملک کی اراضیات اور معاند وقوف کی روستائی جائدادوں کے متعلق حق وراثت کو تسلیم کر لیا گیا۔ سلطنت کے ہر حصے میں اجانب کو اس بات کی اجازت مل گئی کہ وہ جہاں چاہیں حقیقی معنیٰ میں جاگیریں[1] حاصل کریں اور ارضی جائداد[2] کے مالک بن جائیں۔ ایک کونسل آف اسٹیٹ جو مسلمانوں اور عیسائیوں پر مشتمل تھی قائم کر دی گئی۔ اس کونسل کے افتتاح نے سلطان کو یہ اعلان کر دینے کا موقع دیدیا کہ اس کی تمام رعایا بلالحاظ مذہب قانون کی نظروں میں ایک حیثیت رکھتی ہے اور یہ کہ عیسائی بھی تمام خدمات پر بشمول خدمت وزارت، مامور ہو سکیں گے۔ (جون ۱۸۶۸ء) وزیر اعظم نے امور داخلی کے متعلق جو کام کئے وہ وزارت داخلہ کا قیام، جس کے ذمے تمام سول ملازمین کے تقررات تھے، عدالتوں کی تشکیل جدید (اپریل ۱۸۶۹ء)، اوزان و پیمانہ جات میں اعشاری طریقے کو پرانے طریقے کے ساتھ ساتھ رائج کرنے کا اختیار (۲۰ جنوری ۱۸۷۰ء) تھا۔ خارجی امور کے متعلق علی پاشا نے اس امر کی کوشش کی کہ یورپ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے قلعوں کی تحویل کے طریقے کو مسدود کر دینے اور باجگذار ریاستوں کو (جو خود مختاری کی طرف روز بروز مائل ہو رہی تھیں) عثمانی سلطنت کے مطیع رکھنے کی کوشش بھی جاری رکھی۔ سربیہ اور رومیہ نے مین سلیوسٹ ایجنٹس کے ذریعے سے بلغاریہ میں فساد پیدا کر دیا۔ بلغاری تارکان وطن رومیہ کے علاقے میں جمع ہو گئے

[1] Estates

[2] Landed property

اور سمنستوہ کے مقام پر دریائے طونہ کو عبور کرنا چاہا (۱۸ جولائی ۱۸۶۸ء) رومیہ کا وزیر اعظم، اہم، جے برے ٹیانو، ایک طرف تو بلغاری وطن دوستوں کے افعال کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا اور دوسری طرف اس نے ایوان سے یہ ووٹ دلوادیا کہ صلح کے زمانے میں ستاسی ہزار فوج تیار رکھی جائے اور لڑائی کے زمانے میں ایک لاکھ چوہتر ہزار۔ اس نئے قانون کے خلاف ترکی کے اعتراضات پر کوئی اعتنا نہیں کیا گیا۔ برے ٹیانو نے رومیائی فوج کی فوری تنظیم پر اصرار کیا اور پرنس چارلس نے، جس کو فرانس اور پروشیا سے امداد ملنے کا کامل یقین تھا، خود مختارانہ طرزِ عمل اختیار کرلیا۔ صرف عیسائی ریاستوں ہی نے ترکوں کی حکومت سے نکل جانے کی کوشش نہیں کی بلکہ مصر کا والیسرائے بھی اپنے بادشاہ کی مالی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر نقد روپے کے معاوضے میں روزانہ نئے نئے اختیارات حاصل کرنے لگا۔ ۱۸۶۷ء میں اس کو خدیو کا خطاب تقریباً تمام شاہی اختیارات کے ساتھ عطا کردیا گیا دوسرے سال ایک شاہی فرمان کے ذریعے سے مصطفےٰ افضل پاشا اور حلیم پاشا کی توقعات کے خلاف خدیو مصر، اسماعیل پاشا، کے بڑے بیٹے کو خدیو تسلیم کرلیا گیا۔ خدیو مصر نے اب قرضے حاصل کرکے آہن پوش جہاز خرید لئے اور خود اپنی طرف سے دول کو نہر سویز کے افتتاح کے لئے مدعو کیا۔ ان افعال کی بنا پر استنبول اور قاہرہ میں گفت وشنید شروع ہوگئی اور ۲۴ راگست ۱۸۶۹ء کو علی پاشا نے خدیو کے نام یہ حکم بھیجا کہ بری فوج میں تخفیف کردی جائے اور ہر سال موازنہ جمع وخرچ باب عالی کو روانہ کیا جائے، ساتھ ہی اس کو یہ تنبیہ بھی کردی گئی کہ آیندہ قرضہ نہ لیا جائے اور قبل از قبل سلطان کی منظوری کے بغیر کوئی سیاسی معاہدے مرتب نہ کئے جائیں۔ اسماعیل پاشا نے مقاومت کرنی چاہی لیکن انگلستان اور فرانس نے اس کو ان احکام کے تسلیم کرلینے پر مجبور کردیا (۱۲ دسمبر ۱۸۶۹ء)۔

اسی سال ایک نہایت عظیم الشان کام، یعنی نہر سویز کی تکمیل عمل میں لائی گئی، جو تمام دنیا کی تجارت کے لئے بہت زیادہ اہم تھی۔ قدیم زمانے سے یہاں ایک ایسی نہر موجود تھی جو بحرِ احمر کو دریائے نیل کی پیلوسیاک شاخ سے ملاتی تھی۔ سمیطیقوس کے باپ نکوس نے ابتداءً اس کام کا آغاز کیا تھا جو دارا ئے اول کے زمانے میں ختم ہوا تھا۔ سیسل کے دیودوروس کے بیان کے مطابق نہر تولمی ثانی لگیڈیز (Ptolemy II Lagides) کے زمانے ہی میں ختم ہوگئی ہوتی۔ مصری حکومت کی لے پروائی کی وجہ سے اس میں ریت اور کیچڑ جمع ہوگئی تھی مگر رومہ والوں نے اس کو از سرِ نو قائم کردیا۔ عربوں کے زمانے میں بھی یہ نہر جہاز رانی کے قابل تھی

مگر خلیفہ ابوجعفر المنصور نے اس کو اس خیال سے پٹوا دیا تھا کہ مدینہ منورہ کو جہاں محمد بن علی الطیب کی سرگرمیاں اس کے خلاف علم بلند کر دیا گیا تھا، یورپ سے مدد نہ مل سکے (۱۷۷۳ء) مصطفیٰ ثالث نے بھی اس نہر کی تکمیل کا ارادہ کیا تھا اور بیرن ڈی ٹاٹ کو اس کام کے لئے مقرر بھی کر دیا گیا تھا لیکن اس کی موت نے اس کے خیالات کو پورا نہیں ہونے دیا۔ بوناپارٹ نے بھی جب وہ مصر میں کچھ دیر کے لئے جہاز سے اترا تھا، انجنیروں اور ماہرین فن کا ایک کمیشن یہ معلوم کرنے کے لئے قائم کیا تھا کہ آیا دونوں سمندروں کی آمدورفت کا دوبارہ قیام ممکن ہے۔ کمیشن نے اس کا جواب اثبات میں دیا تھا لیکن بوناپارٹ کو کسی دوسرے کام میں مشغول ہونے کی فرصت نہیں تھی۔ اپنی روانگی کے وقت اس نے کمیشن کے رپورٹر کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے تھے کہ:۔ "یہ ایک عظیم الشان کام ہے میں اس کو فی الحال انجام نہیں دے سکوں گا لیکن ممکن ہے کہ ترکی حکومت کبھی یہ محسوس کرے کہ اس کی بقا اور عظمت اسی تجویز میں ہے۔"

دونوں سمندروں کا حقیقی اتصال کسی داخلی نہر پر مشتمل نہیں تھا بلکہ خاکنائے کو کاٹنے کی ضرورت تھی تاکہ جہاز اپنا سامان اتارے بغیر ادھر سے ادھر جا سکیں۔ سویز پر پیلوسا کا نشیب ہی جو بٹر لیکس کو بند کرتا ہے، ایک ایسا قدرتی راستہ تھا جہاں سے ایک ایسا سیدھا خط قائم کیا جا سکتا تھا، جس پر تمام دنیا کے تجارتی اور ترکی اور مصر کے سیاسی مفادات کا انحصار تھا۔ ایک غلط خیال نے، جو قدیم زمانے سے چلا آتا تھا، اس خط مستقیم کے قیام کو اس لئے ناممکن العمل قرار دے دیا کہ دونوں سمندروں کی سطح مختلف تھی۔ اس غلطی نے ۱۷۹۹ء کی سائنٹفک سوسائٹی کی تحقیقات کے بعد سے ایک حد تک صداقت کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اس سوسائٹی نے بحر احمر کے لئے (۹) میٹر (۹۰) کی بلندی کو ضروری تصور کیا تھا اور لیپ لیس ہی صرف ایک ایسا شخص تھا جو اس قسم کے نشیب کے امکان کو تسلیم کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ۱۸۴۰ء میں انگریزی افسروں نے بیان کیا کہ یہ اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور ۱۸۴۷ء میں فرانسیسی انجنیروں کے ایک کمیشن نے، جس کو ام ٹالبوٹ نے روانہ کیا تھا اور جس کا ناظم ام بورڈے لودی تھا اس کو بالکل ثابت کر دیا اور اب کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ فرانسیسیوں کے ۱۸۵۳ء کے تجربوں نے جو ایلسپرائے، ام لی نانٹ ڈی بیلی فونڈس کے چیف انجنیر نے کئے تھے ابتدائی مشاہدات کی مزید تصدیق کر دی۔ ۲۰ نومبر ۱۸۵۴ء کو وائسرائے

محمد سعید پاشا نے ام ڈی لی سے پس کے نام ایک فرمان نافذ کیا جس میں خاکنائے کا نٹنے اور ایک ایسا راستہ بنانے کی غرض سے جو جہاز رانی کے قابل ہو۔ جماعت عمومی کے قیام کا اس کو مجاز گردانا گیا تھا۔ ام ڈی لی سے پس ایک عرصہ دراز تک اس تجویز کے متعلق نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ کام کر چکا تھا۔ یہ رعایت نہر کے افتتاح کے بعد سے (۹۹) سال کے لئے عطا کی گئی تھی۔ اس جماعت کو دریائے نیل کو راہ مستقیم کے ساتھ، ایک قابل جہاز رانی راستہ کے ذریعے سے ملا دینے کا مجاز قرار دیدیا گیا تھا اور حکومت مصر نے اس کمپنی کو ایسی زمینیں جن پر اب تک زراعت نہیں ہوئی تھی، کمپنی کے اخراجات سے کاشت کئے جانے کی غرض سے عطا کر دی تھیں۔ یہ معاہدہ سلطان کی منظوری کے لئے پیش کئے جانے والا تھا اور کام شروع کرنے سے پہلے باب عالی کی اجازت لازمی تھی۔

اس کام نے ابتدا ہی سے برطانیہ میں کچھ شکوک پیدا کر دئے تھے۔ چنانچہ اس نے باب عالی کو فرضی خطروں کی دھمکیاں دنیا اور سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی پیش بندیاں کرنی شروع کر دیں۔ لیکن ترکی کو اس نہر کی کامیابی سے خاصی دلچسپی تھی۔ ام ڈی لی سے پس نے اس موقعے پر یہ تحریر پیش کی کہ:۔ خلفاء کے ورثا، سلاطین کی طاقت ایک ہی وقت میں سیاسی طاقت بھی ہے اور اعلیٰ امامت بھی۔ سلطان اعظم ایک عظیم الشان امیر اور مذہب اسلام کے محافظ ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ ان تمام مقبوضات کے شہنشاہ بھی ہیں، جن پر ان کی سلطنت مشتمل ہے۔ کوئی شخص اس اہمیت سے ناواقف نہیں ہے جو مسلمانوں کی نظروں میں مقامات مقدسہ پر اسلامی قبضے کی ہے۔ اور جس کو وہ سلطان کی روحانی قوت کی ایک ضروری شرط تصور کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ہر شخص ترکی اور عرب کے مابین آمد و رفت کی مشکلات اور سست رفتاری اور ان عظیم الشان قطعات سے بھی واقف ہے جو فوجوں کو اس ضروری تفوق کو برقرار رکھنے کے لئے عبور کرنے پڑتے ہیں۔ نہر سویز کا افتتاح ان تمام رکاوٹوں کو ناپید کر دے گا۔ قسطنطنیہ سے عربی سواحل تک صرف چند دن کی مساحت کا فاصلہ باقی رہ جائے گا۔ ایک ایسا بحری راستہ، جو ہمیشہ قابل استعمال ہوگا اور جس پر سفر کرنے میں سہولت ہوگی، تمام واقعات و حادثات کا قبل از قبل انسداد کر سکے گا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے مذہبی امکنہ مقدسہ کو امام شہنشاہ کی راست نگرانی میں لے آئے گا"[۱]

[۱] De Lesseps: "Egypt & Turkey

باب عالی نے بہرحال، انگلستان کی تجویزوں کو منظور کرکے، کام بند کردینے کا حکم دیدیا (۱۹ ستمبر ۱۸۵۹ء)۔ مگر کمپنی نے یہ بہانہ کرکے کہ یہ صرف ایک ابتدائی مطالبات کا سوال ہے، عثمانی حکومت کے امتناعی احکام کو نظر انداز کردیا اور ٹوری لیبرلز کی کابینہ نے اس معاملے میں دخل اندازی کرکے اس مسئلہ کی حیثیت سیاسی قرار دیدی۔ مصر میں اسماعیل پاشا کے ورود سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ ام ڈی لی سیپس کا کام بالکل بند ہوجائے گا۔ اس نئے والسرائے نے معمولی معمولی باتوں میں مزاحمت کرکے کمپنی کے کاروبار میں حارج ہونے کی کوشش کی۔ اپنے پیشرو سعید پاشا کے طرز عمل کے خلاف، جو مصر کو باب عالی کے اقتدار سے خارج کرلینے کا ہمیشہ طرفدار رہا، اسماعیل پاشا نے جو یہ کوشش کررہا تھا کہ سلطان کو کسی طرح راضی کرکے اپنی حکومت اپنے بیٹے پر منتقل کرائے، عثمانی حکومت کے فیصلے کو سویز کے متعلق قطعی قرار دے دیا۔ فواد پاشا نے، جو بالکل انگلستان کے اثر میں تھا، ام لی سیپس اور سویز کینال کمپنی کی طرف سے اپنے برے خیالات کا صاف صاف اظہار کردیا۔ فواد کے حکم پر علی پاشا نے ۶ راپریل ۱۸۶۳ء کو حسب ذیل مراسلت اس بیان کے ساتھ کہ دولت علیہ اس پر رضامند نہیں ہوسکتی، انگلستان اور فرانس کے نام روانہ کی:-

(۱) کسی بین قومی عہد و پیمان کے بغیر۔ باسفورس اور دار دانال کی طرح نہر کی غیر جنبہ داری کی کفالت کی جائے گی۔

(۲) ان اہم مفادات کی حفاظت کی جائے گی جن کی حفاظت اس کے سپرد کی جائے گی۔

اس کے بعد اس یادداشت میں تحریر کیا گیا تھا کہ اصلی پلان (Plan) نے ترکوں کے سامنے ان مدعوہ کفالتوں کے منجملہ ایک کفایت بھی پیش نہیں کی ہے۔ اس کام میں ساٹھ ہزار آدمیوں سے جبریہ محنت لی جاتی ہے۔ باب عالی نے اس طریقے کو سلطنت میں ہر جگہ ممنوع قرار دے دیا ہے اور اس لئے مصر میں اس کو جائز نہیں رکھا جاسکتا۔ اس کے علاوہ میٹھے پانی کی نہر کے اردگرد رعایتی زمینوں کے عطا کئے جانے سے سویز، تمسح اور بندر سعید میں اور شام کی سرحدوں پر خودمختار نوآبادیات قائم ہوجائیں گی۔ منظوری کو نہر کی غیر جنبہ داری کے عہد و پیماں، جبریہ محنت کے انعدام، اور کمپنی کے اس فقرے کو منسوخ کردینے کا جو میٹھے پانی کی نہر اور اس کی

ملحقہ اراضیات سے متعلق تھا" ماتحت قرار دیا گیا تھا۔
دولت عثمانیہ کے خیالات پنہاں آخری فقروں سے واضح ہو سکتے ہیں:۔ ایسی صورت میں کہ کمپنی کو یہ شرطیں منظور نہ ہوں اس کو یہ چاہیئے کہ وہ یہ کام اور اراضیات مذکورہ سلطان کے حوالے کردے۔ سلطان ان کے جاری رکھنے کے متعلق خود اپنے وائسرائے کے حسب مشورہ کوئی انتظام کریں گے اور جو روپیہ صرف ہو چکا ہے وہ کمپنی کو ادا کر دیا جائے گا۔
۶ / اپریل کی مجریہ یادداشت کی منظوری کے لئے چھ مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔ اس مدت کے منقضی ہو جانے پر نوبار باشا نئے وائسرائے کی طرف سے مزدوروں کی تعداد کو بیس ہزار سے گھٹا کر چھ ہزار کر دینے اور میٹھے پانی کی ملحقہ اراضیات کی متعلقہ مراعات کی منسوخی کی ام ڈی لی سے پس کو اطلاع دے دی (۱۲ / اکتوبر ۱۸۶۳ء)۔ کمپنی نے اپنے مطالبات کی نہایت شد و مد کے ساتھ پیروی کی اور چونکہ اس قضیئے سے بہت سی اہم پیچیدگیوں کے پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے وائسرائے نے اس مسئلہ کو نپولین ثالث کے سامنے تصفیئے کی غرض سے پیش کرنے کی غرض سے آمادگی ظاہر کی تو بالآخر حکومت مصر اور کمپنی کے مابین ایک معاہدہ طے ہو گیا:۔
(۱) ۲۵ / جولائی کے معاہدے کی بنا پر جو مصروفیتیں عمل میں آئی تھیں ان کی پابندی فریقین معاہدے کے لئے لازمی تھی۔
(۲) باب عالی کے جبریہ محنت کے طریقہ کو مسدود کر دینے کی بنا پر جو نقصان ہوا تھا اس کے معاوضے میں کمپنی کو (۳۸) ملین فرانک کا تاوان ادا کیا گیا۔
(۳) کمپنی کو میٹھے پانی کی نہر جس میں قواد، تمسح، اور سوئز شامل تھے وائسرائے کو دے دینا پڑا لیکن رعایت کے زمانے میں اس کو استعمال کرنے کے تمام و کمال حقوق اس کو حاصل رہے۔ کمپنی پر خود ہی تمام کاموں کی تکمیل کی پابندی عائد کی گئی اور حکومت مصر دس ملین کا معاوضہ ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔
(۴) کمپنی کو ابتداءً جو زمین دی گئی تھی اس کو گھٹا کر بحری نہر کے لئے دس ہزار دسو چونسٹھ اور میٹھے پانی کی نہر کے لئے نو ہزار ہک ٹیئر[1] کر دیا گیا۔ چھ ہزار ہک ٹیئر کے معاوضے میں جن سے

---

[1] ایک ہک ٹیئر (۲،۴۷۱) ایکڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (مترجم)

کمپنی دست بردار ہوگئی تھی، تیس ملین فرانک کا تاوان کمپنی کو ادا کرنے کا تصفیہ ہوا۔ واپسی کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ وائسرائے سولہ قسطوں میں ان کو ادا کرے اور یہ کہ آخری قسط یکم نومبر ۱۸۶۹ء کو ادا کی جائے۔ (۶ جولائی ۱۸۶۴ء)

اگرچہ باب عالی نے جو شرائط پیش کی تھیں، ان کی تکمیل ہو چکی تھی لیکن فواد پاشا نے اس کے باوجود، انگریزی سفیر کے اصرار پر سلطان المعظم سے نپولین ثالث کے نام ایک تحریر بھجوائی جس میں اس سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا ایک کمیشن یہ دریافت کرنے کے لئے روانہ کیا جائے کہ کمپنی کو فی الحقیقت کس قدر زمین کی ضرورت ہے۔ لیکن اس مراسلہ کا جیسا چاہئے تھا اثر نہیں ہوا اور فواد پاشا کی مخالفت کے باوجود حکومت مصر اور کمپنی کے مابین ایک معاہدہ منعقد ہو گیا (۳۰ جنوری ۱۸۶۶ء) جس کی بنا پر تمام مشکلات خود بخود دور ہو گئیں۔ عام معاہدے کو، جو اس کے ایک مہینے کے بعد مرتب ہوا تھا۔ بالآخر باب عالی نے بھی منظور کر لیا۔ کام نہایت عجلت کے ساتھ شروع کر دیا گیا اور نومبر ۱۸۶۹ء میں نہر سوئیز کا دنیا کے بہت سے تاجداروں اور بہت سے سربرآوردہ سائنس داں اور عالم و فاضل افراد کے سامنے افتتاح ہو گیا۔ سلطان اپنے باجگذار سے ناراض ہو گیا تھا اور اس لئے وہ اپنے دار الخلافہ ہی میں مقیم رہا لیکن جو بادشاہ اس موقعے پر اس سے ملنے آئے تھے، ان کا نہایت شاندار خیر مقدم اور نہایت وسیع اور عظیم الشان پیمانے پر ضیافت کر کے اس نے اپنے دل کا ارمان نکال لیا۔

۱۸۷۰ء و ۱۸۷۱ء کی جنگ فرانس و جرمنی کا غیر متوقع طور پر ترکی پر اثر پڑا تھا۔ جرمنی کی امداد کے بل بوتے پر روس نے اعلان کر دیا کہ وہ بحر اسود کو غیر جانب دار تصور نہیں کرتا ہے اور یہ کہ متحدین نے معاہدہ پیرس کی رو سے جو پابندیاں اس پر عائد کی ہیں وہ ان پر عمل پیرا نہیں ہونا چاہتا (۳۱ اکتوبر ۱۸۷۰ء) لندن کانفرنس نے باب عالی کے احتجاج کے باوجود روس کے مطالبات کی اعانت کی (۱۸ مئی ۱۸۷۱ء)۔ اس کے کچھ مہینے بعد ترکی کو، جو اپنے ایک جلیل القدر وزیر حربیہ، عمر پاشا کا ماتم کر چکی تھی، اپنے بہترین مدبر علی پاشا کا سوگ کرنا پڑا۔ ستمبر کے مہینے میں علی پاشا سپرد خاک کر دیا گیا، جہاں اس کا حریف، فواد پاشا پہلے ہی سے ہمیشہ کی نیند سو رہا تھا۔

محمود ندیم پاشا۔ عزیز کی معزولی۔ مراد خامس (۱۸۷۶ء)۔

ترکی کی بدقسمتی کا سب سے بُرا وقت وہ تھا جب کہ محمود ندیم، علی پاشا کا جانشین ہوا۔ عبدالعزیز کو، یوروپین طاقتوں کے ساتھ جس صحیح پالیسی کو برتنے کا خیال تھا وہ درست تھا۔ پروشیا اور آسٹریا کی مشرقی دلبستگیاں انگلستان، فرانس اور روس کے مقابلے میں ناقابل اعتنا تھیں اور اس لئے عبدالعزیز کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ وہ فرانس کو ترکی کا نہایت بے غرض دوست اور اس کے اتحاد کو بالکل ناگزیر تصور کرتا تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اگر فرانس کے ساتھ اتحاد قائم نہیں رہا تو انگلستان ترکی کی اچھی طرح مدد نہیں کرسکے گا۔ روس آل عثمان کا قدیم دشمن تھا۔ لیکن دونوں ملکوں کی فوجوں کا مقابلہ کرنے سے سلطان کو اس امر کا کامل یقین ہوچکا تھا کہ اگر جنگ ہوئی اور ترکی کو تنہا لڑنا پڑا تو ایسی صورت میں ترکی کی تباہی یقینی ہے۔ روس کا جو احترام کیا جاتا تھا اس کی یہی وجہ تھی۔ علی پاشا کی وفات نے محمود ندیم کے دن پھیر دئے۔ اس نے مسکوی طاقت کو مبالغہ سے کام لے کر ترکی طاقت سے بہت زیادہ بڑھا ہوا بتا کر، جنرل اگنٹیف، روسی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ کو سلطان پر اچھی طرح حاوی ہوجانے کا موقعہ دیدیا۔ نہایت ہی عیاری سے کام لے کر اس نے امیرالمومنین کو یہ باور کرادیا کہ روس کی امداد سے تمام دنیا کے سلمان اس کے عصائے شاہی کے زیر سایہ مجتمع و متحد ہوجائیں گے۔ اس نے سلطان کو یہ یقین دلادیا کہ اتحاد سلیویا اتحاد اسلام کا فطری حلیف ہے۔ محمود ندیم نے سلطان کے دماغ پر جو خیال سب سے زیادہ مسلط کیا تھا اس کو مزید تقویت پہنچانے میں بھی کچھ کم چالاکی سے کام نہیں لیا۔ سلطان کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے بڑے بیٹے یوسف عزیز الدین کو اپنا ولی عہد مقرر کرکے وراثت کے قدیم طریقے کو از سرنو جاری کردے۔ عبدالعزیز کے تمام تفکرات میں اس خیال کو سب سے زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اپنے بھتیجوں خصوصاً ولی عہد سلطنت، مراد سے اس کو جو عدوت تھی اس کو چھپانے کے لئے اس نے

کبھی زمانہ سازی یا ظاہرداری سے کام نہیں لیا۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اس نے شہزادہ مراد کے تمام متعلقین کو بغیر کسی وجہ کے محض انسداد کے خیال سے جلاوطن کردیا۔ ۱۸۶۶ء میں فرانسیسی حکومت نے اس امر کا مطالبہ کیا کہ شہزادہ مراد کو اس امر کا حق حاصل ہو کہ وہ عملی طور پر حکمرانی کرنے کا طریقہ سیکھنے کے لئے کچھ عرصے تک پیرس میں قیام کرے، لیکن سلطان نے مراد کو پیرس بھیجنے سے نہایت بدخلقی کے ساتھ انکار کردیا۔ ۱۸۶۷ء میں عبدالعزیز اپنے سفر یورپ میں اپنے بھتیجوں، مراد اور عبدالحمید کو بھی ساتھ لے گیا تھا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کو استنبول میں چھوڑتے ہوئے ڈرتا تھا اور اس لئے خود ہی ان کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

جنرل گنے ٹیف نے سلطان کے منصوبوں کو روبراہ لانے کے لئے اس سے زار کی امداد کا وعدہ کیا۔ جنرل اگنے ٹیف نہایت ہی عاجزانہ اور مودبانہ طریقے پر سلطان سے گفتگو کرتا تھا اور اسی بنا پر سلطان کو اس حد تک اس پر اعتماد ہو گیا تھا کہ ایک دن اس نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ دنیا میں اس کا صرف ایک سچا دوست ہے اور وہ روسی سفیر ہے۔

بہرحال ملک کے داخلی سیاسیات میں بہت کچھ ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ۱۸۷۲ء میں مدحت پاشا نے محمود ندیم کی طاقت کو پامال کردیا۔ دو سال کے عرصے میں تین شخص ایک دوسرے کے بعد وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ یہ لوگ مدحت پاشا، حسین اوانی پاشا اور اسد پاشا تھے۔ محمود ندیم ۲۵ر اگست ۱۸۷۵ء کو دوبارہ وزیر اعظم مقرر کیا گیا اور ۶ر اکتوبر ۱۸۷۵ء کو اس نے سلطنت کے دیوالیہ ہو جانے کا اعلان کردیا۔ محمود ندیم نے سلطنت کا تمام روپیہ حرم پر صرف کردیا۔ اس نے روس کے تمام مطالبات کو تسلیم کرلیا، اور بالآخر ۲۴ر مئی ۱۸۷۶ء کو سفتائیون کے ایک مظاہرے نے اسی کی غیر ہردلعزیزی کے بوجھ سے اس کو کچل ڈالا۔ نئے وزیر اعظم، محمد رشدی پاشا نے سلطان کی معزولی کی تجویز کا نہایت جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ابتداً مدحت پاشا اور حسین اوانی پاشا، وزیر حربیہ نے سلطان کی معزولی کی تجویز کی تھی۔ انگریزی سفیر کی سرپرستی میں، جو روس کے روز افزوں اثرات سے خائف تھا، ایک سازش برپا کی گئی جس نے اصلاح پسند اور ترکان قدیم کی جماعتوں کو متحد کردیا، جس میں مدحت پاشا، حسین اوانی

رویف پاشا، صدر مجلس علیہ حربیہ، محمود داماد پاشا اور نوری پاشا، جو مراد کے نسبتی بھائی تھے۔ اور سلیمان پاشا وغیرہ بھی شریک تھے۔ شیخ الاسلام حسن خیر اللہ نے عبد العزیز کی معزولی کا فتویٰ دے دیا، جو حسب ذیل ہے:۔

سوال :۔ اگر امیر المومنین دانشمندی سے کام نہ لیں اور اگر فرمانروائی کے لئے جس سیاست دانی کی ضرورت ہے، اس سے ناواقف ہوں۔ اگر ان کے ذاتی اخراجات اتنے کثیر ہوں کہ سلطنت ان کا انتظام نہ کر سکے۔ اگر ان کے تخت پر برقرار رہنے سے سنجیدہ نتائج مرتب نہ ہو سکیں تو کیا ایسی صورت میں اُن کو معزول کیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں۔

جواب :۔ قانون شریعت کی رو سے معزول کیا جا سکتا ہے۔

۲۹ اور ۳۰ مئی کی درمیانی شب میں حسین اوانی پاشا، مراد کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوا کہ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ مراد کو لے کر سراسکرت آیا، جہاں تمام اعلیٰ عہدہ دار جو سازش میں شریک تھے، موجود تھے، اور یہاں لا کر اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اسی رات کو پیدل فوج کے ایک دستے نے خشکی کی طرف سے عبد العزیز کے محل کو گھیر لیا مدرسہ حربیہ کے طالب علم اندرونی کمروں پر قابض ہو گئے اور خواجہ سراؤں کے سردار نے سلطان کو آگاہ کر دیا کہ اب اس کی بادشاہی کا دور ختم ہو چکا۔ دو روز کے بعد عبد العزیز نے انتہائے یاس کی حالت میں قینچی سے اپنی رگوں کو کھول کر خود ہی اپنے کو ہلاک کر دیا[1]۔ مراد خامس نے صرف تین مہینے حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی تخت نشینی کی خوشی، اپنے چچا کی المناک موت، اور عزیز کی محبوبہ کے ابن عم اور عاشق، چرکس (Tcherkes) حسن بے کے ہاتھوں حسین اوانی نیز ۲۹ مئی کے انقلاب کے

[1] مدحت پاشا کے مخالفین کا بیان ہے کہ اس نے اپنے منتخب کئے ہوئے سلطان مراد کی تخت نشینی کو زیادہ تیقن کرنے کے لئے عبد العزیز کو قتل کرا دیا تھا۔ ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ جون کو ملتہ کوشک، عبد العزیز کی موت کے متعلق جو تحقیقات کی گئی تھی اس میں شک نہیں کہ اُس میں مدحت اور اس کے شرکا و معاونین پر عبد العزیز کے قتل کا جرم عاید کر دیا گیا تھا مگر یہ فیصلہ حکومت کے ایما پر کیا گیا تھا جو اس مصلح سے جس طرح بھی ہو نجات حاصل کر لینا چاہتی تھی مگر جو صاف طور پر اس پر دست درازی کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس شاہی تحقیقات کے المناک مباحث میں جب یہ امر بھی کسی طرح ثابت نہیں ہو سکا کہ عبد العزیز کو قتل کیا گیا تو پھر مدحت کو کسی صورت سے قتل کا مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بعض دوسرے شرکا، ومعاونین کے قتل نے اس کے دماغ کو کمزور کردیا۔ اگست میں اس کو معزول کردیا گیا اور آل عثمان کا عصائے شاہی، عبدالحمید کے ہاتھ میں آگیا۔ استنبول میں ایک کثیر التعداد جماعت نے ہمیشہ اس سرکاری فیصلے کے خلاف احتجاج کیا ہے اور ہمیشہ یہ باور کرتی رہی ہے کہ مراد کا دماغ بالکل درست تھا اور وہ ہرگز پاگل نہیں ہوا تھا۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ اس کو زہر دیا گیا تھا۔

سلطنت کی بد انتظامیاں آخر رنگ لاکر رہیں:۔ 'بیمار' پر نزع کا عالم تھا۔ باسنہ اور ہرسک میں آگ لگی ہوئی تھی۔ بلغاریہ میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں اور ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے تھے۔ جبل اسود اور سربیہ اُن سلیوین آبادیوں کی جو باب عالی کے قبضے میں تھیں، آزادی کا بزور شمشیر نہایت دلیری کے ساتھ دعوے کر رہے تھے۔ یورپ مخالفانہ انداز میں آیندہ واقعات کا منتظر تھا۔ روس اپنے شکار کو، جس کا وہ مدت سے منتظر تھا، دبوچ بیٹھنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ بالآخر مشرق میں ایک نئی لڑائی چھڑ گئی جو آیندہ چل کر ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے والی تھی۔

سولھواں باب

عبدالحمید اور مشرق کی جنگ

ہرسک کی بغاوت اور بلغاریہ میں قتل عام۔ قرہ طاغ اور سربیہ کے خلاف ترکی کی جنگ (جولائی ۱۸۷۵ء تا مارچ ۱۸۷۷ء)۔ ۲۳ر دسمبر ۱۸۷۶ء کا دستور۔ قسطنطنیہ کی کانفرنس۔ معاہدۂ لندن (۳۱ر مارچ ۱۸۷۷ء)۔ جنگ روس (۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۸ء)۔ معاہدۂ سین اسٹیفانو (۳ر مارچ)، معاہدۂ برلن (۱۳ر جولائی ۱۸۷۸ء)۔

ہرسک کی بغاوت اور بلغاریہ میں قتل عام

سلطنت کے دوسرے صوبوں میں عیسائیوں کی حالت بوسنہ اور ہرسک سے بھی زیادہ شکستہ اور ردی تھی۔ ان صوبوں میں فوجی خدمت کے معاوضے میں جاگیریں عطا کیے جانے کے طریقے کی بدترین صورت اختیار کی گئی تھی۔ بوسنی سرداروں کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے ان کے مالکانہ اختیارات میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا اور ان کو

کاشتکاروں پر اور بھی زیادہ بار ڈالنے کا موقعہ مل گیا تھا۔" مذہبی منافرت میں فرقہ وار منافرت کا جزو بھی شامل ہو گیا تھا اور ان لوگوں نے ترکوں سے بھی زیادہ تعصب سے کام لے کر کاشتکاروں کو حقیقی معنی میں اپنا غلام بنا لیا تھا۔ سراجیہ (Serajevo) کے دروازے پر اب تک لوگوں کو وہ درخت دکھایا جاتا ہے جہاں اس ضلع کے سردار بدقسمت کاشتکاروں کے پھانسی پر لٹکائے جانے کا تماشا دیکھنے جایا کرتے تھے۔"

۱۸۴۵ء میں باب عالی نے جب بوسنی سرداروں کی طاقت کو توڑ ڈالنا چاہا تو یہاں ایک شدید بغاوت برپا ہو گئی، جس کے سرغنہ فضلی پاشائے سراجیہ، محمود پاشائے طوزلی، مصلح، پاشائے بہاج (Bihatch) علی بے بن جنوتکی (of Banjanutaka) اور علی قدیح (kiditch) تھے۔ باب عالی نے اپنے بہترین سپہ سالار عمر پاشا کو ان سے لڑانے کے لئے بھیجا۔ عمر پاشا کو یہاں فتح تو حاصل ہوئی مگر شدید جنگ اور کثیر نقصان اٹھانے کے بعد۔ جن عیسائیوں نے شاہی افواج کو اپنی انتہائی طاقت کے ساتھ امداد کی تھی، وہ یہ سمجھنے لگے کہ ترکوں سے اب اپنے تمام مطالبات کو منوالیں گے۔ ان لوگوں نے بن جلوکا میں ایک جلسہ منعقد کر کے مساوات اور ان تمام قدیم حقوق کا مطالبہ کیا، جو اُن کو ترکی فتح سے پہلے بحیثیت مالکان اراضی حاصل تھے۔ عمر پاشا نے اس مطالبے کے جواب میں ان کے نمائندوں کو قید کر دیا اور تمام عیسائیوں سے ہتھیار لے لینے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے یہ معنی تھے کہ عیسائیوں کو ہمیشہ کے لئے بوسنی سرداروں کا شکار بنا دیا جائے، جو ان کو قتل کرنے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتے تھے، غیر مسلح ہونے کے باوجود، مصائب کی شدت اور قرہ طاغ کی قربت نے ۱۸۵۷ء اور ۱۸۶۷ء میں عیسائیوں کو بغاوت پر مشتعل کر دیا۔ دونوں بغاوتوں کی ناکامی اور ان بیرحمانہ افعال نے بھی، جو بغاوتوں کے بعد واقع ہوئے عیسائیوں کو مایوس نہیں کیا اور ۱۸۷۵ء میں انھوں نے حسب ذیل اپیل باب عالی میں پیش کیا:-

(۱) بھیڑوں اور بکروں پر جو محصول لیا جاتا ہے اس میں تخفیف کر دی جائے۔

(۲) فوجی خدمت سے استثنا کے متعلقہ محصول کو کم کر دیا جائے۔

(۳) یہ وعدہ کیا جائے کہ نئے محاصل عائد نہیں کئے جائیں گے۔

(۴) ایک ملکی جند رامہ کی تنظیم عمل میں لائی جائے۔

ان لوگوں کو اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور اس لئے انھوں نے دوبارہ

تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ ڈالدئے۔ اگست کی ابتدائی تاریخوں میں قرہ طاغ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبہ "اسٹولیٹز" نے علم بغاوت بلند کر دیا اور ایک یادداشت میں بوسنہ اور ہرسک کو جنگ کی دعوت دیدی گئی:

"بھائیو! کسوودا کی لڑائی کو زمانہ گزر چکا ہے لیکن اُس وقت سے آج تک ہماری قوم برابر بے رحمیوں، ناانصافیوں غارتگریوں اور بدسلوکیوں کا شکار رہی ہوئی ہے۔ زمین کے چپے چپے کو ہمارے آباواجداد کے خون اور آنسوؤں سے سینچا گیا ہے۔ ترک ہماری تاریخ کی اولاد کے مذہب، اُن کی آزادی، عزت، اور املاک کو پامال کر رہے ہیں"۔

ابتدا میں باب عالی نے اس سپہ برداری کا کچھ خیال نہیں کیا۔ وزیر اعظم اسد پاشا نے اس بغاوت کو اس قدر حقیر سمجھا کہ اس نے سلطان کو اس کی اطلاع بھی نہیں دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں تمام ہرسک اس تحریک میں شریک ہو گیا اور پھر یہاں سے یہ تحریک بوسنہ میں بھی پھیل گئی۔ باغیوں نے نکچ اور پیوا کی ناکہ بندی کر دی اور مختار پاشا کو نکچ کے آزاد کرنے کی کوشش میں سخت ہزیمت ہوئی۔ پیوا کی مستحفظ فوج کے لئے بہت جلد اس قدر شدید خطرہ پیدا ہو گیا کہ استنبول میں اس کے تخلیے کے مسئلہ پر غور کیا جانے لگا۔ لیکن سر عسکر، نمیق پاشا عثمانی اسلحہ کی اس قدر صریح توہین پر اس درجہ برافروختہ ہوا کہ اس نے روف پاشا کو نہایت ہی جوشیلے الفاظ میں، عثمانی علم کی عزت بچا لینے کا فوراً حکم دے دیا۔" اس نے روف پاشا کو تار دیا کہ "اگر تم فوراً ہی اس بٹالین کو، جو پیوا میں گھری ہوئی ہے، مخلصی دینے کے لئے روانہ نہ ہو جاؤ تو خدا، رسول اور تمام آل عثمان کی تم پر لعنت ہو"۔

پیوا باغیوں کے پنجے سے آزاد ہو گیا۔ لیکن اس فتح کا باغیوں پر کوئی نمایاں اثر نہیں پڑا۔ قرہ طاغ اور سربیا سے روزانہ سینکڑوں رضا کار آتے تھے اور باغیوں کی صفوں میں شامل ہو جاتے تھے۔ سلیوی ممالک میں ان لوگوں کے لئے اسلحہ اور گولہ بارود مہیا کرنے کے لئے انجمنیں قائم ہو گئی تھیں۔ ماسکو کی بین سلیوک کمیٹیاں، جو دراصل بغاوت کی بانی تھی روپے سے ان کی مدد کر رہی تھیں اور رضا کاروں کو باقاعدہ لڑانے کے لئے تجربہ کار افسر برابر بھیجے جا رہے تھے۔ باب عالی نے ایک فرمان نافذ کر کے، جس میں عدالتی اور عاملی اختیارات کی علحدگی، انتخاب کے لئے ججوں کی نامزدگی، محاصل کی

جمعبندی اور رسول اور پولی ٹکل مساوات کا وعدہ کیا گیا تھا مصالحت کرنے کی کوشش کی (۱۲ر دسمبر ۱۸۷۵ء)۔ باغیوں نے ان مواعید پر اعتماد نہیں کیا اور ضمانت طلب کی۔ آسٹریا نے، جو درپردہ اس تحریک کی سرپرستی کر رہا تھا، روس اور جرمنی کے ساتھ قبل از قبل مفاہمت کر لینے کے بعد باب عالی کے نام ایک مراسلت روانہ کی جس میں مذہبی آزادی۔ محاصل کی متاجری کے طریقے کی منسوخی۔ مقامی پیداوار کا مقامی ضروریات میں استعمال۔ قانون انتظام جائداد کی نظر ثانی اور ایک مشترک متحفظ کمیشن کی نامزدگی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ کافی عرصے تک غور و خوض کر لینے کے بعد سلطان نے اندراسی یادداشت کو منظور کر لیا (۱۲ر فروری ۱۸۷۶ء) لیکن باغیوں نے اس وقت ہتھیار ڈال دینے سے انکار کر دیا جب تک کہ ترکی فوجیں ہرسک کا تخلیہ نہ کر دیں۔ سلانیک میں فرانسیسی اور المانی قونسلوں کے قتل نے، جن کو بعض ترکی عہدہ داروں[1] کے ایما سے متعصب لوگوں کی ایک جماعت نے قتل کیا تھا۔ روس کو اس امر کا موقعہ دے دیا کہ وہ یورپ کو ترکی کے سلیوین باشندوں کی طرف سے مداخلت کرنے پر مجبور کر دے۔ یادداشت برلن میں جو شمالی دول[2] کے وزرا نے متفقہ طور پر مرتب کی تھی، باب عالی سے ان تمام اصلاحات کو نافذ کرنے کا جن کا اندراسی نوٹ میں ذکر کیا گیا تھا۔ اور باغیوں کے ساتھ کامل طور پر مفاہمت کرنے کی غرض سے جنگ کو دو مہینے کے لئے ملتوی کر دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ اور بصورت عدم تعمیل جبر سے کام لینے کی دھمکی دی گئی۔ (یکم مئی) اس یادداشت سے تمام دول نے بہ استثنائے انگلستان اتفاق کر لیا۔ اور باب عالی نے انگلستان کے طرز عمل پر اعتماد کر کے ایک ایسے فعل کے انجام دینے سے، جو ترکی اقتدار اور خود مختاری سے مغائر تھا، انکار کر دیا۔ ہرسک کی بغاوت سے جو مشکلیں پیدا ہو گئی تھیں ان میں اب یکایک ان تمام پیچیدگیوں کا اضافہ ہو گیا، جو بلغاری قتل عام کا نتیجہ تھیں۔

۱؎ سلیم بے، سردار پولیس کو پندرہ سال کی قید بامشقت قلعہ رودس میں دی گئی۔ رضا بے، کارویٹ کے کپتان کو قلعہ رودس میں دس سال کے لئے نظر بند کیا گیا۔ عطا بے، پیدل فوج کے کرنل کو سلانیک کے قلعے میں تین سال کے لئے قید کیا گیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے پوری سزا نہیں بھگتی۔

۲؎ Chancelleries of the North

بلغاریہ والے اہل بوسنہ اور اہل ہرسگ سے کچھ کم مصیبت زدہ نہیں تھے فرق صرف اسقدر تھا کہ بلغاریہ میں بے کی جگہ چرکس نے لے لی تھی ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۴ء کے خروج کے وقت، جس نے ترکی آبادی میں ہزارہا باشندگان قفقاز کا اضافہ کردیا تھا، ترکی حکومت نے ان لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو بلغاریہ میں بسا دیا تھا اور دریائے طونو کے قریب جنگی نوآبادیات قائم کرنے کا خیال کیا جارہا تھا۔ ان قفقازی باشندوں کی آمد ان مقامات کے لئے، جہاں ان کو آباد کیا گیا تھا، ایک مصیبت تھی۔ یہ مقامات اورنہ اور فلبہ تھے جن کو ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۵ء کے پورے موسم سرما میں ان مہاجرین کے لیے خورد ونوش کا انتظام کرنا پڑا۔ چرکس نے لوگوں کے ساتھ بدسلوکیاں کرنی شروع کردیں اور ان کو مہاجرین کے آرام و آسایش کا ہر طرح خیال رکھنے پر مجبور کیا، جن کو بجائے خود اس بات پر فخر تھا کہ وہ مبارز ہیں نہ کہ مزدور اور اس لئے کسی قسم کا کام کرنا ان کی صریح اہانت ہے۔ ۱۸۶۵ء میں جب کہ وہ دبروجہ میں اور دریائے طونو کے کنارے پر آباد ہوگئے تو انھوں نے عیسائیوں کے کپڑوں، گھوڑوں، گاڑیوں اور مویشیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا۔ ہر پانچ بلغاری خاندانوں کو اب اس امر پر مجبور کیا گیا کہ وہ مشترکہ طور پر ایک چرکسی خاندان کے لئے مکان بنائیں اور کاشتکاری کریں۔ قفقازی باشندوں کے لئے یہ انتظام اس قدر آرام دہ تھا کہ وہ جس طرح بھی ہو اس کو برقرار رکھنے کے خواہاں تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بلغاری تھوڑے عرصے میں ان کے خران باربردار بن گئے اگرچہ حکومت اشاعت تعلیم کو روکنے کی کوششوں میں مصروف تھی لیکن بلغاریہ کی حیات ذہنیہ دراصل ایک نتیجہ لازم تھی اس کی حیات سیاسیہ کا۔ ۱۸۶۹ء تک بلغاریہ میں فن طباعت مفقود تھا۔ معمولی سی وجہ پر اور بعض اوقات بغیر کسی سبب کے، جیسا کہ بیستادہ میں واقع ہوا۔ پروفیسروں کو اس جرم میں کہ وہ بلغاریہ کے نوجوانوں میں مغربی خیالات پھیلاتے تھے، قید کرلیا جاتا تھا یا اشیا کے بعید ترین مقامات میں جلاوطن کردیا جاتا تھا۔ یہ صوبہ محاصل کے بوجھ سے پسا جارہا تھا جن میں فی بھیڑ ایک فرانک، جزیہ جو نومولود بچوں پر بھی لیا جاتا تھا، عشر جو عموماً دگنا وصول کیا جاتا تھا، اور ان کے علاوہ بے شمار غیر معمولی اور ضمنی محاصل بھی شامل تھے۔ ۱۸۶۷ء اور ۱۸۶۸ء میں بغاوت کے آثار نے مسلمانوں کو چوکنا کردیا تھا اور وہ بدظن ہوگئے تھے۔ سلاوین صوبوں کی بغاوت نے ایک طرف تو بلغاریہ کی امیدوں کو تازہ کردیا اور دوسری طرف

ترکوں میں تعصب کی آگ بھڑکا دی۔ ہر جگہ مسلمان باشندے مسلح ہوگئے اور عیسائیوں پر یکایک جا پڑنے کا موقع تلاش کرنے لگے۔ اور حکومت نے خارجی قونصلوں کی رپورٹوں اور سرکاری مراسلات میں توجہ دلائے جانے کے باوجود بھی کوئی انتظام نہیں کیا۔

اتلوکینی اور استریلیٹزا[1] میں کئی سو باغیوں نے تمام مسلمانوں کو قتل کر ڈالا[2] اور بلغاری علم بلند کر دیا (اپریل ۱۸۷۶ء) وزیر اعظم، محمد ندیم پاشا نے ایسے لوگوں کی، جو نہایت کم ہمت اور ڈرپوک تھے اور جواب تک ہر قسم کے حالات سے سازکاری پیدا کرتے رہے تھے، بغاوت سے خائف ہوکر، سخت تدابیر اختیار کیں۔ باقاعدہ فوج کی دو یا تین بٹالین بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کافی ہوسکتی تھیں لیکن باقاعدہ فوج بھیجنے کے بجائے اس نے دس ہزار چرکس اور باشی بزوکسی کو بلغاریہ والوں پر چھوڑ دیا۔[3]

یہ بدقسمت ملک خون کا ایک دریا بن گیا تین مہینے تک بستیاں جلتی رہیں اور قتل عام کا سلسلہ جاری رہا۔ بطک (Batak) میں، جہاں بغاوت کا نشان بھی نہیں تھا، سات ہزار باشندوں میں سے پانچ ہزار مارے گئے۔ لیکن پیروز لیتزہ (Pierouslitza) میں بلغاریوں نے بغیر انتقام لئے مرنا گوارا نہیں کیا۔ اور ایک نہایت مضبوط و مستحکم گرجا میں قلعہ بند ہوکر انھوں نے چار دن تک لڑائی کو اسی جوش و خروش کے ساتھ جاری رکھا جو ایک مایوس انسان میں پیدا ہوجاتا ہے۔ اس مدافعت کو ختم کرنے کی غرض سے توپوں سے کام لیا گیا۔ تمام محصورین ہلاک ہوگئے۔ صرف چند لڑکے اور لڑکیاں زندہ بچیں جن کو استنبول بردہ فروشوں کے بازار میں بکنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ نیبوآی کے پاس ایک چھوٹے سے گاؤں میں تین سو بلغاریوں یعنی گاؤں کے تمام مردوں کو بغیر کسی تحقیقات کے قتل کر دیا گیا۔ انگریزی تحقیقات میں، جس کے متعلق یہ کہنا قطعی ناممکن ہے کہ اس میں ترکوں کی جانب داری سے کام نہیں لیا گیا،[4] مقتولین کی تعداد کو بارہ ہزار اور فرانسیسی

---

[1] Oslukeny and Strelitza

[2] چونکہ ان مظالم کا اظہار، جو عیسائی باغیوں نے اس موقع پر مسلمانوں پر توڑے متعصب عیسائی مصنف کے اغراض کے مغائر تھا اس لئے صرف اسی پر اکتفا کیا گیا کہ "تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا" مگر وہ موقعہ آرہا ہے جہاں مسلمانوں کے موہوم مظالم کا یہی شخص راگ گانے والا ہے (رضا)

[3] اب ملاحظہ فرمائیے۔ گویا شکار پر کتوں کو چھوڑ دیا۔

[4] جب کبھی، صدیوں کے بعد، انگریزی حق پسندی کی کوئی ناقص ترین مثال بھی ملتی ہے تو اس کتاب کا عیسائی مصنف اس کو

سفارت کی رپورٹ میں بیس ہزار بیان کیا گیا ہے۔ بابِ عالی نے یورپ میں اس ہنگامے کی ہیبت کے احساس میں کمی پیدا کر دینے کی غرض سے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جو اس خطرے سے کہ ان کا کامل طور پر استیصال کیا جانے والا ہے خائف اور ان مظالم سے جو بلغاریہ والوں نے ان پر توڑے[1] غصے میں آپے سے باہر ہو گئے تھے۔ باب عالی کی طرف سے[2] ان مظالم کی تردید کی گئی جو باشی بزوکس کی طرف منسوب کئے گئے تھے۔ لیکن ان تعبیرات کی وجہ سے ان اثرات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی جو خارجی نمایندوں کی رپورٹوں کی بنا پر ان کی حکومتوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ فرانسیسی سفیر نے وزیر خارجہ کو تحریر کیا کہ:— ان کی جانفشانی اور عمدہ اخلاق کا یہ نتیجہ ہے کہ بہت مظالم کے باوجود بلقان کی عیسائی آبادی میں دولت اور تعلیم بڑھ رہی ہے اور ان چیزوں کی قوت سے وہ مسلمانوں پر فوقیت حاصل کرتے جا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی فطری اور جائز ترقی ہے کہ بعض عثمانی وطن پرست تلوار اور آگ کے ذریعے سے اس کو روکنے کا خیال رکھتے ہیں

مسٹر بیرنگ کی تحقیقاتی رپورٹ اور ڈیلی نیوز کے نامہ نگار کے بیانات نے انگلستان کی پبلک میں غصہ پیدا کر دیا۔ اور لارڈ ڈربی نے اہل سربیہ پر ترکوں کی ابتدائی فتوحات کے موقعے پر برطانوی سفیر، سر ہنری ایلیٹ کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا:۔

ہر میجسٹی کو گورنمنٹ کا خیال ہے کہ زیچار (Zritchar) پر قبضہ ہو جانے کی وجہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ترکوں کی حمایت اور جانب داری سے تعبیر کر دیتا ہے اور اس طرح اپنی غرض کو کسی موقعے پر بھی، چاہے انگریز برا مانیں یا بھلا، ہاتھ سے نہیں جانے دیتا (رعنا)

[1] کیا اس کے بعد بھی ترکوں کے تعلیم کی اشاعت روکنے اور عیسائیوں کی مسلمانوں کے ہاتھوں لوٹ مار کے من گھڑت افسانوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ (رعنا)

[2] یہ لفظ بھی قابل غور ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ بعض انتہا پسند شخصیتیں موجود ہوتی ہیں (رعنا)

[3] بیاض احصفر ۱۸۷۵ء و ۱۸۷۶ء، ۱۶ اگست ۱۸۷۶ء کو ام ڈی لورگو ان حسب ذیل سطریں لکھی تھیں:۔ بلغاریہ والوں کو معافی نامہ دے دیا گیا ہے لیکن باغیوں کے خاص خاص لوگ اور سرغنہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایسی پابندیوں کے ساتھ اس قسم کی تدبیر مضحکہ خیز ہے اور پھانسیوں کو وسیع پیمانے پر جائز رکھتی ہے۔ بعض بدبختوں کو آزاد کر دیا گیا ہے لیکن مشتبہ لوگوں کو بے رحمی کے ساتھ برابر پھانسیاں دی جا رہی ہیں۔" ان پھانسیوں کا سلسلہ ۱۸۷۷ء کے اخیر تک جاری رہا۔

ممکن ہے کہ سربیہ کے حصے پر ترکی فوجیں قابض ہو جائیں۔ لہذا میں یور اکسیلنسی کو ہدایت کرتا ہوں کہ فوجوں پر کافی نگرانی رکھنے کی قطعی ضرورت کو باب عالی کے اچھی طرح ذہن نشین کرادیا جائے تاکہ غیر مسلح آبادی محفوظ رہے اور یہ کہ بلغاریہ میں جو مظالم واقع ہوئے ان کا اعادہ نہ ہو۔ یور اکسیلنسی یہ امر (باب عالی پر) واضح کر دیں کہ اس قسم کے مظالم کا اعادہ لڑائی میں شکست کھانے سے زیادہ تباہی خیز ہوگا۔ یورپ کی خشمناکی ناقابل مقاومت ہو جائے گی اور ترکی کے معاملات میں حریفانہ مداخلت کا فوراً آغاز ہو جائے گا۔"

لیکن سربیہ اور قرہ طاغ اور باب عالی میں لڑائی اس سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔

ترکی اور سربیہ وقرہ طاغ (مانٹی نیگرو) میں لڑائی

(جولائی ۱۸۷۶ء تا مارچ ۱۸۷۷ء)

سلافیقی رعایا کی بغاوت کے آغاز سے اہل سربیہ وقرہ طاغ نے باغیوں کو کھلم کھلا مدد دی تھی۔ اور دونوں ریاستوں سے بے شمار رضاکار بھیجے گئے تھے۔ مختار پاشا کا بیان ہے کہ قرہ طاغ کی پوری پوری بٹالینیں باغیوں کی طرف سے ترکوں سے لڑی تھیں املادینا (Omladina) کی اثر واشاعت کی سرگرمیوں کی وجہ سے احساسات میں بہت کچھ انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اور بلغراد میں سربیہ میں اتحاد قائم کرنے کی غرض سے جنگ کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ (Omladina) کے قیام کی غرض یہ تھی کہ سلافیقی لٹریچر میں ترقی اور ابتدائی تعلیم کی اشاعت کی جائے۔ اس نے اپنی تمام تر طاقتیں صرف اس غرض کے پورا کرنے میں صرف کردی تھیں کہ تمام یا خو سلیفیقن لوگوں کو ایک حکومت کے ماتحت متحد کر دیا جائے چنانچہ وہ تحریکیں جو ترکی کے یا خو سلافیقن صوبہ جات میں پیدا ہوتی ہیں اس ایک خیال کا نتیجہ ہیں۔ یہ ایک عظیم الشان خفیہ انجمن ہے جو سلافیقی وطن دوستوں میں اتحاد واتفاق پیدا کرتی ہے۔

یہ لوگ انھیں خیالات کی آڑ لے کر آپس میں اتحاد قائم کرتے ہیں اور یہ بالکل درست ہے کہ یہ پراگو سے لے کر طولوتک کوئی معمولی سا شہر بھی ایسا نہیں ہے جہاں اس کا مرکز قائم نہ ہو اور جہاں (Agram) اگرام سے ہدایتیں موصول نہ ہوتی ہوں۔ خود اگرام کے صدر اکادمی کے الفاظ ہیں کہ: "سربیہ، کروشیہ، سلوفینی اور بلغاریہ کے بیچ میں اب نہ تو کوئی پہاڑ حائل ہے اور نہ کوئی دریا"[1]

حکومت سربیہ رعایا کی تمناؤں میں برابر کی حصہ دار تھی۔ چنانچہ اس نے گھوڑے۔ توپیں اور بندوقیں خریدیں اور ایک روسی جنرل[2]، جس نے تاشقند کی تسخیر کے موقع پر بہت کچھ نام پیدا کر لیا تھا، سربی فوج کا کمانڈر مقرر کیا گیا۔ ان حالات کو دیکھ کر باب عالی نے نیش میں ایک طلایہ کی فوج کو جس میں چالیس ہزار آدمی تھے، اور سقوطری میں ایک دوسری فوج کو مجتمع کر دیا، جس کے ذمے سرنیگورا کی حفاظت و مدافعت تھی۔ ۸ر جون ۱۸۷۶ء کو وزیر اعظم نے دونوں رئیسوں سے اس اسلحہ بندی کا سبب دریافت کیا۔ پرنس میلان نے یہ عذر پیش کیا کہ نیش میں ترکی فوجوں کی موجودگی کی وجہ سے البانی اور چرکسی حملوں کا خوف، جن کو روکنے نیز سرحدات کے احترام اور ملک کے امن و امان کو برقرار رکھنے کی غرض سے فوجوں کو آراستہ کیا گیا ہے۔ پرنس نکولاس کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا کہ چونکہ ترکی فوجوں کو آراستہ کیا گیا ہے اس لئے اس نے بھی اپنی فوجوں کو آراستہ کر لیا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ادھر اس نے باب عالی کو یہ باور کرانا چاہا کہ وہ صلح کا طالب ہے اور اُدھر سربیہ کے ساتھ ایک جارحی اور مدافعی معاہدہ کر لیا تو

جون کے اواخر میں پرنس میلان نے بالآخر اپنے تمام منصوبوں کا پردہ فاش کر دیا۔ اس نے باب عالی سے یہ مطالبہ کیا کہ بوسنہ کی بغاوت کو فرو کرنے کی ذمہ داری سربی افواج کے تفویض کر دی جائے۔ شاہ قرہ طاغ نے بھی علیٰ ہذا ہرسک کے ایک حصے کی تحویل کا مطالبہ کر دیا۔ یکم جولائی کو سربی افواج سرحد سے گزریں اور قرہ طاغ کی

---

[1] Ch. Yriark. "La Bosnie et l' Herzegovine Pendant l' insurrection.

[2] Tchernaiew.

ایک بیس ہزار کی فوج نے ہرسک پر حملہ کر دیا۔ طربگون (Trebigne) پر مختار پاشا کی شکست اور پوگریزہ (Podgoritza) پر محمود پاشا کی ہزیمت سے قرہ طاغی فوجوں کو نکیشں (Niksich) پوگریزہ، اور میدوہ (medua) کی ناکہ بندی کر دینے کا موقع مل گیا لیکن سربی فوج کی شکست سے ان کے دل افسردہ ہو گئے۔

حکومت سربیہ کو اگر کوئی معقول تدبیر اس موقع پر سوجھی تو وہ یہ تھی کہ بوسنہ پر حملہ کرنے کی غرض سے فوجوں کا تمام تر دباؤ درینہ پر ڈالا جائے۔ اور پھر سینیزہ (Sienitza) کی طرف کوچ کر کے قرہ طاغی فوج کو کمک پہنچائی جائے۔ یہ کرنل اوریس کوویش کی رائے تھی۔ بوسنہ ہی در اصل اس جنگ کا مقصد اور حیلہ تھا اور اس لیئے اسی مقام پر شدید ترین حملے کی ضرورت تھی۔ قرہ طاغی فوج کے ساتھ اتصال قائم کر لینے اور بوسنہ کے، جہاں عیسائی آبادی علم بغاوت بلند کرنے کے لیئے صرف اس آزاد کنندہ فوج کی آمد کی منتظر تھی، سلطنت سے علیحدہ اور مدد کی تمام امیدوں کے منقطع ہو جانے کے بعد، بوسنہ کی فتح یقینی تھی۔ لیکن پرنس میلان کے مشیروں کو آسٹریا کے ناراض ہو جانے کا خوف اور اس امر کا خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بوسنہ کا حملہ ویانا کی کابینہ کو مجاری (Hungarian) تحریکات کے منظور کر لینے پر آمادہ کر دے، جو سربیہ کا دعوید ار تھا۔ اس کے علاوہ بوسنی باغیوں نے پرنس پیٹر قرہ گرجی وِیش (Prince Peter) (Karageorgevitch) کو، جو تخت سربیہ کا مدعی تھا، اپنا سردار منتخب کر کے ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ جو ایک آبری نویش کی نظروں میں قطعی ناقابل معافی تھا۔ ادھر پرنس میلان کو یہ خطرہ تھا کہ مبادا اس کے رقیب کو اس کے افعال کا ثمرہ حاصل ہو جائے۔ ان تمام اسباب کی بنا پر جنرل چرناؤ (Tchernaiew) کی یہ تجویز منظور کر لی گئی کہ وادی مورہ (Moraw) اور تموق (Timok) کے راستے سے بلغاریہ پر حملہ کیا جائے اور درینہ اور عیار پر دشمن کی توجہ منعطف کر دی جائے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے جو اہم نقصان ہوا وہ یہ تھا سربی فوجیں چار مختلف سمتوں میں منتشر ہو گئیں۔ دشمن کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھنے کی غرض سے انھیں جنگ کو جاری رکھنا پڑا اگر باوجود اس کے یہ فوجیں مشترکہ طور پر حملہ نہیں کر سکیں۔ چرناؤ کو یہ امید تھی کہ بلغاریہ میں ایک عام بغاوت واقع ہو جائے گی لیکن بلغاریہ والوں کے جذبۂ غیرت اور

جوش حریت کے متعلق، جو عام مقاتلوں سے بہت کچھ خوف زدہ ہو گئے تھے نیز سربیہ کے ذرائع ووسائل کی نسبت اس نے سخت دھوکا کھایا۔ باقاعدہ فوج میں کل پندرہ ہزار سپاہی تھے اور اگر افسران متعلقہ اپنے اپنے ماتحت دستوں کو جنگ کی تعلیم دینے میں بے انتہا کوششوں سے کام نہ لیتے تو یہ پندرہ ہزار سپاہی بھی بالکل ناقص اور ناقابل جنگ تھے۔ ریجینٹ بلاس نفاز[1] کا بہ حیثیت وزیر حربیہ زمانہ خدمت سربیہ کے لئے نہایت ہی تباہی خیز ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنے بعد ملک کو بالکل غیر مسلح چھوڑ گیا اسلحہ خانے خالی تھے، اور توپوں، بندوقوں اور گولہ باروت کی بالکل کمی تھی۔ کرنل نکولٹش (Nicholitch) نے ان خرابیوں کو رفع کرنے میں بے انتہا جانفشانی سے کام لے کر اپنی تنظیمی قابلیت کا پورا پورا ثبوت دے دیا۔ یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ سربیہ اس وقت اس قابل تھا کہ نوے ہزار آدمیوں کو میدان میں اتار سکے جن میں سے بیشتر ایسی بندوقوں سے مسلح تھے جو جلد جلد فیر کرتی تھیں اور جن کی حفاظت کے لئے ایک ہر طرح کا مکمل توپ خانہ بھی موجود تھا۔

سربیہ کی اس دلیرانہ مہم نے روس اور آسٹریا کی سلافیتی آبادیوں میں جوش پھیلا دیا۔ مطران بلغراد نے سربیہ کی امداد کے لئے روس میں ایک لاکھ مجر (ducat) فراہم کئے۔ جو چیزیں لوگوں نے خود بخود پیش کیں وہ اس کے علاوہ تھیں سلافیتی کمیٹیوں نے سپاہی، افسر، ڈاکٹر اور ہاسپتالی سواریاں بھیجیں۔ سلافونیہ (Slavonia) بنات (Banat) اور کروشیہ (Croatia) سے سرحدی فوجوں کے وظیفہ یافتہ سپاہیوں کا ایک کثیر گروہ، آسٹریا ہنگری کی حکومت کی نگرانی وبیداری کے باوجود ساوہ کو عبور کر کے شباز (Shabatz) کے مقام پر سربی فوج سے آملا۔ ان رضاکاروں میں بوسنہ کے مہاجرین بھی آملے اور ان سب کا ایک جدا گانہ بریگیڈ قائم ہو گیا جو دس بٹالینوں پر مشتمل تھا، اور جس کی کمان پر آسٹری فوج کا وظیفہ یافتہ افسر، میجر پتنک (Major Putnik) تھا۔ بے شمار خارجی افسروں کی موجودگی کے باوجود سربی فوج کا انتظام معقول نہیں تھا۔ باقاعدہ فوج کے لفٹنٹ،

[1] Regent Blasnavatz

بٹالینوں کی کمان کرتے تھے اور کپتان ڈیپی بریگیڈ بلکہ بریگیڈ تک کے سپہ سالار بنا دیے گئے تھے۔ کوئی قابل تذکرہ سوارہ فوج موجود نہیں تھی۔ درینہ کی فوج میں صرف دو اسکواڈرن (دستے) تھے۔ اور مریوہ (Morawa) کی فوج میں، چند ناقص اسکواڈرنوں کے علاوہ جو خاص سوارہ فوج تھی وہ قزاقوں اور روسیوں کے چار دستوں (Sotnias) پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ اسکاؤٹس کا ایک دستہ تھا جو ایک انگریزی افسر کرنل ہیکا پور نے قائم کیا تھا۔ یہ شخص اسٹون وال جیکسن کا قدیم رفیق جنگ تھا۔ صرف توپ خانہ ہی کی تعداد ایسی تھی کہ اس کو مکمل کہا جا سکتا تھا۔

دریائے ٹمک (Timok) پر بمقام ایسٹ (Est) کرنل لسکینن (Leschanin) کو جس کے پاس عثمان پاشا کی جنگ دیدہ افواج کے مقابلے کے لئے ایک بالکل ناتجربہ کار فوج تھی، ولیک اسوار (Veliki-Isvor) کے مورچوں پر تمام حملوں میں ناکامی ہوئی اور باوجود شدید مدافعت کے اس کو زیکار (Zaitcher) کو چھوڑ کر پرسٹوویز (Prestovatz) کی طرف پسپا ہو جانا پڑا۔ مغرب میں کرنل اینکو ایکیم پیٹش جو محض ایک بزمی جنگجو تھا اور جس کو درینہ کی فوج کا سپہ سالار باوجود اس کی نااہلی کے صرف اس لئے بنا دیا گیا تھا کہ اس کو حکمران خاندان سے اس درجہ عقیدت تھی جو جنون کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، حکومت کے خفیہ احکام کی پابندی کر رہا تھا اس نے بجیلینہ (Bjelina) کی گڑھی کے سامنے اپنی فوج کا کیمپ قائم کر دیا اور اپنی نااہلی سے اپنی فوج کی تباہی کا باعث ہوا۔ یہ اہل سربیہ کی خوش قسمتی تھی کہ کرنل اوریس کوویش، چیف آف اسٹاف، اور میجر مٹنک نے ہر موقع پر اس کی غلطیوں کی تلافی کی۔ جنوب و مغرب میں عبار پر جنرل زاج اور اس کے بعد کرنل انطیش نے اپنی فوجوں کی زبوں حالی کے باوجود اپنی عـــزت کو قائم رکھا اور دشمن کی تمام کوششوں کو رد کر دیا۔

وادی مراوہ جنگ کا مرکز تھی چرناؤ نے اپنی کوششوں کو کامیابی کے ساتھ شروع کیا تھا۔ ایک شاندار حملے میں اس نے بابینہ غلدوہ کے قلعہ بند کیمپ پر قبضہ کر لیا تھا اور نیش پیپا کر کے پیراسٹ روڈ پر اپنے مقدمۃ الجیش کو بڑھا دیا تھا۔ ایک بالا و برتر فوج سے خائف ہو کر اور اپنے یمین کے، لسکینن کی مزاحمت کی وجہ سے

(Alexinatz and Deligrad) تباہ ہو جانے کے خطرے سے وہ الگزنیاز اور ڈیلگراڈ کی طرف پسپا ہو گیا، اور اب ترکی فوج نے جس کی تعداد دو لاکھ تھی اور جس میں نصف بے قاعدہ فوج تھی، جارحانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔ سلیمان پاشا نے ہروے ٹووٹش (Horvatovitch) پر، جو غماطہ (Gsamada) میں چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ گھر گیا تھا، حملہ کر کے، باوجود شدید مدافعت کے شکست دے دی اور چرناؤ کے یسار کے لئے خطرہ پیدا کر دیا (۲۵ جولائی)۔ پنڈیرولو (۳۰ جولائی) اور کنیاجیواز[1] (۳۱ جولائی) کی فتوحات نے ترکوں کو مراوہ کے سیدھے کنارے پر صف آرا ہو جانے کا موقع دے دیا۔ احمد ایوب پاشا نے پچاس ہزار آدمیوں کے ساتھ الگزنیاز پر قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر پانچ دن کی لڑائی کے بعد اس کو شدید نقصانات کے ساتھ پسپا کر دیا گیا (۲۰ تا ۲۴ اگست)۔ احمد ایوب پاشا نے اب سربیہ والوں سے لڑنے کا ارادہ اور مراوہ کے بائیں کنارے بلغراد پر بڑھنے کی کوشش کی۔ حریف کی نقل و حرکت کے متعلق کافی طور پر معلومات اور رسالے کے نہ ہونے کی وجہ سے نیز تخویف آمیز مظاہرات کے قریب میں اگر چرناؤ احمد ایوب پاشا اور علی صائب پاشا کو سپوفاز (Supovatz) کے قریب مراوہ کو عبور کرنے سے باز نہیں رکھ سکا (۳۰ اگست)۔ یکم ستمبر کو یہ محسوس کر کے کہ اس کے سامنے برائے نام فوج صف آرا ہے، اس نے ترکوں پر اس سے پہلے کہ وہ مجتمع ہو سکیں حملہ کرنے کی غرض سے مراوہ کو عبور کیا لیکن ناکام رہا۔ عبد الکریم پاشا اپنی پیشقدمی کو جاری رکھنے کے لئے بالکل تیار تھا لیکن لڑائی کو ملتوی کر دینے کا حکم مل جانے کی وجہ سے وہ مجبور ہو گیا۔

۲۴ اگست کو پرنس میلان، جو اس عرصے میں پراچین (Paratchin) میں مقیم رہا تھا اور جنگ و جدال سے بالکل الگ تھلگ رہا تھا، دول سے مداخلت کرنے کی التجا کر چکا تھا اور سیاست و تدبر معرض عمل میں آ چکے تھے۔ ۱۴ ستمبر کو باب عالی نے ان شرائط کا اعلان کر دیا، جو وہ سربیہ پر عائد کرنا چاہتی تھی۔

[1] Pandirolo and Kniojevatz

ان شرائط میں پرنس کو اظہار اطاعت کے لئے قسطنطنیہ جانے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جن قلعوں کا ۱۸۶۷ء میں تخلیہ عمل میں آیا تھا ان پر ستمبر ۱۸۶۲ء کے معاہدے کی شرائط کے حسب منشا از سر نو ترکی قبضے کو لازمی قرار اور اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ موجودہ فوج کو منتشر کر دیا جائے اور ریاست کی فوج آئندہ کبھی دس ہزار آدمیوں اور توپ خانے کی باتیریوں (Batteries) سے بڑھنے نہ پائے۔ ان مطالبات کا روس کی طرف سے جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا کہ اس نے آسٹریا کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ وہ بوسنہ، ہرسک اور بلغاریہ پر قبضہ کر لے۔ اس تجویز کو منظور نہیں کیا گیا اور انگلستان نے دوسری طاقتوں سے استشارہ کر کے ترکی کی پیش کردہ شرائط کو ناقابل قبول قرار دیا اور ایک یادداشت روانہ کی جس میں سربیہ اور قرہ طاغ کو علیٰ حالہ برقرار رکھنے کی تجویز کی بوسنہ اور ہرسک کے لئے مقامی اختیارات خود انتظامی، بلغاریہ کے لئے ناجائز اور ظالمانہ نظم و نسق کے خلاف ضمانت جس میں آئندہ ترمیم و تنسیخ کا اختیار تھا اور معاہدۂ صلح پر دستخط ثبت ہونے کے لئے کم سے کم چھ ہفتے اور زیادہ سے زیادہ دو مہینے کے لئے فوراً جنگ کو ملتوی کر دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا (۲۵ ستمبر)۔ باب عالی نے ان شرائط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے سپہ سالاروں کو از سر نو جنگ جاری کر دینے کا حکم دے دیا۔

چرناؤ نے جونیس (Djunis) میں اپنا مستقر قائم کیا تھا۔ عبدالکریم نے ۱۹ اکتوبر کو اس کے ساتھ لڑائی چھیڑی۔ یہ لڑائی تمام لڑائیوں سے زیادہ خونخوار تھی تین دن تک اس کا سلسلہ جاری رہا اور شدید نقصانات کے باوجود سربیہ والے اپنے مورچوں پر قائم رہے۔ ۲۹ کو عثمانی جنرل نے جسے درویش پاشا کی کمک مل گئی تھی، دوبارہ لڑائی شروع کر دی۔ کریٹ ویٹ ریڈاوٹ[۱] کو جہاں سے جونیس پر نگرانی قائم ہوتی تھی اور جس کے قبضے پر لڑائی کے نتیجے کا دارومدار تھا، اس کے مدافعین نے چھوڑ دیا۔ سربی سپہ سالار نے اپنی تمام فوجوں کو جمع کر کے بڑے زور و شور سے حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ اس کی فوج کے بہترین سپاہی کام آئے اور وہ دشمن کو

---

[۱] Crevett Redout

ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹا سکا۔ سربیہ والوں میں دہشت اور خوف پھیل گیا۔ ہروے ٹوڈیش نے یہین کو اپنی جگہ پر قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن چرناؤ نے اس کی صفوں کو درہم برہم کردیا اور وہ قرس چیفاز (Kruschevatz) کے تخلیے پر مجبور ہوگیا، جہاں فانخین نے آگ لگادی۔ ادھر چرناؤ نے دشمنوں میں گھر جانے کے خوف سے دلیغراد کو چھوڑ دیا اور پھر انگز نیاز پر بھی قبضہ ہوگیا۔

اس تباہی کی خبروں نے بلغراد میں بہت کچھ ہیجان پھیلا دیا اور ایک عام بھرتی کا اعلان کیا گیا۔ پرنس امدادی فوجیں لے کر بعجلت ممکنہ چرناؤ کی طرف روانہ ہوگیا، جس نے دار الحکومت کو بچانے کے لئے ایک آخری کوشش کرنے کی غرض سے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم کی۔ روس، جو دراصل اس جنگ کا بانی مبانی تھا، سلافیقی آبادی کی نظروں میں اپنے اقتدار کے کم ہوجانے کے خوف سے سربیہ کو اپنے حال پر نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ پرنس گورٹشکوف (Gortshakoff) کے حکم پر جنرل اگنےٹیف (Ignatief) نے باب عالی کے نام ایک پیام جنگ بھیج دیا۔ جس کے آخر میں حسب ذیل عبارت درج تھی:۔ "راقم کو ہز مجسٹی کی طرف سے باب عالی کو یہ اطلاع دینے کا حکم دیا گیا ہے کہ اگر اس یادداشت کے موصول ہونے کے بعد اڑتالیس گھنٹے کے اندر چھ ہفتے سے لے کر دو مہینے تک کے لئے ایک ایسا موثر اور غیر مشروط التوائے جنگ، جس میں تمام محاربین شامل ہوں، عمل میں نہیں لایا گیا اور عثمانی افواج کے سپہ سالاروں کے نام تمام قسم کی جنگی مصروفیتوں کو ترک کردینے کے متعلق فوراً تاکیدی احکام جاری نہیں کیے گئے تو راقم مع تمام عہدہ داران سفارت شاہی کے قسطنطنیہ چھوڑ دے گا"۔

باب عالی نے اس دھمکی کے آگے سر جھکا دیا اور دونوں ریاستوں کے ساتھ دو مہینے کے لئے التوائے جنگ منظور کرلیا جس میں بعد کو مارچ ۱۸۷۷ء تک توسیع ہوئی۔ سربیہ نے جو حصہ لیا تھا وہ ختم ہوگیا اور روس، جو دراصل بانی مبانی تھا اور جو اب تک پس پردہ چھپا ہوا تھا اب اسٹیج پر آگیا۔ ۱۲ نومبر کو زار نے ماسکو کے محکمہ صفائی کے ساتھ ایک مکالمے میں قرہ طاغ والوں کی جرات کی تعریف کی اور علی الاعلان اس امر کو ظاہر کردیا کہ روس کو اپنے برادران قوم و مذہب کے ساتھ

کامل ہمدردی ہے۔ ۱۳ کو ایک گشتی میں جو پرنس گورٹشیکوف کی جاری کی ہوئی تھی۔ یورپ کو یہ اطلاع دی گئی کہ ہر ممکن ذریعے سے عیسائیوں کی حفاظت و سلامتی کے متعلق تیقن حاصل کرنے کی غرض سے چھ فوجی دستوں کی ترتیب و تنظیم عمل میں لائی گئی ہے۔ انگلستان نے اختلافات کے تصفیے اور اپنے نقطۂ نظر کو دوسری سلطنتوں پر واضح کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک یوروپین کانفرنس کے انعقاد کے خیال کو اس موقع پر پھر تازہ کر دیا۔
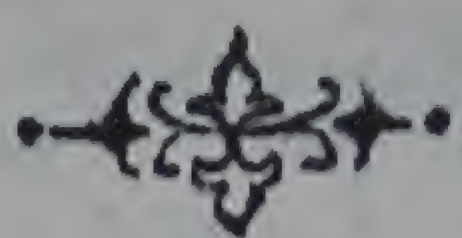
۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کا دستور قسطنطنیہ کی کانفرنس معاہدۂ لندن (۳۱ مارچ ۱۸۷۷ء)

جماعت ترقی کنندگان نے خود بخود اصلاحات کا آغاز کر کے سلطنت کے امور داخلہ میں غیر ملکیوں کی مداخلت کا سدباب کرنے کی کوشش کی۔ اس جماعت نے اپنے سردار کو برسر حکومت و اقتدار پہنچا دیا اور مدحت پاشا محمد رشدی پاشا کی جگہ وزیر اعظم مقرر ہوا۔ ۱۸۵۶ء میں مدحت مجلس عظمیٰ کا معتمد تھا۔ اس کے بعد روبالیہ کو ڈاکوؤں اور رہزنوں سے جو وہاں آباد تھے آزاد کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ پھر بلغاریہ کے حالات کی تحقیقات اس کے ذمے کی گئی تھی۔ بعد ازاں متصرف نیش گورنر اسکوب ڈپریسڈنٹ، ولایت طونہ کا گورنر جنرل، اور صدر مجلس شاہی (کونسل آف اسٹیٹ) کے عہدوں پر اس کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کئی مرتبہ وزارت، بغداد کی گورنر جنرل شپ، اور وزارت عظمیٰ پر فائز ہو چکا تھا اور اس نے ان تمام عہدوں پر اپنی انتظامی اور سیاسی قابلیتوں کا ثبوت دیا تھا۔ وزیر عدلیہ کی حیثیت سے اس نے ججوں کو شیخ الاسلام کی خودسری سے نجات دلانے کی کوشش کی تھی اور ان کے لئے یہ حکم حاصل کر لیا تھا کہ ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جائے گا۔ عبدالعزیز اگرچہ اس کی قابلیتوں کا

معترف و معاون تھا لیکن ساتھ ہی اس کے متنفر بھی تھا اور حتی المقدور اس کو قسطنطنیہ سے باہر رکھتا تھا۔ وہ مدحت کو مراد کا خاص ہوا خواہ تصور کرتا تھا۔ مدحت انگریزوں اور انگریزی دستور کا بڑا مدح خواں تھا اس کے نزدیک ترکی کی فلاح و بہبود اسی میں تھی کہ وہ خود ترکی حکومت کی باگ سنبھال لے۔ اس کو یہ یقین تھا کہ ترکی میں پارلیمنٹ کے قائم ہو جانے سے تمام قسم کی برائیاں رفع ہو جائیں گی۔ ۲۳/ دسمبر کو، جو کانفرنس کا یوم افتتاح تھا ایک شاہی فرمان موسومہ وزیر اعظم نے ایک جدید دستور نافذ کیا، جس میں حسب ذیل اعلانات کئے گئے تھے:-

سلطنت کی ناقابلیت انقسام۔

سلطان کی غیر ذمہ داری۔

سلطان کی تمام رعایا کی، جو بلا امتیاز آل عثمان کے نام سے موسوم تھی قانون کی نظروں میں مساوی تصور ہوگی اور رعایا کا ملکی خدمات پر بہ لحاظ اہلیت وقابلیت تقرر۔

افراد و متوطنین کی لازوال آزادی۔

بہ حق سرکار ضبطیوں، بیگار اور استحصالات بالجبر کی موقوفی۔

ہر صورت میں عقوبت اور بازپرس کی منسوخی۔

آزادی تعلیم۔

عدالتوں کی کامل خود مختاری۔

میزانیہ میں تناسب قائم کرنا۔

مرکزی حکومت کے اقتدار و نگرانی کو محفوظ رکھتے ہوئے صوبہ جات کی لامرکزیت۔

ایک سینیٹ، جس کے اراکین کو تاحیات سلطان نامزد کرتا تھا اور ایک بیت النائبین، جس کے اراکین کا ایک خفیہ قرعہ کے ذریعے سے چار سال کے لیے انتخاب ہوتا تھا اور جس کا ایک نائب پچاس ہزار مردوں کا نمایندہ ہوتا تھا، کے قیام کے ساتھ نمایندگی کا طریقہ نہایت آب و تاب کے ساتھ ترکی میں جاری ہو گیا۔ ان دونوں ایوانوں کو حکومت کے تمام افعال پر نگرانی رکھنے کا حق حاصل تھا اور وزرا انکے مواخذہ دار تھے لیکن قوانین کے نفاذ کا حق صرف حکومت اور سلطان کو حاصل تھا اور بہ لحاظ ۲ہ وہ افتتاح کی تاریخ کو گھٹانے بڑھانے اور

اجلاس کے وقت میں توسیع وتخفیف کے مجاز تھے۔

مدحت نے کچھ زیادہ عرصے تک اپنی فتح سے ثمرہ حاصل نہیں کیا۔ اور جس کام کو اس نے شروع کیا تھا اس کو بارآور ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ۵ مارچ ۱۸۷۷ء کو محل کی ایک سازش نے اس کی طاقت کو پامال کر دیا اور اس کو گرفتار کرکے بغیر کسی قسم کی تحقیقات کے ایک جہاز پر بٹھا کر جلاوطن کر دیا گیا سلطان نے یہ خیال کرکے کہ اس کے وزیر کو ایک ایسے اچانک سفر میں روپے کی ضرورت ہوگی پانچسو ترکی پاؤنڈ بھیجے۔ مدحت پاشا نے، جو بلغاریہ اور بغداد کا مطلق العنان حکمراں رہا تھا اور جس نے ولایتوں کے لئے ایک ایسا قانون وضع کیا تھا جس نے والیوں کو بہت زیادہ آزادی دے دی تھی اور امور نظم ونسق میں مرکزی حکومت کی مداخلت کو بہت کچھ روک دیا تھا، اور اپنے تحکمانہ طریقوں اور مربیانہ طرز عمل سے سلطان کو بہت زیادہ ناراض کر دیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مدحت کے بعض دشمنوں نے جن کو سلطان کی خدمت میں بہت زیادہ رسوخ حاصل تھا سلطان کو یہ باور کرانے کی متواتر کوشش کی تھی کہ مدحت مراد پنجم کی معزولی پر متاسف اور اس کو دوبارہ تخت پر بٹھانے کے لئے موقع کا منتظر ہے۔

انگلستان کی موعودہ کانفرنس قسطنطنیہ میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس نے ان کفالتوں کی نوعیت کو مشخص کرنے سے اپنے کاروبار کی ابتدا کی، جن کا یورپ بہتر نظم ونسق کے لئے باب عالی سے مطالبہ کر رہا تھا اور اصلاح سلطنت کو اپنے آئندہ اعمال کی بنیاد قرار دیا۔ روس نے اس کانفرنس میں ترکی کی شرکت کو ممنوع قرار دینے کی کوشش کی مگر یہ اس کا ایک ادعائے باطل تھا، جس کو دوسری طاقتوں نے مسترد کر دیا۔ روس کی اس کوشش کا بہرحال اتنا اثر ضرور ہوا کہ عثمانی نمایندوں کو کانفرنس کے ابتدائی اجلاسوں میں شریک نہیں کیا گیا، جو روسی سفارت خانے میں منعقد کئے گئے تھے۔ ان اجلاسوں میں، ترکی نمایندوں کی شرکت کے بغیر، ایک مسودہ مرتب کیا گیا، جو ۲۴ دسمبر کو صفوت پاشا کے پاس بھیجا گیا اس مسودے میں حسب ذیل امور مندرج تھے:-

(۱) مالی زورنیک (Mali-Zoornik) کا سربیہ کے ساتھ

الحاق اور (statusquo ante bellum) کا قیام۔

(۲) اسپیزا، ہرسک، اور البانیہ کے بارہ اضلاع کا قرہ طاغ کے ساتھ الحاق۔

(۳) ایک عیسائی گورنر کے ماتحت، جس کو باب عالی پانچ سال کے لئے نامزد کرے گی بوسنہ اور ہرسک کے لئے کامل اختیارات خود انتظامی۔

(۴) ان صوبہ جات میں جن کو اختیارات خود انتظامی حاصل ہوں ایک مقامی فوج کا قیام۔ سلافیقی زبان کا، جو بیشتر حصۂ آبادی کی زبان تھی، دفتری زبان قرار دیا جانا اور مالگزاری کے نصف حصے کا مقامی ضروریات کے لئے محفوظ کرنا۔

(۵) صوبۂ فلپوپلی اور اس کے ملحقہ بالائی مقدونیہ کے اضلاع میں میونسپل آزادی مثلاً میئرس، ججوں اور مقامی افسران فوج کے انتخابات۔

(۶) ایک معینہ مدت کے لئے باب عالی کے اخراجات سے ان صوبہ جات پر بلجیکی (Belgiam) افواج کا قبضہ۔

ان مطالبات نے آل عثمان کے قومی جذبات میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور نتیجہ نہ صرف یہی ہوا کہ یورپ نے ان کی فتح کے ثمرات حاصل کرلئے بلکہ اس کے بعد سے ان کو ایک مردہ قوم تصور کیا جانے لگا۔ سلافیقی عنصر نے اس موقع پر جو استیلا حاصل کیا تھا اس سے یونانیوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوگیا اور وہ ترکوں کے شریک حال اور ہم آہنگ ہوگئے۔

باب عالی نے ان مطالبات کے جواب میں دستور ملکی کی آڑ میں پناہ لی، جس میں سلطنت کی تمام رعایا کے مقابلے میں باب عالی کا فرض اور علاقہ جات کی غیر قابلیت انقسام کا تذکرہ کیا گیا ہے مگر کانفرنس نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور قطعی جواب مانگا۔ باب عالی نے بالآخر مجوزہ تدابیر پر عمل پیرا ہونے سے باقاعدہ طور پر قطعی انکار کر دیا۔ گفت وشنید بہرحال ۱۵ جنوری ۱۸۷۷ء تک جاری رہی اور اسی تاریخ کو کم سے کم مطالبات سے ترکی نمایندوں کو مطلع کیا گیا:۔

ہرسک:۔ مختلف اضلاع کا قرہ طاغ سے الحاق اور سرحدات کا تعین۔

سربیہ: سیاسی حالات کا علیٰ حالہ قائم رکھنا ایک ثالثی کمیشن کے توسط سے

بوسنی سرحد کی تشخیص۔ مصروف جنگ افواج کی معینہ حدود سے خارج علاقوں کا فوری تخلیہ۔ قیدیوں کا تبادلہ۔
بلغاریہ۔ ہرسک اور بوسنہ:۔ گورنر جنرلوں کی نامزدگی پانچ سال کے لئے (ابتدائی نامزدگی بہ استرضائے دول)۔
صوبہ جات کی سنجقوں میں ذیلی تقسیم اور باب عالی کے حسب منشا متصرفوں کی نامزدگی نیز فرقہ واری عہدہ داروں کا حسب خواہش رعایا انتخاب۔ صوبہ داری مجالس کا چار سال کے لئے بذریعۂ میونسپل کونسل انتخاب جن کے فرائض میں بہ استثنائے کروڑگیری (سائرات)، ڈاک خانۂ جات (ٹپہ خانہ جات) و تار گھر، تمباکو و شراب، بہ رضامندی فرقہ واری کونسل جمع بندی و تحصیل محاصل داخل ہوگا۔ لگان بندی کے طریقے کی منسوخی اور بقایا کی معافی۔ بہ لحاظ مالگزاری ہر پانچ سال کے لئے مقررہ بجٹ کی ترتیب۔ عدالتوں کی تنظیم جدید اور مقدمات کی تحقیقاتوں کی شہرت۔ مذہبی آزادی اور جبریہ تبدیل مذہب کے خلاف ضمانت۔ ہر فرقے کے اخراجات سے اس کے پادریوں اور مذہبی علمے کی معاشی۔ مدد عدالتوں اور امور نظم و نسق میں ملکی زبان اور ترکی زبان کا ایک ہی وقت میں استعمال بے قاعدہ فوجوں کی بھرتی اور چرکسی نوآبادیوں کے قیام کے طریقے کا انسداد۔ ایک مشترکہ فوج اور جندارمہ کا قیام جس کے افسران زیر دست کو ولی نامزد کریں گے۔ ان تمام عیسائیوں کو عام طور پر معافی جن کو کسی قانونی یا سیاسی جرم میں سزا دی گئی ہے۔ دو نگرانکار کمیشنوں کی حسب تجویز دول نامزدگی؛

اسی کے ساتھ ساتھ ترکی کو یہ تہدید بھی کردی گئی تھی کہ اگر باب عالی نے یورپ کی مطلوبہ ان اصلاحات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو دول کے سفیر فوراً قسطنطنیہ سے روانہ ہو جائیں گے۔ انگلستان کی خفیہ امداد کے بل پر ترکی حکومت نے اس دھمکی کی کوئی پروا نہیں کی اور مدحت پاشا نے ایک مجلس قومی کے توسط سے جس میں ایک سو اسی مسلمان ممبر اور عیسائی رعایا کے ساٹھ نمایندے، جن کی مطاوعت پر اس کو کامل یقین تھا، شریک تھے، ان تجاویز کو مسترد کرا دیا۔ ۲۰ جنوری کو صفوت پاشا نے استرداد کی اطلاع دول کو دی۔ کانفرنس کو ظاہر ہے کہ

ناکامی ہوئی جس دن یہ کانفرنس برخاست ہوئی جنرل اگنےٹیف کے منہ سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے جو در اصل اس شدید طوفان کی ایک قبل از قبل اطلاع تھی جو ترکی کی سیاسی فضا میں نمودار ہونے والا تھا:-

"مجھے اس امر کے اعلان میں کوئی پس و پیش نہیں ہے کہ اگر صلح کی گفت و شنید کے منقطع ہو جانے کے بعد ترکی اور سربیہ اور قرہ طاغ میں لڑائی ہونے والی ہے (جس کا یورپ انسداد کرنا چاہتا ہے) اور یہ کہ اگر عیسائیوں کی سلامتی کے لئے ذرا سا بھی خطرہ پیدا ہو گیا، عام اس سے کہ وہ داخلی قصبہ جات پر موثر ہو یا بندرگاہوں پر تو ان دونوں صورتوں میں میری حکومت ان واقعات کو ایسے واقعات سے تعبیر کرے گی جن کا منشا یورپ کو لڑائی پر مجبور کرنا ہو"۔

تجاویز پیش کردہ سے باب عالی کا انکار برطانوی سفارت کی ہمت افزائی اور روس کے طرز عمل پر، جس کے صلح جویانہ رویہ اور غیر متوقع اعتدال پسندی نے تمام دنیا کو متعجب کر دیا تھا، مبنی تھا۔ روس کے اس طرز عمل کی وجہ امپرر الکزانڈر کا تذبذب تھا، جس کو جنرل اگناٹیف (Ignatiew)، جنرل ملوٹینی (Milutene) اور سلافیقی کمیٹیوں کے، جو لڑائی کی حامی تھیں اور پرنس گورشکوف (Gortshakoff) اور ام ڈی روٹرن (Reutern) کے جو لڑائی کے جوکھوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے، متضاد مشوروں کے بیچ میں کوئی خاص طریق عمل اختیار کرنے میں پس و پیش تھا۔ پرنس بسمارک آئندہ اتحادات کو کامیاب بنانے کی غرض سے اس امر کا خواہشمند تھا کہ روس ایک بیش مصارف جنگ میں اپنی طاقت سے کام لے چنانچہ ماسکووی حکومت کے فیصلوں پر لڑائی کے حق میں اثر ڈالنے کے لئے اس نے ہر ممکن کوشش سے کام لیا۔ جنرل اسکوی نیز (Schweidnitz) سفیر المانیہ متعینہ سن پیٹر بورغ اور جنرل ورڈر، زار کے المانی ملٹری اتاچی، کو اسی طریقے پر کاربند ہونے کے متعلق احکام مل گئے۔ برلین سے لوادیا کو لڑائی کا ایک پلان بھیجا گیا جس میں المانی مستقر نے یہ ثابت کیا تھا کہ طونو در اصل کوئی حفاظت پذیر سرحد نہیں ہے اور اصل محار بہ طلب خط بلقان ہے اور یہ کہ ترکوں کے ڈھول اور بے پروائی اور ذرائع مدافعت کی ناقص الحالی کی بنا پر بلقان کو آسانی کے ساتھ فتح کر لیا جا سکے گا۔ آخر میں یہ بھی

بیان کیا گیا تھا کہ ڈھائی لاکھ آدمی ترکی کو پامال کر دینے کے لئے کافی ہوں گے بشرطیکہ مصروفیتوں کا فوراً آغاز کر دیا گیا۔

قسطنطنیہ کی کانفرنس کی ناکامی کے بعد پرنس گورشکوف نے بہر حال ایک گشتی نوٹ روسی سفرا متعینۂ لندن، برلین، رومہ، پاریس، اور ویانا کے نام روانہ کیا، جس میں ترکی کو یورپ کے فیصلے کا احترام کرنے پر مجبور کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا تھا۔ انگلستان نے عیسائیوں کے حق میں مداخلت کرنے سے انکار اور یہ اعلان کر دیا کہ وہ ایسی تدبیروں کے اختیار کئے جانے کے خلاف ہے۔ جو ترکی کے خلاف طاقت سے کام لینے کے متعلق ہوں۔ ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر باب عالی نے ان اصلاحات کی ایک نمائش کی جن کو نافذ کرنے کا اس کا ارادہ تھا اور سربیہ کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کر لی جو اس ریاست کے لئے معزز تھیں (یکم مارچ):—

"علاقۂ متنازعہ میں اسی حالت کا قیام جو جنگ سے پہلے تھی۔ سربی علاقے کا بارہ دن کے اندر تخلیہ۔ امن عام۔ سربیہ کے ارمنی اور یہودی باشندوں کے ساتھ سیاسی اور ملکی مساوات"۔[1]

فتحمند سرنیگورا کے مطالبات اور باب عالی کے داعیات کے مدنظر قرہ طاغ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تھا اس کے شرائط اسقدر نرم نہیں تھے اور قرہ طاغ کو انقطاع صلح کا ایک بہانہ قرار دے دیا گیا تھا۔

روس میں جماعت حربیہ کو جنرل اگناٹیف، جنرل ملوٹینی، گرانڈ ڈیوک نکولاس، سپہ سالار افواج کس چی نیف (Kischenew) اور صدر جماعت ڈاکٹر بولکینی (Bolknie) کے ساتھ جو ایک پان سلاوسٹ[2] لیڈر تھا، لوادیا میں کامیابی ہوئی۔ جنرل اگناٹیف کو اپنا کام پورا کرنے کا حکم دیا گیا چنانچہ اس نے ترکی کو کانفرنس کی مجوزہ اصلاحات کے

---

[1] Jules Hansen, "Les Coulisses de la Diplomatie Quinze ans'a l'etranger."

[2] حامی اتحاد سلافیقہ (رعنا)

نفاذ کا موقع دینے کی غرض سے مختلف کابینوں سے ایک باہمی مفاہمت کی تحریک کی، جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ترکی کی طرف سے دوبارہ انکار ہونے کی صورت میں دول مجتمعہ یا انفرادی طور پر مسلح مداخلت سے کام لینے کے مجاز ہوں گے۔ مخالفتوں اور دھمکیوں کے باوجود اگناٹیف کو برطانیہ کے مقابلے میں کامیابی ہوئی اور چار ہفتے کی گفت و شنید کے بعد، جس میں کئی مرتبہ خلل واقع ہوا اور جس کو کئی مرتبہ از سر نو شروع کیا گیا کاؤنٹ شوولاف (Shouvaloff) نے بالآخر ۳۱ مارچ کے معاہدے پر لندن میں دستخط کر دیے۔

دول نے اب باب عالی کے مواعید اصلاحات کو پیش نظر رکھ کر ترکی سے غیر اسلحہ بندی کا مطالبہ اور "اپنے نائبین متعینۂ قسطنطنیہ اور ان کے مقامی کارکنوں کے توسط سے اس امر کی نگرانی کرنے کی کہ حکومت عثمانیہ اپنے وعدوں کو کس طرح پورا کرتی ہے" تحریک کی۔

بصورت عدم ایفائے عہد دول کا یہ "ارادہ تھا کہ آپس میں مشورہ کر کے ایسی بہترین تدابیر اختیار کی جائیں، جو عیسائی آبادی کی فلاح اور بہبود کو متیقن کر دیں اور عام طور پر امن قائم ہو جائے۔"

اسی کے ساتھ ساتھ لارڈ ڈربی نے ایک اعلان میں جو معاہدے میں شریک کر دیا گیا تھا، اس معاہدے کو بربنائے اتفاقات و حادثات سینٹ جیمس کی کابینہ کی غایت اصلی، یعنی عام غیر اسلحہ بندی کے پورا نہ ہونے کی صورت میں، قابل انفساخ قرار دے دیا تھا اور کاؤنٹ شوولاف نے اپنی طرف سے اسی قسم کے ایک دوسرے ضمیمے میں روسی فوج کی شکست کو قرہ طاغ کے ساتھ صلح کی تکمیل اور غیر اسلحہ بندی کی کارروائی کرنے کی غرض سے سن پیٹربورغ میں ایک خاص سفیر کے تقرر کی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا تھا۔

انگریزی سفیر نے ۳ اپریل کو معاہدۂ لندن حکومت عثمانیہ کے پاس بھیجا۔ مدحت پاشا کا جانشین، ادھم پاشا، کم از کم روس کے ساتھ لڑائی کی حد تک اپنے پیشرو کا ہم خیال تھا، ادھر ترک علاقۂ متنازعہ کی واگذاشت پر کسی طرح تیار نہیں تھے اور ادھر قرہ طاغ اپنے مطالبۂ نکشش اور اسپوزیر اڑا ہوا تھا۔

عثمانی پارلیمنٹ کے اجلاس شروع ہو گئے تھے لیکن ایک عظیم اکثریت، جو ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جن کا انتخاب سیاست یا علما کے دباؤ کی بنا پر عمل میں آیا تھا، حکومت کی رائے کے خلاف اپنی کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتی تھی اور جماعت مدبر کی مقلد تھی۔ جب کبھی شام، جنینہ اور بعض دوسرے مقامات کے نائبین نے قوم کو اپنے ذہول وخمول سے چونکانا چاہا، مجلس کے شور وشغب میں ان کی آوازیں دب گئیں۔ مباحثات کو روک دیا گیا اور تمام تجاویز قانونی صرف اس دلیل کے ساتھ مسترد کر دی گئیں کہ "یہ قانون شریعت کے خلاف ہے"۔ ایک ایسے ملک میں، جہاں غلامی کا اب تک رواج تھا، جہاں مذہبی حکومت، مذہبی قانون کے متعلق، جس کو قانون دیوانی سے مقدم سمجھا جاتا تھا اور جس کو دیوانی قانون کے ساتھ خلط ملط کر دیا گیا تھا، شبہات کے اظہار پر سزائے موت عائد کیا کرتی تھی، پارلامنیت (Parliamentarism) کی اس نمود بیمائی کا خاتمہ ان نائبین کی، جو اس قدر جری تھے کہ ان اصلاحی معاملات کو اہم اور سنجیدہ تصور کرتے تھے جلاوطنی اور ایک غیر معینہ مدت کے لئے مجلس کی برخاست پر ہوا۔ مطالبات یورپ کے مقابلے میں ذرا سی رعایت ملحوظ رکھنے کا خیال بھی ترکوں کو برانگیختہ کر دیتا تھا۔ وزیر اعظم کو قرہ طاغ کے ساتھ تمام معاہدات کے مسترد کر دینے اور جنگ کو جاری رکھنے کے متعلق تقویت حاصل کر لینے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ (۱۱ اپریل)۔ دوسرے دن باب عالی نے معاہدے کی پابندی کرنے سے انکار کر دیا اور ایک گشتی میں، جو غیر ملکی سفیروں کی موسومہ تھی، اپنے داخلی امور میں یوروپین مداخلت کے خلاف احتجاج کیا اور اپنے غیر مسلح ہونے کو روس کے غیر مسلح ہونے پر منحصر کر دیا ساتھ ہی ساتھ دول سے اس امر کا تقاضا کیا کہ وہ (Settinje) کو اعتدال پسندانہ مشوروں کے سننے پر مجبور کریں۔ اسی گشتی میں یہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ باب عالی کے لئے اپنی خود مختاری کو ترک کئے بغیر یورپ کے مطالبات کو پورا کرنا ناممکن ہے اور ایسی ذلت کو گوارا کرنے کے بجائے مر جانا بہتر ہے۔

جنگ روس معاہدۂ سین اسٹفانو (۳ مارچ ۱۸۷۸ء)

ترکی مدبّرین کو مغرب کے صحیح احساسات کے متعلق، برطانوی سفارت کے مواعید کی بنا پر، جو برطانوی حکومت کی ہدایتوں سے بہت زیادہ متجاوز تھے، بہت دھوکا ہوا۔ پستہ کے مقام پر کوستھ (Kossuth) کے غوغائی مظاہروں کو اہم اور سنجیدہ تصور کر کے انھوں نے یہ باور کر لیا کہ اب تک ترکی کی صورت حال ویسی ہی ہے جیسی کہ جنگ قریم کے آغاز پر تھی۔ انھوں نے اس واقعے کو بالکل بھلا دیا کہ روس، المانیہ کی اخلاقی امداد اور آسٹریا کی غیر جانب داری کی وجہ سے بہت زیادہ طاقتور ہے۔ فرانس، جو ۱۸۷۰ء میں تباہ ہو گیا تھا اب پھر سنبھل گیا ہے۔ اور انگلستان، جو یورپ میں سب سے الگ تھلگ ہے، زیادہ سے زیادہ اپنے جہازوں کا ایک محض بے سود مظاہرہ کر سکتا ہے۔ عوام کو پے در پے فتوحات کا کامل یقین تھا۔ ترکی اخبارات نے مبالغوں سے کام لے کر، جن پر اتنا ہی زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا جتنے کہ وہ صداقت سے دور ہوتے تھے، لوگوں کو بالکل مطمئن کر دیا تھا۔ ان اخبارات کے بیان کے مطابق ترکی کی باقاعدہ فوج کی تعداد نو لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے علاوہ امیر کاشغر، یعقوب خاں، پچاس ہزار ترکمانی جنگجو بھیجنے والا تھا، مصر سے پچیس ہزار، تونس سے بارہ ہزار، اور ہندوستان اور چین سے ایک ملین رضاکار آنے والے تھے۔

اخبار بصیرت نے وقتاً فوقتاً یہ تحریر کیا تھا کہ "اگر روسیوں نے پروت کو عبور کر لیا تو اس واقعے کو اعلان جنگ سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ ہمارے مشیروں اور افواج طولو کے سپہ سالاروں کو یہ حکم مل گیا ہے کہ ایسا واقعہ پیش آنے پر وہ دریا کو عبور کر کے اس نشیبی قطعۂ ارض میں مسکوویوں کو مناسب سزا دیں۔ ہماری افواج قارص و باطوم کو بھی یہی احکام مل گئے ہیں۔" اعلان جنگ کی صورت میں ہمیں یقین ہے کہ

فرانس، انگلستان اور مجارستان، ترکی کے ساتھ روس سے لڑیں گے۔ اور یہ اس حد تک درست ہے کہ ایک انگریز نے بذریعہ تار باب عالی سے اپنے پانچ ہزار ہموطنوں کے ساتھ شاہی افواج میں شریک ہونے کی اجازت طلب کی ہے۔ سرعسکرات نے شکریہ کے ساتھ اس کو یہ اطلاع دی ہے کہ ہماری سلطنت کو سپاہیوں کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہ اگر ایسی ضرورت آئندہ پیش آئی تو ملک ہی میں نہایت آسانی کے ساتھ ایک ملین رضاکار فراہم کرلئے جائیں گے" المانیہ اب روس کا طرفدار معلوم ہوتا ہے اور مجارستان کا رویہ غیر جانب دارانہ ہے لیکن یہ یقینی ہے کہ جنگ کی پہلی ضرب پر مجارستان (آسٹریا) فوراً ترکی کی حفاظت میں آجائے گا۔ اب رہا المانیہ کا معاملہ تو وہ یہ باور کرتا ہے کہ اس کی سلامتی کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اپنے کو روس کا مخالف مشتہر کردے اور یہ کہ وہ ایک ایسا طرز عمل اختیار کرے جس سے یہ غرض پوری ہوتی ہو" "ان سب سے بڑھ کر یہ بات بھولنے کے قابل نہیں ہے کہ آٹھ لاکھ مسلح جنگجوؤں بلدی فوج کے چار لاکھ سپاہیوں اور چار لاکھ رضاکاروں کے علاوہ، جو بادشاہ کا حکم ملتے ہی روس پر حملہ کرسکتے ہیں، رومانیلی (Roumelia) اناطولی (Anatolia)، عرب، مصر، تونس اور وسطی ایشیا کے تمام مسلمان بھی تیار ہیں، جو سلطان المعظم کے ایک اشارہ ابرو پر ایک جان ہوکر اٹھ کھڑے ہوں گے"

لیکن حقیقت حال یہ نہیں تھی۔ جن بٹالینوں کے متعلق کاغذی حساب وکتاب میں یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ وہ ایک ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل ہیں ان میں در اصل کبھی پانچ سو آدمی بھی پورے نہیں ہوئے اور بعض میں تو دو سو سے بھی زیادہ آدمی نہیں تھے۔ حفظان صحت کا اس قدر ناقص انتظام تھا کہ افواج طونہ کے مستقر، شوملہ (Shoumla) پر، جہاں سلاح خانے اور شفاخانے بھی موجود تھے، صرف دو اجزاچی (کیمسٹس) تھے، جن میں سے ایک بلجیکی تھا اور دوسرا مجاری۔ یورپ اور ایشیا میں ایک ہی حالت تھی اور ترکی کے پاس کل تین لاکھ آدمی تھے۔ اسلحہ بندی اس خوبی سے کی گئی تھی کہ کوئی ضروری چیز نظر انداز نہیں کی گئی تھی پھر جہاں تک فوج کی آراستگی اور ساز وسامان کا تعلق ہے ترکی فوج کسی یورپین فوج کا مقابلہ کرسکتی تھی۔ لیکن فوج کے ترکیبی عناصر بہت زیادہ ناقص تھے۔ فوج کا

ایک بڑا حصہ تمام قسم کے بے قاعدہ جتھوں پر مشتمل تھا اور باشی بزوک زیبک، کرد، چرکس وغیرہ تمام قسم کے لوگ فوج میں داخل تھے، جو قواعد اور فوجی انتظامات سے ناآشنا اور لڑائی میں سب سے پیچھے اور لوٹ مار میں سب سے آگے رہنے والے تھے۔ ان لوگوں کے وجود سے فوج کی پیشقدمیوں میں رکاوٹیں پیدا ہوگئیں اور بحیثیت مجموعی فوج کو صرف ایک متوسط افادہ حاصل ہوا۔ باقاعدہ فوج کا جس حد تک تعلق ہے، ہر سپاہی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا لیکن اسٹاف ہرگز ان کے لائق نہیں تھا۔

معاہدۂ لندن کو مسترد کرکے ترکی نے گویا روس کو للکار دیا تھا، جس نے بغیر کسی قسم کے پس وپیش کے اس دعوت رزم کو قبول کرلیا۔ ۲۴ اپریل کو زار نے ایک اظہار نامے میں ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا۔ ترکی نے اس اعلان کا نہایت شاندار جواب دول کے پاس بھیج دیا، جس میں روس کی اعلان کردہ جنگ کی ناانصافی کا تذکرہ کیا گیا تھا، جو ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے مفادات کو کسی طرح کسی قسم کا صدمہ پہنچا اور نہ یہ ثابت کرسکتا تھا کہ معاہدے کی شرائط کے استرداد کی بنا پر اس کی حملہ آوری واجبی یاقرین انصاف ہے۔ اس جواب کے خاتمے پر باب عالی نے حسب فقرۂ معاہدۂ پیرس، یورپ سے مداخلت کے لئے اپیل کیا۔ لیکن یہ اپیل بالکل بے سود تھا۔ معاہدات کا مصرف صرف یہی ہے کہ ایک زبردست طاقت ان سے جو چاہے کام لے لے۔ لارڈ ڈربی نے ۱۹ اپریل کو انگریزی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے جو الفاظ کہے وہ یہ ہیں:۔ "واقعات کی رو اور امتداد زمانہ کے ساتھ تمام معاہدے بیکار ہوجاتے ہیں"۔

جس روز زار نے اپنا اعلان شایع کیا روسی فوجیں تین مقامات پر سرحد کو عبور کرچکی تھیں اور فوج کے ایک دستے نے یلغار کرکے ستّو ورسٹ کا فاصلہ چوبیس گھنٹے میں طے کرلیا تھا اور دریائے سریث (Sereth) کے جسر باربوش (Barboche Bridge) پر قابض ہوگیا تھا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں رومیہ کی خاص خاص سڑکیں ملتی ہیں۔

سنہ ۱۸۶۶ء کے بعد سے رفتہ رفتہ یہ ملک ٹرکی کی سیادت کو ایک موہوم اور رسمی شے تصور کرنے لگا تھا۔ اس نے عثمانی دستور کے خلاف احتجاج کیا تھا، جس میں بشمول صوبہ جات مرعوّہ سلطنت کی متحدیت اور غیر قابلیت انقسام کا اعلان اور سلطان کی تمام رعایا کو بلا تفریق مذہب وقومیت عثمانی قوم کا نام عطا کیا گیا تھا۔ تدبر نے اس احتجاج پر کوئی اعتنا نہیں کیا تھا اور انگلستان نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ رومیہ کو ترکی سلطنت کا جزو لاینفک تصور کرتا ہے۔ رومیہ نے یہ دیکھ کر اس بار کو ہمیشہ کے لئے اپنے سر سے اتار دینے کی غرض سے جو یورپ اس پر قائم رکھنا چاہتا تھا، بغاوت برپا کر دی تھی۔

۱۶ اپریل کو ایک خفیہ معاہدہ مرتب ہوا، جس کی رو سے اس ریاست کے تمام وسائل مسکوائی افواج کے لئے وقف کر دیئے گئے مگر اسی کے ساتھ یہ عہد بھی ہو گیا کہ کسی رومیہ والے کو لڑائی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ترکی نے معاہدہ پیرس پر دستخط کرنے والی دول یورپ کے سامنے رومانیہ کی علانیہ خلاف ورزیٔ معاہدہ پر اس کو بہت کچھ لعنت ملامت کی اور یورپ سے اس معاملے میں مداخلت کرنے کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے باب عالی کے محافظ بننے سے انکار کر دیا۔ طونہ کے ترکی افسروں کی کلافات (Kalafat) پر گولہ باری نے رومانیہ کو اعلان جنگ پر منتقل کر دیا چنانچہ ۱۴ مئی کو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور ساٹھ ہزار رومیائی سپاہیوں نے روسی فوج کا مستقل طور پر پیمن قائم کر دیا۔

فوج کو ایک ہی جگہ مجتمع کرنے کے بجائے، ترکی حکومت نے اس کو ہر طرف منتشر کر دیا۔ ترکی نے سوخوم کلے (Soukhoum-Kalé) کی بے سود مہم میں بہت کچھ وقت اور روپیہ ضائع کر دیا اور سلیمان پاشا کی زیر سرکردگی اپنے بہترین پچاس ہزار سپاہی قرہ طاغ سے لڑنے کے لئے بھیج دیئے۔

سپہ سالار عبدالکریم نے روسی افواج کے اجتماع میں خلل اندازی کی ذرا بھی کوشش نہیں کی یہ شخص لشکر گاہ شوملہ میں جما ہوا بیٹھا رہا اور نہ کبھی ایک لمحہ کے لئے اپنے خیمے سے باہر نکلا اور نہ کبھی حقہ کو ایک لمحے کی فرصت دی۔

مئی کے ختم ہوتے ہوتے گرانڈ ڈیوک کی فوج تمام طوئو پر پھیل گئی اور دشمن کو دھوکا دینے اور تھکانے کے لئے اس نے بے شمار مظاہرے کیے۔ ۲۲ر جون کو جنرل زمرمان (Zimmerman) نے ہرسوفہ (Hirsova) کے مقام پر دریا کو عبور کیا اور بوڑاک (Boudjak) کی لڑائی کے بعد تمام نشیبی طوتو اور دابروڈژہ (Dobroudja) پر قبضہ کرلیا۔ کچھ روز کے بعد (۲۷ر جون) فوج کے ایک بڑے حصے نے سیتسادہ تک جبراً راستہ پیدا کرلیا۔ بیرن کروڈنر نے نکاپلی کو فتح کرلیا اور اس فتح میں سات ہزار قیدی، ایکسو تیرہ توپیں، دو آہن پوش جہاز اور دس ہزار بندوقیں اس کے ہاتھ لگیں (۱۵ر جولائی)۔ دوسری طرف جنرل گورکو نے دس بٹالینوں کے ساتھ ترکوں کو بلقان سے پسپا کردیا اور ان پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا جو درہ ہائے خین کینی اور شپکا کے وسط میں واقع ہیں (۱۷ر تا ۱۹ر جولائی)۔ اس کے بعد اس نے یترا اس پر نہایت بہادری کے ساتھ حملہ کردیا۔ ان واقعات سے قسطنطنیہ میں ہر طرف دہشت طاری ہوگئی لوگ سپہ سالار اعظم اور وزیر حربیہ، ردیف پاشا کے، جو بے انتہا بدنام تھا، دشمن بن گئے "سرعسکر بے انتہا متعصب تھا اور یورپین لوگوں سے اس کو دلی عداوت تھی اور باوجود اپنی جہالت کے وہ بے انتہا دلیر اور غیر معمولی طور پر چالاک اور متجاہد واقع ہوا تھا۔ اس موقع پر اس کو یہ فخر کرنے کا قطعی حق حاصل تھا کہ اس نے سلطنت کو جنگ کے قابل بنادیا ہے۔ اس نے جہاد کا اعلان کردیا۔ اس نے استنبول کے قدیم حقوق غصب کرلئے، جن کی رو سے استنبول والے فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور تمام قابل جنگ باشندوں کو فوج میں بھرتی کرلیا۔ اور اس طرح اپنی جستی اور چالاکی سے بہت تھوڑے دنوں میں بٹالینوں کی تعداد میں جتنی کمی تھی اس کو پورا کردیا۔"

اس کو بہر حال اس گناہ کی سزا بھگتنی پڑی کہ اس نے ملک کی تنظیم کیوں کی۔ ۲۲ر جولائی کو عبدالکریم پاشا اور ردیف پاشا کو موقوف کردیا گیا اور ایک کورٹ مارشل کے روبرو ان پر مقدمہ چلایا گیا۔ فوجی عدالت میں اس قدر جراءت نہیں تھی کہ ان کے مقدمات کا منصفانہ فیصلہ کرے لہذا یہ دونوں جلاوطن کردیے گئے۔

سلیمان پاشا کو اپنی فوج کے ساتھ قرہ طاغ سے دار السلطنت کی حفاظت کے لئے فوراً طلب کرلیا گیا اور محمد علی پاشا کا تقرر سردار اکرم کی جگہ پر عمل میں آیا۔

سلیمان پاشا کی جرار فوج کی تاب مقاومت نہ لاکر جنرل گورکو مجبوراً پسپا ہوگیا تھا۔ اسکی زغرا میں اپنے یمین کی شکست کے بعد وہ بلقان میں پناہ گزیں ہوگیا تھا اور سلیمان پاشا، جو درۂ شپکا پر دوبارہ قبضہ کرلینا چاہتا تھا، اس کے تعاقب میں تھا۔ جنرل گورکو کی مصروفیتوں کے دوران میں گرانڈ ڈیوک نے اپنی فوجوں کو دو خاص حصوں میں تقسیم کردیا تھا، جن میں ایک زرویٹش (Czarevitch) کے زیر کمان یانترا (Yantra) پر متعین تھی اور محمد علی پاشا کی افواج کا مقابلہ کرنا اس کے ذمے تھا۔ دوسرا حصہ خود گرانڈ ڈیوک کی زیر کمان ستادہ میں بلقان یا عثمان پاشا کی فوج پر، روسی صفوں کے یمین کے لئے خطرہ پیدا ہونے کی صورت میں، حملہ کرنے کے لئے مجتمع رہا۔ ودین (Widdin) سے چالیس بٹالینوں کے ساتھ نکل کر، عثمان پاشا نکاپلی کی امداد کے لئے یہ سن کر روانہ ہوا کہ یہاں دشمن کا قبضہ ہوگیا ہے۔ وہ سیدھا پلونا (Pleona) کی طرف بڑھا، جو ان تمام راستوں کا مرکز ہے جو مغربی بلغاریہ اور بلقانی پہاڑیوں کی طرف جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر اس نے اس مقام کو مورچوں، خندقوں اور توپ خانے کا ایک طویل سلسلہ قائم کرکے ہر طرف سے گھیر لیا۔ روسی متنقر نے، دشمن کی فوج سے بالکل لاعلمی کی حالت میں، جنرل اسکلدر اسکودنر[1] کو پلونا پر قبضہ کرلینے کا حکم دے دیا، جہاں ان کے خیال میں صرف چھ ہزار فوج تھی۔ جنرل اسکلدر نے پیدل فوج کے ایک دستہ اور قزاقوں کے ایک بریگیڈ کے ساتھ پلونا پر حملہ کیا مگر اس کو شکست ہوئی (۲۰ جولائی) جنرل ڈی کرودنر نے اپنی فوجوں کو اپنے نائب کی فوجوں کے ساتھ ملا دیا اور (۳۰) بٹالینوں، (۳۰) اسکواڈرنوں اور (۱۸۶) توپوں کے ساتھ از سر نو حملہ کیا لیکن ترکی خندقوں کو وہ ذرا بھی صدمہ نہیں پہنچا سکا اور نہایت پریشانی کے ساتھ پسپا ہوگیا۔ ترکوں نے اب جارحانہ طرز عمل اختیار کرلیا۔ خط قرہ لوم پر محمد علی پاشا نے

[1] Schilder-Schudner

زرویش کی فوجوں کو پسپا اور اس کے جوانب کا رخ پھیر دینے کی کوشش کی۔ ایاز لر (ayaslar) (۲۲ راگست)، قرہ حسن خانی (۲۴ راگست) قنزلو اور ابلفو (Katzelew and Ablovo) (۵ ستمبر)، کی فتوحات ترکوں کے لیے فتوحات منفیہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ سرکفنیا (Tserkovinia) کی شکست (۱۲ ستمبر) سے محمد علی پاشا کے لئے عثمان پاشا کی امداد قطعی ناممکن ہو گئی۔

اس اثنا میں عثمان پاشا بھی مصروف مصاف رہا اور سلیمان پاشا بھی شپکا پر برابر حملے کرتا رہا۔ اگر یہ اہم مقام ترکوں کے قبضے میں آجاتا تو پھر تینوں عثمانی سپہ سالار ایک دوسرے سے آملتے اور روسیوں کے لئے خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتی مگر عثمان پاشا کو اسکالیفیرہ (Skalevitze) پر شکست کھا کر پلونا کی طرف ہٹ جانا پڑا (۳۱ راگست) اور سلیمان پاشا متواتر خونریز لڑائیوں کے باوجود، جو ۱۶ راگست سے ۱۷ ستمبر تک برابر جاری رہیں، روسیوں کو پسپا نہ کرسکا۔

رومیہ والوں کے خط جنگ میں در آنے اور روس سے کمک کے جس میں امپریل گارڈ خاص طور پر قابل تذکرہ ہے، پہنچ جانے کی وجہ سے روسیوں کو پلونا پر از سر نو حملے کرنے کا موقع مل گیا۔

"لیکن عثمان پاشا نے بھی وسط جولائی سے اگست تک کا زمانہ کارآمد مصروفیتوں میں بسر کیا تھا۔ ناقص اور ادنی قسم کی خندقوں اور مورچوں کی بجائے اب ایک باقاعدہ اور اعلی قسم کا خندق بند لشکر گاہ تیار ہو گیا تھا، جو مستقل قلعہ معلوم ہوتا تھا اور جس میں بے شمار اور طاقت وار توپیں بھی موجود تھیں اس کے علاوہ عثمان پاشا نے بلغاریہ کے قلعہ بند مقامات کی فوجوں اور چند مقامات کے، جو بلقان کے دوسری جانب واقع تھے، مدافعین کو طلب کر کے اپنی فوج کی تعداد میں بھی اضافہ کر لیا تھا۔ سب سے بڑا کام جو یہ ترکی سپہ سالار اس عرصے میں کرتا رہا تھا وہ تمام ملک سے امداد طلبی کا کام تھا اور رومایلی کے ساتھ سلسلہ جات رسل و رسائل کے اب تک کھلے ہونے کی وجہ سے اس نے پلونا کے مقام پر معتدبہ تعداد میں گولہ بارود۔ اور رسد

فراہم کرلی تھی۔[1]

ایک شدید لڑائی کے بعد (۳ ستمبر) لفاز (Lovatz) پر، جو خط عصمہ (Osma) کے ترکی مورچوں تک پہنچنے کا دروازہ تھا، روسیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سات سے بارہ تک روسی ان مورچوں پر حملے کرتے رہے، جو "جبال اخضر" کے نام سے موسوم تھے لیکن اس چھ دن کی مسلسل لڑائی میں ان کو صرف اس حد تک کامیابی ہوئی کہ انھوں نے خندقوں کے پہلے خط، حصار غرافیزہ (Gravitza) پر قبضہ کرلیا۔ پلونا پر بزور شمشیر قابض ہونے میں جو دشواریاں حائل تھیں ان کو رفع کرنے کی غرض سے روسی ستقر نے پلونا کا باقاعدہ طور پر محاصرہ کرلینے کا ارادہ کیا اور ٹاٹ لیبن (Totleben) فاتح سیواستاپول کو خاص حملہ آور فوج کی سپہ سالاری کے لئے طلب کیا گیا۔ سب سے پہلے پلونا کو کامل طور پر چاروں طرف سے گھیر لینے اور عثمان پاشا کو ترکی سے الگ تھلگ کردینے کی ضرورت تھی۔ جنرل گورکو کو، جس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا، اس تدبیر میں پوری کامیابی ہوئی۔ ۲۴ اکتوبر کو اس نے گورنی دبنیاک۔ اور ڈولنی دبنیاک (Gorny and Dolny-Dubniak) پر ترکوں کو شکست دے کر طلیش (Tellisch) پر قبضہ کرلیا اور صوفیہ کے ساتھ عثمان پاشا کے سلسلۂ رسل و رسائل کو مسدود کردیا۔ جنرل گورکو نے اپنی کامیابیوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور شدید لڑائیوں کے بعد وہ گدوک بلقان رزالی (Rosalitz) بتارین (Beteren) 'یابلوز (Iablowitz) طرابولی (Etropol) اور ارخانی پر یکے بعد دیگرے قابض ہوگیا۔ امدادی فوج کے لئے راستہ اب بالکل مسدود ہوگیا۔ ۹ نومبر کو جنرل سکوبلاف (Skobeloff) نے "جبال اخضر" کو فتح کرلیا اور اس پر دوبارہ قابض ہونے کے لئے ترکوں کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔ پلونا کی تسخیر میں اب صرف وقت کا سوال باقی رہ گیا تھا۔ ترکی فوج کمک سے مایوس ہوچکی تھی، قحط کا خطرہ درپیش تھا، زخمیوں اور مریضوں کی تعداد، جن تک طبی امداد نہیں پہنچ سکتی تھی، بڑھ رہی تھی اور روزانہ لڑائیوں میں ہلاک ہونے والے سپاہیوں کی

---

[1] مشرقی جنگ۔ خلاصہ فوجی نقل و حرکت کے متعلق (اقتباس از "کمرود روس" ترجمۂ کپتان ویل۔

جگہ کوئی کام کرنے والا نہیں تھا۔ اس حالت کو دیکھ کر عثمان پاشا نے محاصرین پر عام حملہ کر کے لڑتے بھڑتے نکل جانے کی کوشش کی (۱۰ دسمبر)۔ ترکی فوج نے اس موقع پر اپنی غیر معمولی شجاعت اور بہادری سے کام لیا، لیکن وہ اس آہنی حلقہ کو توڑنے میں کامیاب نہ ہوسکی جو اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور بالآخر چار مہینے کی دلاورانہ مدافعت کے بعد اس نے ہتھیار ڈالدیئے۔ ترکی فوج، جس کو زردیش روکے ہوئے تھا، پلونا پر دوبارہ قبضہ کر لینے کی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ لینہ (Lona) کی محمد علی، جو استنبول اور حرم سلطانی کے متضاد اور بعض ناقابل تعمیل احکام کی بنا پر بالکل بے دست و پا ہوگیا تھا، برطرف کر دیا گیا اور اس کی بجائے سلیمان پاشا کا تقرر عمل میں آیا۔ اس نئے سپہ سالار نے روسی فوج کے جناح پر اپنی تمام فوج کا دباؤ ڈالا۔ طراز تیانیق اور مچکہ (Trostianik and Matchka) کی لڑائیاں، جو یسار کے خلاف لڑی گئی تھیں سود مند ثابت نہیں ہوئیں (۱۹ و ۲۰ نومبر)، لیکن یمین پر الینا (Elena) کی فتح نے کچھ عرصے کے لئے عثمان بزار کے ساتھ روسی رسل و رسائل کے لئے خطرہ پیدا کر دیا۔ الینا کی لڑائی بالکل بعد از وقت تھی اور پلونا کی تسخیر نے روسیوں کی شکست الینا کا کافی بدلہ کر دیا۔ سلیمان پاشا پر اب دشمن کی اعلیٰ تر فوجوں نے حملہ کیا اور وہ مچکہ کے مقام پر چاروں طرف سے گھر گیا (۱۱ دسمبر)۔

ایشیا میں بھی ترکی فوجوں کو کچھ کامیابی حاصل نہیں ہوئی جنرل لورس میلی کوف (Loris Melikoff) نے قارص پر حملہ کیا اور جنرل در ہوگاسوف (Der-Hougassof) نے یسار پر بایزید کی طرف بڑھا، ساتھ ہی جنرل ڈیول (Devel) اور جنرل اوکلیبجو (Oklobijo) نے یمین پر حملہ کر کے اردھان کو لے لیا اور باطوم کے خلاف جنگی مصروفیتوں کا آغاز کر دیا۔ سپہ سالار افواج، لورس میلی کوف، جنرل ڈیول کی فوج سے جا ملا اور ایک ہی

---

۱ جنرل لورس میلی کوف اور یہ دونوں ارمنی تھے۔ ارامنہ کے ناموں میں در (Der) کا جزو اس امر کی علامت ہے کہ وہ پادری کی اولاد ہیں۔

قلعے میں اردھان (۱۷ رمئی) کو فتح کر کے قارص کا محاصرہ کر لیا اور ارض روم کے لئے خدشہ پیدا کر دیا۔ جنرل درہوگاسوف نے بایزید کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کے بعد (۲۰ اپریل) ورام داغ (۱۰ رجون) اور دیار (۱۲ رجون) پر ترکی فوجوں کو تباہ کر دیا۔ لیکن مختار پاشا کے سردار اسٹاف، مجری نومسلم فیضی پاشا نے جو ایک عجیب وغریب قابلیت کا آدمی تھا، ترکی کی ایشیائی فوج کو، جو اب سے پہلے مشکل سے اس قابل تھی کہ اس کو فوج کے نام سے یاد کیا جا سکے، ازسرنو آراستہ ومنظم کر لیا تھا۔ مختار پاشا نے (۵۹) پیدل بٹالینوں چار ہزار سواروں اور (۶۰) توپوں کے ساتھ زوین (Zewin) کی گھاٹیوں پر اپنا مورچہ قائم کر لیا تھا۔ اسماعیل پاشا کردوں کی ایک بے شمار فوج کے ساتھ جنرل درہوگاسوف کی مصروفیتوں کے مرکز سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔ تعداد نفری کے لحاظ سے ترکی فوج کو فوقیت حاصل تھی، لیکن بایں ہمہ جنرل لورس میلی کوف نے، درہوگاسوف کو دشمن کے نرغے سے بچانے کی غرض سے عثمانی صفوں کو چیر کر نکل جانے کی کوشش کی اور مختار پاشا سے اس کا مقابلہ ہوا (۲۶ رجون)۔ زوین میں ہزیمت پا کر اس کو مجبوراً قارص کا محاصرہ اٹھا لینا اور اسکندراپولی (Alexandropol) کی طرف پسپا ہو جانا پڑا۔ مختار پاشا برابر دشمن کا تعاقب کرتا رہا۔ جنرل درہوگاسوف بھی، باوجودیکہ تین ہزار عیسائی خاندان ترکی انتقام سے خوف زدہ ہو کر اس کے ساتھ فرار اور ان کی معیت سے فوج کے کوچ میں رخنے پیدا ہو رہے تھے، کسی نہ کسی طرح باقاعدگی کے ساتھ پسپا ہو گیا اور دشمن کو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس نے اپنی پوری فوج کو دشمن کے نرغے سے سلامت نکال لیا اور اغدیر (Igdir) جا پہنچا۔ اسماعیل پاشا، ہوگاسوف کو روکنے کے لئے چالیس بٹالینوں اور پچپن توپوں کے ساتھ اسی مقام پر ٹھہر گیا اور مختار پاشا فوج خاصہ کو ساتھ لے کر جنرل میلی کوف کے مقابلے کے لئے روانہ ہو گیا۔ قرقانہ (Kerkana) عانی (Ani) ایاغنی (Iagnia) اپاق طپیشی (Ipak-Tepessi)، افلیار (avliar) اور قزل طپی (Kizil-Tepe) کی لڑائیوں میں ترکوں کا فائدہ تو ضرور ہوا مگر مفید نتیجہ نہیں نکلا۔ روسی کمک کے انتظار میں صرف مظاہرے کرتے رہے۔ ستمبر کے آخر میں جنرل لورس میلی کوف نے، جس کی امداد کے لئے پیدل فوج کی کئی

ڈویژنیں اور بے شمار توپیں آگئی تھیں، ازسرنو جارحانہ طرز عمل اختیار کر لیا مختار پاشا نے قزل طپی کے عقب میں اپنی فوجوں کو جمع کیا لیکن الیجہ داغ (Aladja-Dagh) میں گھر کر اس نے شکست کھائی اور اس کی بقیۃ السیف فوج کے پاس سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا کہ وہ ارض روم میں داخل ہو جائے (۱۴ تا ۱۶/ اکتوبر)۔ قارص پر ازسرنو حملہ کیا گیا اور سنگینوں کی دست بدست لڑائی کے بعد وہ فتح ہو گیا۔ (۱۸/ نومبر)۔ اس فتح میں سترہ ہزار قیدی، اور تین سو توپیں روسیوں کے ہاتھ لگیں۔ مختار پاشا نے فاتح حریف کو گھیر لینے کی بے سود سی کوشش پھر کی لیکن داب بعین (Debe-Boin) میں اس کو ایک اور شکست ہوئی اور بالآخر وہ ارض روم میں ہر طرف سے گھر گیا۔[1]

جنگ ختم ہونے کے قریب تھی۔ یورپ اور ایشیا میں ترکی کے پاس اب سپاہی باقی تھے نہ مصارف جنگ۔ اسی کے ساتھ ساتھ قانون فتح و شکست نے اس کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ تسخیر پلونا کے بعد باب عالی نے صلح کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن انگریزی سفیر متعینہ قسطنطنیہ سر ہنری لیارڈ (Sig Henry Layard) نے ترکی سے لڑائی جاری رکھنے پر اصرار کیا اور برطانیہ کی مسلح مداخلت کی توقع دلائی۔ خیال یہ تھا کہ جاڑے کے شدید موسم میں دشمن کی مصروفیتیں خود بخود رک جائیں گی اور ترکی کو تنظیم جدید کا موقع مل جائے گا لیکن یہ تمام پیش بندیاں قطعاً غلط ثابت ہوئیں اور روسیوں کی زبردست فتح گرانڈ ڈیوک کی فوجوں کو استنبول کی فصیلوں تک بڑھا لائی۔ جنرل ٹاٹلیبان کی رائے یہ تھی کہ فوجوں کو آگے بڑھانے سے پہلے رشوک (Rustchuk) ودین، اور شوملہ پر حملہ کیا جائے۔ امپرر نے زرویش کی خدمات لنیہ کا صلہ دینے کی غرض سے اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا کہ موسم بہار میں اس کو افواج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا جائے گا۔ گرانڈ ڈیوک نکولا اس یہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑائی کو ختم کرنے کا فخر کسی دوسرے کو حاصل ہو۔ چنانچہ اس نے جنرل گورکو کوٹس کی بہادری اور شجاعت سے وہ خوب واقف تھا، جس طرح بھی ممکن ہو بلقان کو عبور کر لینے کا حکم دے دیا۔ بے شمار قدرتی موانعات کے باوجود

[1] جے ہانسن "ریاست کے پوشیدہ راز"

یہ سپہ سالار چشموں، دریاؤں اور اونچی اونچی چٹانوں سے توپ خانے کو کسی نہ کسی طرح
اُتار ہی لے گیا اور شاکر پاشا کی فوجوں کو تہس نہس کرتا ہوا گولہ بارود اور سامان رسد
کو سپاہیوں کی پشت پر لدوا کر طرابولی کے راستے سے بلقان کو عبور کر گیا اور
صوفیہ میں داخل ہو گیا (۴ر جنوری ۱۸۷۸ء)۔ وسط بلقان میں واصل پاشا نے
(۴۱) پلٹنوں اور (۹۳) توپوں کے ساتھ راڈیسکی (Radestky) اور سکوبلاف کی
اطاعت قبول کر لی (۹ر جنوری ۱۸۷۸ء) محاذ فلبہ (Philippopoli) پر تین روز کی
لڑائی کے بعد جنرل گورکو نے سلیمان پاشا کی فوجوں کو تباہ کر دیا۔ خود سلیمان پاشا
اطاعت پذیری سے بچنے کے لئے رودپ (Rhodope) میں پناہ گزیں ہو گیا
(۱۶ار و ۱۹ار جنوری) اور ۲۰ر جنوری کو جنرل سکوبلاف کا مقدمۃ الجیش ادرنہ پر
قابض ہو گیا۔

انھیں ایام میں سربیہ نے، جو ۱۴ر دسمبر سے از سر نو مصروف مصاف تھا،
نیش پر قبضہ کر لیا۔ سربی فوجیں روسی سپاہ سے صوفیہ کے مقام پر جا ملیں اور انھوں
نے حافظ پاشا کو گھیر لیا۔ قرہ طاغ نے، جو پہلے ہی سے نکشش، اسپوزہ، اور میدون
پر قابض تھا انطیفاری (Antivari) پر بھی قبضہ کر لیا اور سقوطری پر دباؤ ڈالا۔ ودین
نے جس کا رومانیہ محاصرہ کئے ہوئے تھا، ہمت ہار دی۔ روس کا مقدمۃ الجیش
استنبول کی طرف بڑھا تر کی نے صلح کی درخواست کی۔

۱۵ار فروری کو قزانلیک (Kezanlik) میں شرائط صلح پر دستخط ہوئے۔
انگلستان نے اب اپنے بیڑے کو مارمورہ میں بھیج کر ایک بالکل بعد از وقت فوجی مظاہرہ
کیا اور اپنے جنگی ولولوں کی نمایش کی، مگر روس ان باتوں سے ڈرنے والا
نہیں تھا اور ۳ر مارچ کو جنرل اگناٹیف نے صلح نامہ ایا ستفانوس کو باب عالی سے
جبراً منظور کرالیا۔ اس صلح نامے کی رو سے قرہ طاغ کے مقبوضات میں سہ گنا اضافہ
ہو گیا اور اسپیزہ اور انطیفاری کے بندرگاہ اس کو مل گئے سربیہ خود مختار ہو گیا
اور نیش اس کو دے دیا گیا۔

رومانیہ کو بھی آزادی مل گئی اور بسرابیہ کے معاوضے میں جو اس نے روس
کو دے دیا تھا، دبروژہ اس کو مل گیا۔

ایک نئی ریاست کے قیام نے، جو بلغاریہ کی باجگذار تھی اور جو طونو سے بحر یونان (Egean sea) تک پھیلی ہوئی تھی، یورپ میں ترکی کے پاس صرف قسطنطنیہ، گالیپولی، سلانیک، اور ان کے مضافات اپیرس، تھسلی، البانیہ اور بوسینیہ باقی چھوڑے۔ ایشیا میں روس نے قارص، اردھان باطوم اور بایزید پر دوامی قبضہ کرلیا۔

اس کے علاوہ باب عالی نے تین سو ملین (تیس کروڑ) اردبلس (۳۰۰،۰۰۰،۰۰۰ فرانکس) کا تاوان جنگ ادا کیا۔ اس معاہدے کی خبروں نے انگلستان کو چراغ پا کردیا۔ بیکنس فیلڈ کی کابینہ نے مصروف جنگ فوج کی محفوظ سپاہ کو ہتھیار باندھنے کا حکم دیا اور کوئن امپریس کے ہندوستانی سپاہیوں کے لشکر سے توازن قائم کرنے کی دھمکی دی۔ لیکن ہندوستان کی فوجوں کو ملک سے باہر لے جانے میں خطرہ تھا۔ چنانچہ ہندوستان سے صرف سات ہزار آدمی طلب کئے گئے۔ جرمنی کے طرز عمل کی بناپر آسٹریا کے تذبذب سے بچہ و تنہا ہو جانے کی وجہ سے برطانیہ میں روس کی مدافعت کرنے کی قوت باقی نہیں رہی۔ ۱۸۵۴ء میں برطانیہ صرف پچیس ہزار آدمی میدان جنگ میں بھیج سکا اور اس تاریخ سے اس کی فوجی تنظیم میں کوئی ترقی رونما نہیں ہوئی ہے۔[1]

انگریزی سفیر نے جو ترکوں سے بھی زیادہ ترکی کے معاملات میں دلچسپی لیتا تھا، عثمانی اور روسی فوجوں کے مابین، جو شتلجہ (Chatldja) میں خیمہ زن تھیں، لڑائی واقع ہو جانے کی سخت کوشش کی مگر بارآور نہیں ہوئی۔ اس نے رودپ کے کوہستانی باشندوں کی، جنھوں نے روس کے خلاف بغاوت کردی تھی، امداد کے لئے روپیہ اور فوجی افسر بھیجے مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ قریم اور تھسلی کی بغاوت اور یونان کے ساتھ جنگ کے خدشے نے باب عالی کو اپنے جنگجو مشیر کے مشوروں کو بالکل نظر انداز کردینے پر مجبور کردیا۔

لندن اور سن پیٹربروغ کے تبادلے کے بعد بسمارک کی مداخلت اور

[1] دیکھو "مجلہ دو عالم" یکم مارچ ۱۸۷۶ء مضمون بعنوان "ریویو دے دیوموند" "انگریزی فوج انیسویں صدی عیسوی میں"۔

کاؤنٹ شووالاف کی سفارت کی بنا پر روس، انگلستان اور آسٹریا میں ایک خفیہ معاہدہ طے ہوا (۳۰ مئی) اور روس نے معاہدۂ ایاستفانوس کو ایک یورپین کانگریس کے سامنے پیش کرنے کا اقرار کر لیا۔ اسی زمانے میں لارڈ بیکنس فیلڈ نے ترکی کے ساتھ ایک دفاعی معاہدہ طے کیا جس کے شرائط یہ تھے کہ:۔ "اردھان، باطوم، قارص یا ان میں سے کسی مقام کو روس کے اپنے قبضے میں رکھنے نیز اس صورت میں کہ سلسلۂ صلح نامے کی رو سے ایشیا میں ہز امپیریل میجسٹی دی سلطان کے جن مقبوضات کا تعین کیا جا چکا ہے ان میں سے کسی مقام پر قبضہ کر لینے کی کسی وقت کوشش کی گئی تو انگلستان علاقۂ زیر بحث کی بزور شمشیر مدافعت کی غرض سے ہز امپیریل میجسٹی دی سلطان کے ساتھ متحد ہو جانے کا عہد کرتا ہے۔

اس کے مقابلے میں ہز امپیریل میجسٹی دی سلطان وعدہ کرتے ہیں کہ بہتر نظم و نسق اور باب عالی کی رعایا کی، جو مقبوضات زیر بحث میں بود و باش رکھتی ہو، سلامتی کو، عام اس سے کہ وہ عیسائی ہو یا کسی اور مذہب کی پابند، پیش نظر رکھتے ہوئے، ضروری اصلاحات کو (جن کے متعلق ہر دو دول بعد میں تصفیہ کریں گے) نافذ کیا جائے گا۔ آخر میں سلطان المعظم جزیرۂ قبرص کو انگلستان کے تفویض کرتے ہیں تاکہ وہ اس قابل ہو جائے کہ اپنی ذمہ داریوں کے پورا کرنے کے ذرائع مہیا کر سکے (۴ جون)"۔ اس معاہدے کے ایک ضمیمے مورخہ یکم جولائی میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ ایسی صورت میں کہ روس قارص اور دوسرے مقامات کو جو اس نے گزشتہ جنگ میں فتح کئے ہیں دوبارہ ترکوں کے حوالے کر دے، انگلستان کو جزیرۂ قبرص کا تخلیہ کر دینا اور معاہدۂ ۴ جون ۱۸۷۸ء کو کالعدم ہو جانا چاہئے۔

اس معاہدے سے ترکی کو جو فائدہ ہوا وہ معمولی اور ناقابل لحاظ تھا۔ انگلستان نے نہ صرف ترکی کے یورپین مقبوضات ہی کو قربان کر دیا بلکہ اس نے ایک فرضی حمایت کا معاوضہ بھی ترکی سے ایک علاقے کی صورت میں حاصل کر لیا اور ایشیا پر چپکے چپکے قابض ہو گیا۔

صلح نامۂ برلن (۱۳ر جولائی ۱۸۷۸ء)

دول یورپ کی کانگریس کا افتتاح برلن کے مقام پر جرمن چانسلر کے زیر صدارت عمل میں آیا۔ انگلستان کی جانب سے لارڈ بیکنس فیلڈ، لارڈ سالسبری اور لارڈ آڈورسل جرمنی کی طرف سے پرنس بسمارک، شہزادہ ہوہن لوہی (Hohenlohe) اور بیرن ڈی بیولو آسٹریا ہنگری کی طرف سے کاؤنٹ انڈراسی، کاؤنٹ کارولی (Karolyi) اور بیرن ڈی ہیمیرلی (Haymerle)، فرانس کی جانب سے ام۔ واڈنگٹن، کاؤنٹ ڈی سینٹ والئے (vallier) اورام ڈیسپریز (Desprez) ایطالیہ کی جانب سے کاؤنٹ کورٹی اور کاؤنٹ ڈی لورے، روس کی طرف سے پرنس گورشیکوف اور بیرن ڈی اوبریل اور ترکی کی جانب سے محمد علی پاشا، قرہ تھیوڈوری پاشا (Caratheodory Pasha) اور سعد اللہ بے اس کانگریس میں شریک ہوئے۔ حکومت عثمانیہ کو یہ خیال تھا کہ محمد علی پاشا کو اپنا وزیر مختار منتخب کرکے اس نے ایک دانشمندانہ سیاسی کام انجام دیا ہے کیونکہ محمد علی پاشا المانی النسل ہے اور اس لئے بہت ممکن ہے کہ بسمارک اس کو اچھی نظر سے دیکھے لیکن اس کے برخلاف عدالت المانیہ اپنے متقیانہ تصوف کے زیر اثر اس واقعے کو فراموش نہیں کرسکی کہ محمد علی مرتد ہے نیز پروستی کے طبقۂ اعلیٰ نے اپنے میں اس کے گھل مل جانے کو جائز نہیں رکھا۔ محمد علی کی تقریروں میں بسمارک نے جس شد و مد کے ساتھ دخل دیا اور کانگریس کے ایک جلسے میں جس تحکم کے ساتھ اس کو خاموش کردیا وہ اس قدر شدید تھا کہ خود محمد علی نے کئی مباحثوں میں شریک ہونے سے احتراز کیا۔

فرانس اور ایطالیہ نے کانگریس کے مباحث میں تعجب خیز طریقے پر اپنی بے اثری کا مظاہرہ کیا۔ اور صرف دوسرے دول کے فیصلوں کے اندراج پر

اکتفا کیا۔ ام۔ واڈنگٹن نے رومانیہ کی جانب داری کے بجائے، جو مشرق کے تنہا لاطینی النسل باشندے تھے، یونان کی طرف داری اختیار کی۔ اس کی تحریک پر کانگریس نے ترکی سے مطالبہ کیا کہ وہ یونان کے ساتھ سرحد کے متعلق اس طرح تصفیہ کرلے کہ وادی قلاماز (calamas) اور وادی سیلیمبارہ (Selymbria) کو خط فاصل قرار دیا جائے۔

برلن کی گفت و شنید کے بعد جو معاہدہ مرتب ہوا (۱۳ر جولائی) اس نے معاہدۂ ایا استفانو کی رو سے جنرل اگناٹیو کے قائم کئے ہوئے حدود بلغاریہ کو دو حصوں میں منقسم کردیا۔ جن میں کا شمالی حصہ بلغاریہ کی خاص باجگذار ریاست بن گیا اور جنوبی حصے کو بہ تخفیف نصف مشرقی رومانیلی کا ایک خود مختار ترکی صوبہ قرار دیا گیا۔ صرف ایک قرارداد، جس کی انگلستان، فرانس، ایطالیہ اور خود ترکی بھی حمایت کرتی اور جس سے صرف روس اور آسٹریا کو ایک قسم کی پریشانی ہوتی، بلغاریہ اور رومیلیہ کا اتحاد جدید تھا۔ اہل رومیلیہ بلغاریہ والوں کے بہ نسبت زیادہ جری، متجاہد، ذہین اور تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے موخر الذکر کو بہت جلد اپنے میں ضم کر لیتے۔ اہل بلغاریہ میں اسی سرعت کے ساتھ رومیانیت پیدا ہو جاتی جس سرعت کے ساتھ کہ ان میں سلافیقیت پیدا ہو گئی تھی اور یہ نئی دانوبی سلطنت روس کی سدباب بن جاتی۔ مگر رومیہ کو اپنی تمام قربانیوں کا جو صلہ علاوہ خود مختاری اور اپنے زرخیز اور صحت بخش صوبۂ بسرابیہ کا دبروجہ کی وبا اور دلدلوں سے تبادلہ تھا۔

سربیہ باب عالی کی داوریت سے آزاد ہو گیا اور نیش اس کو مل گیا۔ قرہ طاغ کی خود مختاری کو بھی بالآخر باب عالی نے تسلیم کرلیا اور معاہدۂ ایا استفانو کی رو سے جو علاقہ اس نے حاصل کیا تھا اس کا ایک ثلث، بشمول انطیفاری اس کو دے دیا گیا۔

روس نے بسرابیہ پر، جو معاہدۂ ۱۸۵۶ء کی رو سے اس سے لے لیا گیا تھا، دوبارہ قبضہ کرلیا۔ قارص، اردھان، باطوم کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ بندرگاہ کی آزادی اور اس کے قلعے کے انہدام کا اعلان کردیا۔ اور

بایزید اور وادیٔ الش غرد (Alaschgerd) سے دست بردار ہوگیا۔ تاوان جنگ
کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ ترکی روس کا قرضہ سب کے آخر میں ادا کرے گی۔
اور یہ کہ روس کے حقوق، جو معاہدۂ ایا استفانو کی بنا پر قائم ہوئے ہیں،
ترکی کے دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں اس کو ترجیح نہیں
دے سکتے ہیں۔ فارس اور روس نے اس غنیمت میں حصہ بٹالیا۔
اول الذکر نے خطور (Khotour) کے ضلع پر قبضہ کرلیا اور ثانی الذکر نے
اسپیزہ کو، بوسنہ اور ہرسک پر ایک غیر معینہ مدت کے لئے قبضہ اور
اپنے حسب دلخواہ نظم ونسق کرنے کے متعلق فرمان کے ساتھ حاصل کرلیا؛
باب عالی نے اقرار کیا کہ: ــ تمام لوگوں کی شہادتیں
بلا لحاظ مذہب عدالتوں کے روبرو قابل ادخال ہوں گی (فقرہ ۶۳)؛
جزیرہ قریم میں ۱۸۶۸ء کے ترکیبی قانون کو بہ حزم واحتیاط
نافذ کیا جائے گا؛ اسی قسم کے جدید قوانین، جو مقامی ضروریات
کے مناسب حال ہوں، ترکی کے مقبوضات یورپ میں جن کے
لئے کسی خاص تنظیم کا تعین نہیں کیا گیا تھا، نافذ کئے جائیں گے
(فقرہ ۲۳)؛ جن صوبہ جات میں ارمنی لوگ آباد ہیں، ان میں
بہ لحاظ ضروریات مقامی مطلوبہ اصلاحات وانتظامات کا نفاذ
بلا تاخیر عمل میں لایا جائے گا۔ چرکسوں اور کردوں کے مقابلے میں ان
کی حفاظت کی جائے گی اور اس غرض کے لئے جو تدبیریں
اختیار کی جائیں گی ان کے متعلق دول کے پاس، جو ان کے
نفاذ پر نگرانی رکھیں گی، وقتاً فوقتاً رپورٹ بھیجی جائے گی
(فقرہ ۶۱)۔

ترکی کی پہلی تقسیم معرض عمل میں آرہی تھی معاہدہ برلن سے
نہ صرف ترکی کی تمام باجگذار ریاستیں چھن گئیں بلکہ اس کے
مقبوضات یورپ میں کا نصف حصہ بھی اس کے ہاتھ
سے نکل گیا۔ ۴ / جون کے معاہدے نے، جس میں سینٹ جیمس کی

کابینہ نے دیوان کو قابلِ شرم طریقے پر فریب دیا تھا، برطانیہ کو ایشیا کا سرپرست بنا دیا اور انگریزی سفیر نے سلطان کا ویسے ہی مشفق بننے کی کوشش کی جیسے کہ برطانوی رزیڈنٹ مغل بادشاہوں (Grand Mogul) کے مشفق بنے تھے[1]۔

---
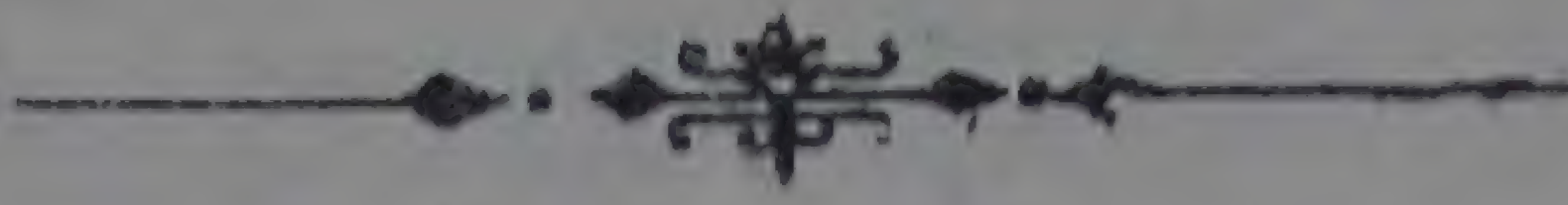
[1] بر تو اضعہائے دشمن تکیہ کردن ابلہی ست　٭　پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را (رعنا)

سترھواں باب

عبدالحمید ثانی

معاہدۂ برلن سے انحراف۔ البانی لیگ۔ ترکی اور یونانی سرحد۔ ملتہ کوشک میں مقدمے کی تحقیقات۔ مدحت پاشا کے خلاف اثبات جرم اور اس کا قتل۔ فرانسیسی تونس میں۔ مسئلہ مصر۔ عربی پاشا۔ انگریز مصر میں۔ مسئلہ بلغاریہ۔ انقلاب فلبہ (۱۸ر ستمبر ۱۸۸۵ء)۔ معاہدۂ ۵ر اپریل ۱۸۸۶ء۔ پرنس فرڈینان جنگ یونان و ترکی۔ دول کا یونان کی ناکہ بندی کرنا۔ مسئلہ ارمنیہ ہیکانی کمیٹیاں (The Haican Committees) ارمنیہ میں قتل عام کا سال۔ ساسون۔ ۱۱ر مئی ۱۸۹۵ء کی یادداشت قسطنطنیہ میں قتل عام (۲۶ر تا ۳۰ر اگست ۱۸۹۶ء)۔ اصلاحات کی تدفین۔ مسئلہ قندیہ۔ یونان سے جنگ (۱۳ر اپریل تا ۱۳ دسمبر ۱۸۹۷ء) قندیہ کے اختیارات خود انتظامی۔ (۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء) مسئلہ مقدونیہ۔ مذہبی اور فرقہ وارانہ مخالفتات بغاوت۔ معاہدۂ منسٹربورگ (Munsterberg) مقدونیہ میں اصلاحات کی ناکامیابی۔ انگریزی و روسی معاہدہ۔ عثمانی نظم و نسق کی معزولی۔

معاہدۂ برلن سے انحراف۔ البانی لیگ۔ ترکی اور یونانی سرحد۔

ابھی معاہدۂ برلن پر پوری طرح دستخط بھی نہیں ہوئے تھے کہ سلطان نے اس کے بعض شرائط سے آزادی حاصل کرنے کا خیال کیا۔ اس نے مقدونیہ، قندیہ اور ارمینیہ میں اصلاحات نافذ نہ کرنے کا قطعی طور پر مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ ساتھ ہی وہ ایسے ذریعوں کا بھی متلاشی تھا، جو تحویل مقبوضات کی ذمہ داری سے اس کو بری کر سکیں اگرچہ باب عالی نے بوسنہ اور ہرسک کا تخلیہ کر دیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آسٹریا ہنگری کے ساتھ لڑائی مول نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ اس نے حاجی لویہ میں بغاوت بھی پھیلا دی تھی، جس کی بنا پر آسٹریا والوں کو ڈیڑھ لاکھ آدمی وہاں بھیجنے پڑے تھے۔ قرہ طاغ اور یونان کے متعلق باب عالی کو یہ توقع تھی کہ ان سے متعلق شرائط معاہدۂ کو کسی نہ کسی طرح ٹال دیا جائے گا۔ ان دونوں ریاستوں کے خلاف باب عالی نے البانیہ والوں کو پوشیدہ طور پر، چھوٹی چھوٹی قوموں کے حقوق کی حفاظت کے بہانے سے اُکسا دیا۔ اور ارناؤطوں نے اپنے موروثی دشمنوں کو اپنے علاقے کا ایک حصہ دیدینے کی سخت مخالفت کی۔

مارشل محمد علی، دوم وزیر مختار عثمانیہ برلن کے مقام پر توزۂ پلیوہ اور غسینی (Goussinic) کے قرہ طاغ کے حوالے کئے جانے کے خلاف احتجاج کر چکا تھا۔ کانگریس کے بارھویں اجلاس میں اس نے ایجنڈا میں ایک ترمیم کا اضافہ کیا تھا جس کا منشا یہ تھا کہ اس کو صرف اس حد تک تجاویز پیش کردہ سے اتفاق ہے کہ جن ملکوں میں ایک ہی قوم کے لوگ آباد ہیں اور جہاں بیشتر آبادی ایک ہی مذہب کی پابند ہے، ان پر قرہ طاغ قبضہ کر لے۔ اس کا یہ خیال تھا کہ جن مقبوضات میں کیتھولک اور مسلمان مذہب کے البانی باشندے آباد تھے،

ان کا الحاق خلاف انصاف ہے۔ پلیوہ، توزہ اور غسینی میں زیادہ تر ارناؤط آباد تھے۔ پلدیز کے جاسوسوں نے لیومائی قبیلوں کو آسانی کے ساتھ اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ البانی علاقے کے اپنے قدیم دشمنوں کے حوالے کئے جانے کی سختی سے مخالفت کریں۔ شمالی البانیہ میں لوگوں نے بعجلت ممکنہ عام طور پر جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ روس اور آسٹریا کے اعتراضات کی بنا پر باب عالی نے محمد علی کو بحیثیت کمشنر سرحد کی تشخیص و تعیین کے لئے بھیجا اس کے ساتھ فوج بہت کم تھی۔ لوگوں نے بے خوف ہوکر اس کی توہین کرنی شروع کردی اور طرح طرح سے اس کو دھمکایا اور ڈرایا۔ محمد علی کو یہاں پہنچے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ لوگوں نے اس سے جبراً یہ حلف اٹھوالیا کہ وہ قرہ طاغ، سربیہ اور یونان کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر، لیگ کے جس کو مختلف فرقوں نے قائم کیا تھا، البانیہ کی تقسیم کو روکنے کی غرض سے احکام کی پابندی کرے گا۔ محمد علی اس کے برخلاف ملک میں اپنا عمل دخل قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کشاکش باہمی کا بالآخر یہ نتیجہ نکلا کہ محمد علی اور اس کی ہمراہی فوج کو جاکوا کے مقام پر قتل کردیا گیا (ستمبر ۱۸۷۸ء) اور یہ الزام اس پر قائم کیا گیا کہ اگرچہ اس نے اسلام قبول کرلیا تھا تاہم وہ دل سے ہمیشہ (Ghiaour) رہا۔

حقیقت یہ ہے کہ محمد علی حکومت عثمانیہ کی سیاسی عیاریوں کا شکار ہوگیا جس نے مخفی طور پر البانیہ والوں میں بغاوت پھیلادی تھی۔ اور پھر محض دکھاوے کی خاطر محمد علی کو، جو ان تمام پوشیدہ کارروائیوں سے قطعی ناواقف تھا، اس بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھجدیا تھا، اس پر طرہ یہ تھا کہ فوج بھی اس کو کافی تعداد میں نہیں دی گئی تھی۔

البانی لیگ نے یکم جولائی ۱۸۸۰ء کو سرکاری طور پر اپنے قیام کا اعلان اس اشتہار کے ساتھ کردیا کہ وہ البانی علاقے کی تحویل کی ہر طرح مخالفت کرنے کا مصمم ارادہ رکھتی ہے۔ لیگ کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس پرزرین (Prezrend) میں منعقد ہوا۔ اس کے علاوہ سقوطرہ اور ارگاکاسترہ (Skodra and Argyrocastro) میں دو اور کمیٹیوں کے جلسے ہوئے۔ لیکن عثمانی حکومت نے بہت جلد یہ محسوس کرلیا کہ

لیگ میں تمرد اور سرکشی پیدا ہو گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لیگ نے اب سلطانی احکام سے بے اعتنائی اور یورپ کی مخالفت کرنی شروع کر دی تھی۔ اس کا تمرد یہیں تک محدود نہیں تھا بلکہ ملک کا نظم ونسق بھی اس نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور محاصل ادا کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا تھا۔ یہ تمام باتیں دیکھ کر یلدیز کو سخت تشویش ہوئی۔

سلطان نے ایطالیہ کی پیش کردہ ایک تجویز کو بالآخر منظور کر لیا جس میں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ پلیوہ اور غسینی کی بجائے قرہ طاغ کو وہ زمینیں دے دی جائیں جو سقوطرہ کے شمال میں ہیں اور جن پر کیتھولک مذہب کے البانی قبیلوں کا قبضہ ہے۔ لیکن اس تجویز کا صرف یہ اثر ہوا کہ یہ البانی النسل کیتھولک لوگ بھی لیگ میں شریک ہو گئے۔ لیگ کے افسر اعلیٰ دو تھے جن میں سے ایک مسلمان ہود بے (Hods-Bey) اور دوسرا مرڈائٹس (Mirdites) کا کیتھولک شہزادہ پرنک بب ڈوڈا (Prenk-Bib-Doda) تھا۔ یورپ کی مصروفیتیں اگرچہ البانیہ والوں کی ان حرکتوں کی وجہ سے رک گئیں تھیں تاہم وہ ایک نہایت ہی مضحکہ خیز کارروائی کر رہا تھا۔ برلن کانفرنس نے یہ تصفیہ کیا کہ قرہ طاغ (مانٹی نیگرو) کو ڈل سگنو (Dulcigno) کا بحری علاقہ ان مقبوضات کے بجائے دے دیا جائے جو قرہ طاغ کے زیر اقتدار آنے سے انکار کر چکے تھے۔ لیکن البانیہ والوں نے فوراً ڈل سگنو پر بھی قبضہ کر لیا۔ دول نے یہ دیکھ کر ایک مشترکہ بحری مظاہرہ کا ارادہ کیا، جس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ اپنی کمزوری کی پردہ پوشی کی جائے۔ جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ مظاہرے میں شرکت کرنے والے جنگی جہازوں کو یہ صریح حکم دے دیا گیا تھا کہ آتش باری قطعی طور پر نہ کی جائے۔ یہ درست ہے کہ یوروپین تدبر قسطنطنیہ میں کارفرما تھا۔ سمرنا پر انگلستان کے قبضہ کر لینے کی دھمکی سے سلطان خوف زدہ ہو گیا چنانچہ ۹/اکتوبر ۱۸۸۰ء کو اس نے حسب تجویز برلن کانفرنس تحویل کا حکم دے دیا اور ترکی فوجوں نے ڈل سگنو پر قبضہ کر کے اس کو قرہ طاغ کے حوالے کر دیا (۲۶/نومبر) ؎

البانی لیگ نے اب تہدیدانہ طرز عمل اختیار کر لیا اور اپنی خواہشات حصول خود انتظامی کو پردۂ خفا میں نہیں رکھا۔ بلکہ ایطالوی اور انگریزی حکومتوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر اس کی امداد بھی کی، جس کا یہ اثر ہوا کہ لیگ نے باب عالی کو یہ اطلاع دے دی کہ :۔ "اہل البانیہ اپنے کو عثمانی حکومت کے اقتدار سے بالکل آزاد تصور کرتے ہیں اور اپنے پہاڑوں کی خود اپنے لئے اس وقت تک حفاظت اور مدافعت کریں گے جب تک کہ ان کو خود مختاری حاصل نہ ہو جائے"۔ لیکن لیگ کے سربرآوردہ افراد میں سے کسی ایک میں بھی ان کاموں کے انجام دینے کی اہلیت نہیں تھی، جن کا حالات حاضرہ مطالبہ کر رہے تھے۔ ہودبے کا عدم وجود برابر تھا اور پرنک بِب ڈوڈا میں، جس کی عمر صرف اکیس سال کی تھی اور جو بالکل غیر مستقل اور نرم مزاج تھا، اپنے آباؤاجداد، دوکاجین (Doukadjin) کا وحشیانہ جوش وخروش نہ تھا۔ اس کی تربیت استنبول میں ہوئی تھی۔ اس کے دل میں ترکی طاقت کا احترام بسا ہوا تھا اور اس لئے وہ ترکی کے خلاف جنگ کرنے کے خیال کی اہمیت کو کبھی سمجھ ہی نہیں سکا۔ انھیں نااہلیتوں کا نتیجہ تھا کہ عین اس وقت جب کہ ہر ایک قلب جذبات سے معمور اور ہر لمحہ میں قرہ طاغ اور لیگ کی فوجوں میں تصادم واقع ہو جانے کا متمنی تھا، ایک مرجائی (Mirdite) پادری پر الہام مقدس کا دورہ پڑا اور اس نے ایک ایسے بلند مقام پر کھڑے ہو کر، جہاں سے لشکر گاہ کا وہ حصہ مقابل تھا جس میں کیتھولک فرقے خیمہ زن تھے، تمام کیتھولک مذہب رکھنے والوں کو ارفع ترین بہشتی کی قسم دی کہ وہ قرہ طاغ والوں سے مل جائیں اور فوراً سقوطرہ پر حملہ کر دیں، جس کی مارشل درویش پاشا اور اس کی معدودے چند بٹالینیں ان کے مقابلے میں مدافعت نہیں کر سکتی تھیں۔ مرجائین اور ان کے شرکا ومعاونین نے پادریوں کی ترغیب وتحریص پر ہتھیار باندھ لئے تھے اور ان کے حسب ہدایت عمل پیرا ہونے ہی والے تھے کہ پرنک بب ڈوڈا اور ہودبے فوراً اس مقام پر آگئے اور التجاؤں اور مواعید سے کام لے کر

انھوں نے اس تحریک کو روک دیا؛

ہود بے اور بب ڈوڈا کے ماتحت چالیس ہزار آدمی تھے۔ برخلاف اس کے درویش پاشا کے پاس ان کا مقابلہ کرنے کے لئے چند کمزور بٹالینین تھیں۔ ترکی مارشل نے ان لوگوں کو ایک ترکی گن بوٹ پر، جو خلیج سقوطرہ میں کشتی محافظ کا کام دیتی تھی مدعو کیا۔ یہ لوگ آنکھیں بند کر کے پھندے میں پھنس گئے۔ کھانے کے وقت یکایک کمرے کے دروازے کھلے اور سپاہیوں کا ایک دستہ داخل ہوا۔ اپنے ہتھیاروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کئے بغیر، جو کمرے میں داخل ہوتے وقت کسی مقام پر رکھ دیئے تھے، ان لوگوں نے خاموشی کے ساتھ اپنے کو گرفتار کرادیا۔ ترکی مارشل نے اپنے قیدیوں کو استنبول روانہ کردیا، جہاں ہود بے ہیضے میں مبتلا ہو کر مر گیا اور بب ڈوڈا بہ لحاظ موقع متوسط طبقے میں مل جل گیا۔ لیگ میں اختلاف پھیل گیا۔ درویش پاشا نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر لوگوں میں روپیہ تقسیم کرنا شروع کردیا جس کی بنا پر یہ جنگجو گروہ منتشر ہو گیا۔ یونان میں سلطان کی ظالمانہ سیاست نے آدھی کامیابی حاصل کرلی۔ اور اگرچہ تھسلی سے دست بردار ہو جانا پڑا تاہم اپیرس بچ گیا۔ برلن کانگریس نے سرحدوں کی جو تعیین کی تھی وہ یونان کے حق میں مفید تھی۔ سرحدی خط ایجیین نشیب میں وادئ پنیاز اور آیونین نشیب میں وادئ کلامس پر گزرتا تھا۔ معاہدۂ برلن کے چوبیسویں فقرے میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ اگر ترکی اور یونان اس سرحد مشخصہ کے تسلیم کرنے میں متفق الرائے نہ ہوں تو معاہدے پر دستخط کرنے والی طاقتیں مداخلت کریں گی۔

۸ر فروری سے لے کر ۱۸ر مارچ ۱۸۷۹ء تک ایک ترکی اور یونانی کمیشن نے پرویزا کے مقام پر اپیرس کی سرحد کے تعین کی برابر کوشش جاری رکھی مگر سوائے تضیع اوقات کے کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ یونانی اور ترکی نمایندوں نے ۲۲ر اگست کو اس مسئلہ کا تصفیہ کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ میں ایک جلسہ کیا لیکن جب بحث و مباحثے سے عاجز ہو کر ۷ر نومبر کو یہ لوگ منتشر ہوئے تو بھی وہ اسی مقام پر تھے جہاں سے کہ پہلے دن روانہ ہوئے تھے۔ انتہا میں

لوگوں میں اضطراب پھیل گیا اور انھوں نے زور وشور کے ساتھ جنگ کی
تیاریاں شروع کردیں۔ دول نے مداخلت کی اور ۱۶ر جون ۱۸۸۰ء کو برلن کے
مقام پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۵ر جولائی کو چھ
طاقتوں کے سفیروں نے قسطنطنیہ میں باب عالی کو کانفرنس کے فیصلے سے
مطلع کیا، جس میں برلن کانگریس کے تیرھویں معاہدے کی تصدیق مزید کی گئی تھی۔
ترکوں نے ابتدأ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ معاہدے کی تکمیل کے لئے آمادہ ہیں لیکن
کچھ عرصے کے بعد انھوں نے اس امر کو بالکل بھلادیا کہ یورپ کو ان سے کیا
مطالبہ ہے؛

یونان کی طاقت اس لحاظ سے بڑھی ہوئی تھی کہ دول کو اس سے کسی
قسم کی پرخاش نہیں تھی۔ یہ بہت ممکن تھا کہ وہ ان مقبوضات پر قبضہ کرے، جو برلن
کانگریس میں اسے دیئے گئے تھے لیکن اس نے ایک سال نہایت ناقص پیمانے پر
فوجوں کو بھرتی کرنے میں ضایع کردیا اور اسی علاقے پر مجبوراً قانع ہوجانا پڑا، جو
ترکوں نے اس کو دیا تھا۔ یورپ کو اس اثنا میں ان واقعات سے کوئی
دلچسپی باقی نہیں رہی اور یہ موقع یونان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ برلن کانگریس کے
فیصلے کو تسلیم کرنے سے ترکوں کے قطعی طور پر انکار کردینے کے باوجود یوروپین
تدبر اختلافات کے رفع کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ مارچ ۱۸۸۱ء میں
دول کے سفیروں نے باب عالی کے ساتھ مفاہمت کرنے کی غرض سے قسطنطنیہ
میں ایک کانفرنس کا افتتاح کیا۔ ۲۴ر مئی کو ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کی
رو سے تھسلی کا یونان کو دیا جانا قرار پایا لیکن جس حد تک اپیرس کا تعلق تھا
کلاماس کے بجائے اردہ پر سرحد قائم کی گئی اور دوسری جولائی کو اس مضمون
کے ایک صلح نامے پر ترکی اور یونان کے دستخط ثبت ہوگئے؛

تحقیقات ملتا کوشک[1]

مدحت پاشا پر الزام اور اس کا قتل

منجملہ دوسرے امور کے عبدالحمید کا سب سے پہلا کام مدحت پاشا کا اخراج تھا، جس کی یہ غرض تھی کہ اس کو جماعت اصلاحی کے سردار کے پنجوں سے رہائی مل جائے۔ لیکن اخراج کے بعد بھی مدحت کی وہی دہشت قائم تھی جو اس کے عروج کے زمانے میں لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی تھی۔ مغربی طاقتوں کو اس کے ساتھ ہمدردی تھی، اس کو لوگوں نے خود سردار مقرر کیا تھا۔ تقدیر اس کے ساتھ تھی۔ مراد کے شرکا و معاونین اور تمام مخالفین حکومت کی توقعات اس کی ذات سے وابستہ تھیں۔ ۱۸۷۹ء میں اس وقت جب کہ انگلستان نے سلطان کو مدحت کے دوبارہ طلب کر لینے اور پانچ سال کے لئے والی شام

[1] اگرچہ مدحت پاشا کے مقدمے کی سماعت جس مختصر عدالت کے روبرو ہوئی اس کا اجلاس ملتا کوشک میں نہیں بلکہ خود یلدیز کی ایک عمارت میں ہوا تھا جو اس کوشک کے سامنے واقع تھی اور جس کو ابتداً محافظین کے رہنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ لیکن عام طور پر اس کو "تحقیقات ملتا کوشک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ملتا کوشک عبدالحمید کی بنائی ہوئی ایک قبہ نما عمارت تھی اور اس میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ عدالت کا اجلاس ہو سکے لہذا دار المحافظین (Guard-house) کا اس غرض کے لئے انتخاب کیا گیا۔ چونکہ خود اس عمارت میں بھی کافی گنجائش نہیں تھی اس لئے اس کے سامنے خیمے اس طریقے سے نصب کر دئے گئے تھے کہ ایک احاطہ سا بن گیا تھا جس میں پانچ سو آدمیوں کے لئے گنجائش تھی۔

مقرر کرنے پر اس غرض سے مجبور کیا کہ اس کو اپنی اصلاحات کی آزمائش کا موقع مل جائے، اس مجدد عصر کی قسمت کا فیصلہ ہوگیا تھا۔ چونکہ مدحت کو محض اس لئے سزا نہیں دی جا سکتی تھی کہ اس نے عبد العزیز کو تخت سے اُتار دیا تھا اس لئے کہ ایسا کرنے میں ان لوگوں پر بھی الزام آتا تھا، جو مراد کی معزولی کا باعث ہوئے تھے۔ لہذا عبد العزیز کی نعش کو قبر سے نکالنے اور خودکشی کو قتل کے الزام سے بدل دینے کا خیال کیا گیا تاکہ سلطان کش، مدحت کے خلاف لوگوں کے جذبات انتقام کو بھڑکا دیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم جو اُٹھایا گیا وہ اس کو شام سے علیحدہ کرنا تھا۔ شام میں موجود رہنے کی صورت میں اس امر کا امکان تھا کہ وہ اپنی مدافعت کرسکے۔ چنانچہ ولایت ایدین کے قبول کر لینے پر اس سے اصرار کیا گیا۔ اگرچہ اس سازش کی مدحت کو اطلاع مل گئی تھی لیکن اس نے اس کو باور نہیں کیا، ۱۷ مئی ۱۸۸۱ء کو سمرنا کے قنق کو تین ہزار آدمیوں نے گھیر لیا اور مدحت نے حرم کے ایک خفیہ دروازے سے فرار ہو کر فرانسیسی قونصل خانے میں پناہ لی۔ اس نے دول سے اس امر میں مداخلت کرنے کی التجا کی کہ ایک غیر جانب دار عدالت میں اس کے مقدمے کی تحقیقات کی جائے۔ لیکن یوروپین حکومتوں کا کمینہ پن ملاحظہ ہو کہ انھوں نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ وہ اس کے معاملے میں کچھ نہیں کرسکتیں۔ مدحت کو بالآخر اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا گیا۔ مدحت پاشا کے ساتھ ساتھ جن دوسرے لوگوں پر عبد العزیز کے قتل کا الزام لگایا گیا تھا وہ یہ تھے۔ مصطفےٰ پہلوان چاوش (کشتی گیر)۔ مصطفےٰ جزائرلی۔ حاجی محمد، جو جنگل کی نگہبان فوج سے تعلق رکھتا تھا۔ فہری بے، مرحوم سلطان کا سابق ابشنگ آقاسی (چیمبر لین)۔ میجر علی بے، ناحق پاشا کا بھائی۔ مراد کا ایڈیکانگ کرنل نجیب بے کروجی، جس پر قتل میں مبادرت کرنے کا الزام لگایا گیا تھا۔ محمد رشدی پاشا، سابق وزیر اعظم۔ داماد محمد پاشا، سابق امیر توپ خانہ۔ داماد نوری پاشا، سابق سردار محلات بزمانۂ مراد۔ حسن خیر اللہ آفندی سابق شیخ الاسلام، جس نے عزیز کی معزولی کا فتویٰ دیا تھا۔ سابق سلطان مراد

جس کے متعلق حکم نامہ گرفتاری میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ وہ اپنی دماغی حالت کی بنا پر قابل معافی ہے۔ والدہ مراد سلطانہ، جس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے مدحت سے ساز و باز کرکے عزیز کے قتل کی تیاری کی تھی اور قتل کا آخری حکم دیا تھا۔ کرنل عزت بے، نمایش محل یا مینا بازار[1] کا سابق سردار؛ اور سعید بے، مراد کا سابق ایشک آقاسی، جس پر جرم میں شرکت کا الزام لگایا گیا تھا۔

عبدالعزیز کی وفات کے بعد خودکشی کے فتوے کو اکثر لوگوں نے بے اعتباری اور اشتباہ کے ساتھ قبول کیا تھا چنانچہ اس موقع پر یہ فقرہ چست کرکے کہ "عبدالعزیز کو کسی نے خودکشی کرادی" لوگوں میں پھیلا دیا گیا اور اس کا بہت اثر ہوا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ فقرہ بجائے خود ایک لطیفہ تھا لیکن جس قدر اس میں لطافت تھی اسی قدر یہ صداقت سے دور بھی تھا۔ انیس ڈاکٹروں کی شہادت، جنھوں نے سلطان کی لاش کا معائنہ کیا تھا، ظاہر ہے کہ بالکل سچی تھی۔ معائنہ پر دستخط کرنے والے ڈاکٹروں میں، جو مختلف قوموں سے تعلق رکھتے تھے، جن کا عام طور پر اعتبار و احترام کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ ڈاکٹر میریان (Marrion) فرانسیسی سفارت کا طبیب، ڈاکٹر ڈکسن، برطانوی طبیب سفارت، ڈاکٹر جولیس وان ملنگن (Julius Van Millingen) عبدالعزیز کا خاندانی طبیب، ڈاکٹر فطالیس (Vitalis) طبیب سررشتہ حفظان صحت ڈاکٹر سوٹو (Sotto) آسٹریا ہنگری کا طبیب سفارت، ڈاکٹر اسپے ڈارو (Spadaro) اور ترکی ڈاکٹر ڈی کیسترو بے (de Castro-Bey) تھے۔ پھر ایسی صورت میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب لوگ ایک غلط دستاویز پر دستخط کرنے کی سازش میں ایک دوسرے کے شریک و معاون تھے؟

مواخذہ کرنے والوں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے

---

[1] نمایش محل یا مینا بازار (Ferie Palace) شرغان کوشک (Scheragan Palace) جہاں عزیز کو معزولی کے بعد منتقل کر دیا گیا تھا، ایک حصہ تھا۔

لاش کے جزئی معائنہ پر ہی اکتفا کیا تھا۔ انھوں نے صرف ہاتھ، پاؤں اور چہرے ہی کو دیکھا تھا اور کسی دوسرے عضو کا معائنہ نہیں کیا تھا۔ شاید ہی کوئی دوسرا دعویٰ اس قدر غلط بیانی پر مبنی ہو، جیسا کہ الزام کا یہ دعویٰ تھا۔ ڈاکٹر ڈکسن نے پیرا کے ایک اخبار میں اس غلط بیانی کی تردید شایع کرنے کی کوشش کی مگر سنسر نے اس کا خط شایع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس خط میں ڈکسن نے صرف اپنے اس بیان کی تصدیق مزید کی تھی، جو جون سنہ ۱۸۷۶ء کے برٹش میڈیکل جرنل میں عبد العزیز کی موت کے متعلق سرکاری تحقیقات کا خیال پیدا ہونے سے کہیں پہلے شایع ہو چکا تھا۔"

تحقیقات کے متعلق بحث و تمحیص ۲۷، ۲۸ اور ۲۹ جون کو برابر تین دن تک جاری رہی اور اگرچہ صدر و نائب صدر عدالت، سروری آفندی اور کرسٹو فرڈیس نے اس موقع پر بہت کچھ اخفا اور رازداری سے کام لیا تاہم نظریۂ قتل کے ثبوت میں خفیف سی شہادت بھی بہم نہیں پہنچ سکی۔ پھر ستم ظریفی یہ تھی کہ الزام کی طرف سے جو من گھڑت افسانہ پیش کیا گیا تھا، وہ نہایت ہی احمقانہ تھا۔ بیان یہ کیا گیا تھا کہ چیمبرلین، فہری بے، مصطفےٰ پہلوان اور دو باغبانوں کو ساتھ لے کر سلطان کے کمرے میں گھس گیا اور پشت کی طرف سے اس کی کمر پکڑ لی اور پھر ایک رومال سے، جس پر کلوروفارم چھڑکا ہوا تھا، اس کے منہ اور ناک کو بند کر دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان تمام کاموں کو ایک ساتھ انجام دینے کے لئے فہری بے کے کتنے ہاتھ تھے؟ فہری بے نے اس کے بعد سلطان کو زمین پر پچھاڑ دیا۔ یہاں قابل ذکر یہ امر ہے کہ عبد العزیز نہایت ہی قوی الجثہ اور شہزور آدمی تھا اور فہری بے کی اس کے مقابلے میں کوئی ہستی نہیں تھی۔ دونوں باغبانوں نے سلطان کا ایک ایک پاؤں پکڑ لیا۔ فہری بے برابر کمر پکڑے رہا۔ اور پہلوان نے ایک چاقو سے اس کی شرائیین کو کاٹ دیا۔ یہ ایک نہایت ہی مشکل عمل جراحی تھا، خصوصاً اس حالت کے لحاظ سے، جو اس وقت عبد العزیز اور فہری بے کی تھی۔ اس اثنا میں دو افسروں، کرنل نجیب بے اور میجر علی بے نے، جو گھوڑوں پر سوار ہو کر

ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے، کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر پہرہ دے رہے تھے اور چار خواجہ سراؤں نے، جو کسی اتفاق سے اس وقت وہاں موجود تھے، اس واقعے کو دیکھا۔ مصطفےٰ پہلوان اور حاجی محمد باغبان نے جرم کا اقبال کرلیا۔ مصطفےٰ اجزائرلی نے جس کو تحقیقات کے دوران میں سخت عقوبت پہنچائی گئی تھی اور جس نے ابتداً اپنی شرکتِ جرم کا اقرار کرلیا تھا، عدالت میں صاف انکار کردیا اور برابر اپنی بے گناہی کا اظہار کرتا رہا۔ دوسرے تمام ملزمین نے جرم سے قطعی طور پر انکار کردیا۔ جن چار خواجہ سراؤں کا بحیثیت شاہد جرم اُوپر ذکر کیا گیا ہے، انھوں نے تمام واقعات عدالت میں بیان کردئے۔ عبدالعزیز کی ایک سابقہ کنیز کو، جو ایک اختلاجی عورت تھی اور جس کی شادی مدحت پاشا کے ایک دشمن، محمد جلال الدین نے، جو تادم مرگ وزیر مالیہ رہا، اپنے بیٹے منیر بے کے ساتھ جو خود بھی سازش میں شریک تھا، کردی تھی، اس کے شوہر اور خسر نے خوب سکھا پڑھا دیا تھا۔ اس نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ اس نے ایک شخص مصطفےٰ جزائرلی کو عبدالعزیز کے کمرے کی کھڑکی سے کودتے ہوئے دیکھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ الزام کی طرف سے جو قیاسی بیان ارتکاب قتل کے متعلق دیا گیا تھا اس کو ایک واقعے کی حیثیت سے عدالت میں بالتفصیل بیان کیا، جس کے متعلق اس کو شاہی حرم میں، جہاں ہر شخص اس جرم سے واقف تھا، آپس کی گفتگو میں پوری معلومات حاصل ہوئی تھی۔ ایک مُلا نے، جس کا نام ایک راز سربستہ ہے، جو تحقیقات کے وقت عدالت میں موجود نہیں تھا اور جو معزولی نامے کو دیکھ کر مطمئن ہوگیا تھا، اس امر کی تصدیق کی کہ عبدالعزیز کی لاش کو غسل دیتے وقت اس کے سینے پر جانب چپ ایک زخم، منہ میں دو دانت ٹوٹے ہوئے اور ڈاڑھی کا ایک طرف کا حصہ بے ترتیب پایا تھا۔ ڈاکٹر مارکو پاشا، سابق ناظم مدرسہ طبیہ نے، جو ان لوگوں کے منجملہ تھا، جنھوں نے خودکشی کی شہادت پر دستخط کئے تھے، بیان کیا کہ عزیز کی موت کے دن، عین موت کے وقت اس نے کوس کنجوک (cos-coundjouk) سے جہاں وہ اس وقت موجود تھا، اور

جو باسفورس کے دوسرے کنارے پر صرف تین کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے، عزیز کے کمرے کی کھڑکی سے کوئی چیز گرتی ہوئی دیکھی تھی۔ وہ یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ کیا چیز تھی لیکن ایک شخص رفعت آفندی نے، جو شکاری کا پیشہ کرتا تھا اس امر کی بہر حال تصدیق کر دی کہ جس زمانے میں وہ دمشق میں تھا، اس نے مدحت پاشا والی شام کو، ایک تیسرے شخص سے یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ وہ دوسرے ملزموں کی شرکت سے عبدالعزیز کے قتل کا باعث ہوا تھا۔

اس موخر الذکر گواہ کے علاوہ اور کسی شخص کو عدالت میں طلب نہیں کیا گیا تھا۔ نہ چاروں خواجہ سرا، نہ غسال ملّا، نہ عبدالعزیز کی کنیز جو نزع کی حالت میں تھی، غرض کہ کوئی شخص عدالت میں موجود نہیں تھا۔ انیس[19] ڈاکٹروں میں سے، جنھوں نے صداقت نامۂ خودکشی پر دستخط کئے تھے، صرف چار کا عدالت میں نام لیا گیا تھا۔ مرکو پاشا اور نوری پاشا نے، جو یوروپین ڈاکٹروں کے بیان کی آڑ لئے ہوئے تھے، ظاہر کیا کہ انھوں نے لاش کے صرف ہاتھوں کا معائنہ کیا تھا۔ ایک شخص مارکل نے، جو آسٹریا کا رہنے والا تھا۔ اور بینا بازار کے باڈی گارڈ میں تھا، بیان کیا کہ ڈاکٹروں نے عزیز کے صرف چہرے اور پاؤں کا معائنہ کیا تھا۔ اس جھوٹی گواہی کے صلے میں اس شخص کو محکمۂ حفظان صحت میں ایک بیش مواجب جائداد مل گئی۔ ڈاکٹر ڈی کیسترو کا، جو اس بات پر سختی کے ساتھ قائم رہا کہ عزیز نے خودکشی کی تھی صدر و نائب صدر اور پروکیور یور جنرل جلدی جلدی قطع کلام کرتے رہے۔

الزام نے بہر حال اس دعوے کو ثابت کر دیا کہ عزیز کی شرائین کو چاقو سے کاٹا گیا تھا۔ اگر واقعی یہ صورت ہوتی تو زخموں کو بالکل صاف اور ہموار ہونا چاہئے تھا در انحالیکہ طبی شہادت میں یہ ثابت ہو چکا تھا کہ "زخموں کا نشان اوپر سے نیچے تک اور اندر باہر سے خمیدہ ہے اور اس کے کنارے ناہموار ہیں" یہ بیانات ڈاکٹروں کے اس فیصلے سے متفق نہ تھے کہ عزیز نے

خود اپنے دونوں ہاتھوں کی رگوں کو کھول لیا تھا اور بیک وقت واحد دونوں ہاتھوں پر قینچی کو استعمال کیا تھا، جو اس کی لاش کے پاس پڑی ہوئی تھی اور جو بہت چھوٹی، نکیلی اور بہت تیز تھی۔[1]

ڈاکٹر ڈکسن کو اس معاملے میں بہت زیادہ اصرار ہے۔ اس نے ڈاکٹر دان ملی گان کے ساتھ لاش کا معائنہ کیا تھا اور چہرہ، آنکھیں، منہ گردن، سینہ، پیٹ اور (دونوں شانوں کے بیچ میں) پیٹھ کے متعلق یادداشت لکھ لی تھی۔ ہونٹوں پر نیلاہٹ کا کوئی وجود نہیں تھا، جس سے یہ ظاہر ہو سکتا کہ موت گلا گھونٹنے سے واقع ہوئی۔ گلے پر دباؤ کا کوئی نشان نہیں تھا، جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ کسی قسم کی ہاتھاپائی واقع ہوئی تھی۔[1] سلطان کی لاش پر اور اس کمرے میں جہاں ہلاکت واقع ہوئی تھی کلوروفارم یا کسی دوسری قسم کی قابل تحلیل دوا کی بو بالکل نہیں تھی۔ "عبد العزیز نے اپنی ڈاڑھی بالکل صاف کر ڈالی تھی" مگر مونچھیں باقی تھیں۔" اس احترام کے لحاظ سے جو مسلمان ڈاڑھی کا کرتے ہیں یہ واقعہ کہ عزیز کی ڈاڑھی بالکل صاف تھی صرف اس کی دیوانگی سے منسوب کیا جا سکتا تھا"؛

دوران تحقیقات میں مدحت نے گواہان مواخذہ سے حسب دفعہ ۲۷۷ ضابطہ فوجداری جرح کرنے کی خواہش کی مگر عدالت نے ان تمام گواہوں اور اُن ڈاکٹروں کو، جنھوں نے عزیز کی موت کے شہادت نامے پر دستخط کیے تھے، نیز چاروں خواجہ سراؤں، غسال اور حرم سرا کی تمام عورتوں اور عبد العزیز کی ماں اور بیٹوں کو طلب کرنے سے انکار کر دیا۔ ملزموں کو اپنا اپنا وکیل منتخب کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی تھی اور ان کو مجبوراً عدالتی

[1] یہ بالکل غیر متعلق بحث ہے۔ استغاثے کی طرف سے گلا گھونٹنے یا ہاتھاپائی کا کوئی سوال ہی نہیں اُٹھایا گیا تھا۔ (رعنا)

[2] مدحت پاشا کے ایڈوکیٹ جنرل، اس فرانسیسی مصنف کو یہاں اس امر کے ظاہر کرنے کی ضرورت تھی کہ آیا اس قینچی پر خون کا کوئی داغ یا کوئی اور ایسی علامت بھی پائی گئی تھی یا نہیں، جس سے یہ ثابت ہو سکتا کہ عزیز نے واقعی اسی قینچی سے اپنے، ہاتھوں کی رگوں کو کاٹا تھا (رعنا)

وکیلوں پر بھروسہ کرنا پڑا تھا۔ مدحت کے وکیل، شہری آفندی نے اس قدر مہملیت سے کام لیا کہ مدحت کو مجبوراً اسے خاموش کر دینا پڑا اور اس نے یہ کہہ کر نہایت مسترحانہ طور پر معذرت خواہی کی کہ "اس کے سر میں بخار بھرا ہوا ہے"۔

ان لوگوں میں مراد پنجم اور اس کی والدہ کو عدالت میں طلب کرنے کی جرأت نہیں تھی۔ محمد رشید پاشا کسے، جو گنیشیا میں مرض الموت میں مبتلا تھا، ایک کمیشن نے جرح کی۔ حسن خیر اللہ کو، جو اس وقت مکہ معظمہ میں تھا، وہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ علمار کو حکومت کے خلاف برانگیختہ نہ کر دے۔ ایک ایسے مقدمے میں، جس میں حکومت ہی مدعی تھی اور حکومت ہی جج اور جو ذاتی عناد کی پیاس بجھانے کے لئے شروع کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ مدحت کے خلاف تحقیقات کا نتیجہ ملزموں کی سزا کے علاوہ اور کچھ نہیں نکل سکتا تھا۔ چنانچہ تمام ملزمین کو بہ استثنائے سعید بے وعزت بے جن کو دس دس سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی تھی، موت کا حکم سنا دیا گیا۔

مصطفےٰ پہلوان اور حاجی محمد کے علاوہ، جن کو اپنی اس جھوٹی گواہی کا کافی صلہ ملنے کا کامل یقین تھا، تمام سزا یافتہ ملزمین نے مرافعہ دائر کر دیا۔

اب ایک ایسی مشکل پیش آئی جس کا حکومت کو گمان بھی نہیں تھا۔ مجلس علمار نے، جس سے حسب قانون شریعت فتویٰ طلب کیا گیا تھا۔ یہ اعلان کر دیا کہ تمام کارروائی بالکل بے قاعدہ اور تمام سزائیں نہایت غیر انصافانہ ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورۂ بالا دونوں باغبانوں کی شہادتیں ملزمین کے خلاف اس لئے کالعدم ہوگئیں کہ اصول فقہ کی رو سے ایک شخص ایک ہی وقت میں ملزم اور شاہد نہیں ہو سکتا۔ جن اقبالات کے متعلق حکومت کا بیان تھا کہ بعض ملزمین نے قلمبند کرا دیے ہیں، ان سے اس موقع پر اس لئے کام نہیں لیا جا سکتا تھا کہ ان کی تشہیر نہیں کی گئی تھی اور سب کے آخر میں اگر، جیسا کہ استغاثے کا بیان تھا، مدحت اور اس کے

رفیقوں نے سلطان مراد کے حکم کی تعمیل کی تھی تو ایسی صورت میں نہ تو خود مدحت پر نہ دونوں باغبانوں اور نہ کسی دوسرے پاشا یا بے پر جرم عاید کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ ان لوگوں نے اپنے سلطان اور خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے فرائض منصبی کو انجام دیا تھا۔

اس آزادانہ فتوے کا یلدیز پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ علما کو عدالت کے حکم کے جواز میں فتویٰ دینے پر مجبور کرنے کے لئے ہر قسم کی کارروائی کی جا چکی تھی۔ حکومت نے یہ یقین دلا کر مجلس علماء میں اکثریت حاصل کر لی کہ ان کے انکار کر دینے کا نتیجہ ملزمین کی موت ہوگا، جو پوشیدہ طور پر قتل کر دیے جائیں گے، درانحالیکہ سلطان نے ان کو معافی دیدینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ چند نہایت راسخ اور محتاط لوگوں کے علاوہ تمام علماء رضامند ہو گئے۔ ہر شخص واقف ہے کہ عبدالحمید کس حد تک اپنے وعدوں کو پورا کیا کرتا تھا۔ مدحت اور داماد محمود پاشا کو، جنھیں طائف عرب میں جلاوطن کر دیا گیا تھا، تین سال کے بعد مئی ۱۸۸۴ء میں البانی گارڈس کے میجر فیضی بے نے، جس کو خاص اسی غرض سے قسطنطنیہ سے بھیجا گیا تھا، ان دونوں کو قتل کر دیا۔ داماد محمود پاشا نے، جو نہایت قوی الجثہ اور شہ زور آدمی تھا، شدید مقاومت کی اور اس کو قتل کرنے کے لئے بارہ آدمیوں سے مدد لینے کی ضرورت پڑی۔ مدحت اپنی قسمت پر شاکر تھا۔ وہ بغیر کسی قسم کی مدافعت کے پھانسی پر لٹک گیا۔ اس کا سر کاٹ کر ایک صندوق میں بند کر کے سلطان کے پاس بھیج دیا گیا۔ طائف کے متصرف عبداللہ آفندی نے اس قتل میں مدد دی تھی سرکاری مراسلت میں، جس میں مدحت اور محمود کی موت کی اطلاع دی گئی تھی یہ بیان کیا گیا تھا کہ ان دونوں کے اوندھے پھوڑے نکلے اور انھیں سے وہ ہلاک ہوئے۔ اس موقع پر ترکی اخبارات نے ایسے الفاظ میں جو ان کی شقاوت کا ادنیٰ ثبوت ہیں، یہ تحریر کیا کہ ملزمین میں سے بعض لوگ مختلف بیماریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔ گویا اس بیان کے مطابق مصطفےٰ جزائرلی نوری پاشا اور خیر اللہ آفندی اس واقعے سے پہلے مر چکے تھے اور بخار اور جذبۂ پشیمانی ان کی قبل از وقت ہلاکت کا باعث ہوا تھا[1]۔

---

[1] اگست ۱۹۰۹ء میں قسطنطنیہ کے جرائد نے ایک خط شایع کیا تھا، جو مدحت پاشا کے بیٹے حیدر بے مدحت نے

فرانسیسی تونس میں

ترکی تسلط کے اثنا میں، جس کا آغاز ۱۵۷۴ء میں ہوا تھا، تونس میں ہر طرف غدر مچا ہوا تھا، جس کا باعث پاشاؤں، ڈیوں (Deys) اور بیوؤں (Beys) کی حصول اقتدار کے لئے رقابتیں تھیں۔ ۱۷۰۵ء میں حسین بن علی بے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ لندن سے ان کو بھیجا تھا اور جس میں یہ تحریر تھا کہ وہ اپنے باپ کی سزا کے متعلقہ حکم پر نظر ثانی کرنے کے لئے استغاثہ دائر کرنے والا ہے۔ سرکاری حلقوں میں یہ خط بہت کچھ استعجاب اور حیرت کی نظر سے دیکھا گیا بالخصوص اس لئے کہ حیدر بے جماعت احرار کا ایک رکن تھا اور کمیٹی کے تعلقات اس سے اچھے نہیں تھے۔ جب تک عبد الحمید سریر آرائے سلطنت تھا نظر ثانی کا خیال بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ اس رسوائے عالم مقدمے میں وہی مستغیث تھا اور وہی جج۔ لیکن اب جب کہ عبد الحمید معزول ہو کر سرکاری قیدی بن گیا تھا، ان لوگوں کا، جن پر اس نے ظلم توڑے تھے، خاموشی اختیار کرنا حیرت انگیز فعل تھا۔ حکومت عبد العزیز کی موت کے مسئلہ کو اس خوف سے چھیڑنا نہیں چاہتی تھی کہ کہیں ان کوتاہ نظر لوگوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ لگ جائے، جو اسلامی احترام اور خلیفہ کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے یہ باور کرتے تھے کہ عبد العزیز نے خودکشی نہیں کی تھی۔ یہی خیالات تھے، جن کی بنا پر افسانۂ قتل کے متعلق یلدیزی سازشوں کا آغاز ہوا تھا۔ حکومت یہ نہیں چاہتی تھی کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ خلیفہ نے خودکشی کر کے دائمی عذاب اپنے اوپر نازل کر لیا تھا۔ کیا تحقیقات، مثلاً کوشک کی نظر ثانی کے واقع ہونے کا امکان ہے؟ اس میں بہت کچھ شبہے کی گنجائش ہے۔ اگرچہ عبد العزیز کے فرزند اکبر، شہزادہ یوسف عزالدین، ولیعہد سلطنت، نظر ثانی کے حامی ہیں اور انھوں اپنے اس خیال کو پوشیدہ نہیں رکھا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے والد نے خودکشی کی۔ تاہم کمیٹی نے، جو آجکل ترکی پر حاوی ہے، اس کے خلاف فیصلہ کیا ہے۔ دستوری مفادات کے لحاظ سے نظر ثانی کی بہرحال ضرورت ہے نوجوان ترک جس شخص کو شہید حریت مشہور کرنے کا کوئی موقع فروگذاشت نہیں کرتے اس کو یہ حق قطعی حاصل ہے کہ

تونس کا بلا شرکت غیرے مالک بن گیا اور ایک ایسے خاندان کی بنیاد ڈالی، جو آج تک حکمران ہے۔ تونس ترکی کا ایک زمانے میں باجگذار تھا۔ اب اس نے رفتہ رفتہ آزادی اور خودمختاری حاصل کرنی شروع کی یہاں تک کہ محمد ثانی کے زمانے میں ترکی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ ۱۸۷۱ء میں باب عالی نے اپنا اقتدار دوبارہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر ایطالیہ اور فرانس کے تخویف آمیز احتجاجات کی بنا پر کامیابی نہیں ہوئی۔ اس اثنا میں تونس والوں کی مالی طبع کچھ اتنی بڑھ گئی کہ بالآخر یوروپین سرمایہ داروں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے ایک بین قومی کمیشن قائم کیا گیا اور انگلستان، فرانس اور ایطالیہ کے مابین حکومت تونس میں اعلیٰ اقتدار قائم کرنے کے لئے رقیبانہ جدوجہد شروع ہوگئی۔ اور اس جدوجہد نے بہت جلد فرانس اور ایطالیہ کے مابین حقیقی طور پر مخالفت کی صورت اختیار کرلی۔ برلن کانگریس میں فرانس کو جرمنی نے یہ یقین دلادیا کہ فرانس تونس کے معاملے میں آزاد ہے اور یہ کہ جرمنی کی جانب سے اس باب میں کوئی مخالفت نہیں کی جائے گی۔ جرمنی کا اصل میں یہ خیال تھا کہ اس قول وقرار کی بنا پر فرانس اور ایطالیہ میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔ رومہ والوں نے پہلے ہی سے تونس کے متعلق یہ باور کرلیا تھا کہ وہ ایطالوی مقبوضات میں شامل ہے۔ چنانچہ کارکنان سفارت حکومت تونس کا اس طرح تذکرہ کرنے لگے تھے کہ گویا وہ اس کے مالک ہیں۔ جولی فیری نے (Jule's Ferry) اس معاملے کو آگے بڑھانے کا ارادہ کیا۔ قرومانی (Kroumini) قبائل کے، جو ایک حد تک خودمختار تھے، الجیریا کے علاقے میں متواتر حملوں کا عذر پیش کرکے فرانسیسی فوجیں سرحد سے پار ہوگئیں۔ ایک خفیف سی لڑائی کے بعد جنرل بریارٹ (Breart) نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اس کی بریت ثابت کی جائے، وہ ایک ہی وقت میں شہید اور قاتل کے دو مختلف ومتضاد خطابوں سے یاد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اہم اثبات بریت علمبرداران دستور جدید کا ایسا بہترین حربہ ہوگا، جس سے وہ لوگوں پر یہ ثابت کرسکیں گے کہ دیر یا جلد انتقام عامہ سلطان عبدالحمید ثانی کو اپنے کیفر کردار تک پہونچا کر رہے گا۔"

محمد صادق بے سے معاہدہ قصر سعید کو منظور کرا لیا (۱۲ ارمئی ۱۸۸۱ء)۔ اس معاہدہ قصر سعید نیز معاہدہ مارسا (Marsa) (۸ جون ۱۸۸۳ء) کی بنا پر تونس فرانسیسی پروٹیک ٹوریٹ بن گیا۔ دولت علیہ ایک ایسے ملک کے متعلق، جس کو سلطنت کا جزو لاینفک "تصور کیا جاتا تھا، اپنے حقوق کی توثیق کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔ ۱۶ ارمئی ۱۸۸۱ء کو باب عالی نے تمام سفیروں کے نام بذریعۂ تار ایک نوٹ روانہ کیا، جس میں ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ معاہدہ برلن پر دستخط کرنے والی تمام طاقتوں کو اس اقدام سے مطلع کر دیا جائے، جو فرانس کی طرف سے سلطنت عثمانیہ کی داوریت اور تمامیت کے خلاف، جن کی مختلف معاہدوں کے ذریعے سے کامل طور پر حفاظت کی جا چکی ہے، عمل میں لایا گیا ہے۔ ۱۲ ار جون کو باب عالی کی محرریہ ایک تازہ یادداشت میں تونس والوں کی حفاظت اور حمایت کے متعلق فرانس کے قونصلوں اور سیاسی کارکنوں کے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ باب عالی نے تونس اور الجیریا میں فرانس کے خلاف عربی قبائل کو بھڑکانے کی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ ترکی نے بہرحال تونس میں فرانسیسی پروٹیک ٹوریٹ کو کبھی تسلیم نہیں کیا۔ تونس والوں کی قومیت کے مسئلہ پر فرانسیسی قونصل متعینۂ ترکی اور عثمانی عہدے داروں میں اب بھی مناقشے ہوتے رہتے ہیں، جس پر تعجب اس لئے نہیں کرنا چاہئے کہ ایک طرف تو ترکی نے الجیریا والوں کو فرانس کی رعایا تسلیم کرنے سے ہمیشہ انکار کیا ہے اور دوسری طرف فرانسیسی تدبر اب تک یہ نہیں معلوم کر سکا ہے کہ تونس والوں کو کس طرح فرانس کی رعایا بنا دیا جائے درانحالیکہ اکثر موقعوں پر نہایت آسانی کے ساتھ ایسا کیا جا سکتا تھا۔

ترکی کو تونس کے علاوہ ایک اور شدید نقصان ہونے والا تھا۔ اور یہ مصر کی آزادی تھی۔

مسئلۂ مصر۔ عربی پاشا۔

انگریز مصر میں

۱۸۷۶ء میں جب اسماعیل پاشا نے اس جوڈیشل کونسل کے آگے سر جھکا دیا تھا، جس کو پبلک ڈیٹ کمیشن کے نام سے مصر کے یوروپین سرمایہ داروں کے حقوق کی حفاظت کے لئے انگلستان اور فرانس نے مشترکہ طور پر اس سے بجبر منوالیا تھا، تو خدیو کے اقتدارات کامل پر نہ صرف ایک کاری ضرب ہی پڑی تھی بلکہ ایک خطرناک ڈوئیلزم (dualism) بھی خوفناک رقابتوں کے ساتھ ساتھ پیدا ہو گیا تھا۔ انگریزی اور فرانسیسی نگرانی کا، جو مسئلۂ زر کو مسئلۂ سیاست پر یقیناً ترجیح دینے والی تھی، مصر کے جذبات قومیت کے ساتھ جلد یا بدیر لازمی طور پر تصادم ہونے والا تھا۔ اہالی مصر کبھی نہ کبھی مصر پر غیر ملکیوں کے اجارہ اور تسلط کے خلاف احتجاج اور یوروپین مہمات کا خدیوی مہمات کے ساتھ ضرور تبادلہ کرنے والے تھے؛

توفیق پاشا کے مصر میں قدم رکھتے ہی مصر والوں کی تمام تمنائیں، جو ایک عرصے سے خدیوی مظالم کے نیچے میں دبی ہوئی تھیں، نہایت شد و مد کے ساتھ ابھر آئیں۔ اسماعیل پاشا نے بلا سوچے سمجھے انگریزوں اور فرانسیسیوں کے مطالبات اور باب عالی کے احکام کے خلاف لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے ایک قومی جماعت کو قائم کرنے کی کوشش کر کے طوفان کے دروازے خود کھول دیے تھے بد قسمتی سے تحریک حاضرہ کی سرداری اور پبلک کی مطلوبہ اصلاحات کو نافذ کرنے کے بجائے توفیق پاشا نے اپنے پیشرو کے نقش قدم پر

چلنا شروع کر دیا۔ ایک فوجی اعلان، جو ان مصری افسروں کی غیر اطمینانی کا نتیجہ
تھا جو ترکی اور سرکیشی افسروں سے، جن کے لئے بظاہر تمام اعزازات وقف
کر دیے گئے تھے، عاجز آ چکے تھے، اس انقلاب کے اچانک واقع ہو جانے کا
راست سبب بن گیا، جو عرصے سے ملکی بے چینیوں کے گہوارے میں
پرورش پا رہا تھا۔ خدیو پر ترکی اور سرکیشی افسر، جن کی حرم بھی سرپرستی کرتا تھا،
اس درجے حاوی تھے کہ اس نے ایک ایسا قانون نافذ کر دیا تھا جس کی رو سے مصری افسر
ایک خاص درجے کے اوپر ترقی نہیں پا سکتے تھے۔ ۷؍ جنوری سنہ ۱۸۸۱ء کو سرکیشی
وزیر حربیہ، عثمان رفقی پاشا کے خلاف خدیو کے ملاحظے میں ایک عرضداشت
پیش کرتے وقت تین مصری سرداروں، کرنل عربی بے، کرنل علی فہمی بے اور کرنل عبداللہ بے
نے نیشنل کور (عساکر قومیہ) کے افسروں کے حقوق کی ترجمانی کی خدمت انجام دی۔
علی فہمی کو عرضداشت کا جواب لینے کے لئے محل میں طلب کر کے گرفتار
کر لیا گیا۔ فہمی کی رجمنٹ نے بغاوت کر کے تینوں افسروں کو، جو خدیو کے
محل میں زیر حراست تھے، چھڑا لیا اور خدیو نے بالآخر عثمان رفقی پاشا کو
ان سرداروں کے مطالبات پر طوعاً و کرہاً قربان کر دیا۔ عثمان رفقی کی جگہ اب
محمود سمیع پاشا، جو نیشنل پارٹی سے تعلق رکھتا تھا، وزیر حرب مقرر ہوا۔

اس فوجی تزلزل نے بہت جلد ایک عالمگیر تحریک کی صورت اختیار کر لی
اور خدیو کی مطلقیت کے باوجود جس کی اعانت پر اپنے ذاتی اغراض کے لئے
انگلستان اور فرانس بھی تھے، ایک ایسی طاقت پیدا ہو گئی، جس کے
توسط سے تمام سرکش مصری باشندوں کو وہ معراج حاصل ہونے والی تھی، جس کے
وہ مدت سے منتظر تھے۔ فوج کے ذمے یہ خدمت سپرد کی گئی کہ وہ خدیو کو
قوم کی خواہشوں سے مطلع کر کے اس کو ان کا پابند بنائے۔ بلاشبہ ان
اصلاحات کے بعد جو فوجی افسروں کی نافذ کی ہوئی تھیں، اب ان اصلاحات
کا دور دورہ ہوا جو سویلینز کی، جن کا عربی پاشا نے اپنے کو وکیل بنا لیا تھا،
مرتب کی ہوئی تھیں۔ عربی پاشا نے، جو محض اتفاقی طور پر قومی عساکر کا
سردار اعلیٰ بن گیا تھا، اب ایک مصری پارلیمنٹ کے قیام کے خیال کو

عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کیا۔ جماعت مخالف، جس نے اپنی ایک علیحدہ فوج بھی بھرتی کرلی تھی، پہلے ہی سے ایک صاف اور صریح پالیسی مرتب کرچکی تھی؛

صدر کابینہ، ریاض پاشا نے عربی پاشا کی طرف دار فوجوں کو مصر سے باہر بھیج کر اس کو بیدست وپا کردینے کی کوشش کی لیکن انھیں فوجوں نے سب سے پہلے ریاض کے خلاف قدم اٹھایا۔ ۹ر دسمبر ۱۸۸۱ء کو قاہرہ کے عسکر متحفظ نے بغاوت برپا کردی اور عربی پاشا ننگی تلوار لئے ہوئے خدیو کے پاس آیا اور اس پر اپنی خواہشات کا اظہار کیا جو حسب ذیل تھیں:۔ ریاض کی برطرفی۔ اٹھارہ ہزار تک فوج کی افزونی۔ ایک بیت النائبین کا افتتاح۔ چیمبر کا پہلا اجلاس ۲۶ر دسمبر کو ہوا لیکن گیارہ دن کے بعد لندن اور پیرس کی کابینوں نے کن ٹرولرس جنرل (متحفظین عام) کے نام ایک مشترکہ نوٹ بذریعۂ تار روانہ کیا، جس میں خدیو کو یہ یقین دلایا گیا تھا کہ دونوں حکومتیں اس کی حامی ہیں (۶ر جنوری ۱۸۸۲ء) اس نوٹ کا مقصد یہ تھا کہ توفیق پاشا کو مشتعل کردیا جائے، جو مصری پارلیمنٹ کا درجہ گھٹا کر اس کو صرف ایک انجمن مشاورت بنا دینا چاہتا تھا۔ اس نوٹ پر اظہار رائے کرتے ہوئے ٹائمز آف لندن نے خدیو کی حمایت میں مسلح مداخلت کا تذکرہ کیا اور ترکی کے انگلستان اور فرانس کے فرماں بردار (Mandatory) کی حیثیت سے عمل پیرا ہونے کی پیش بندی کی؛

سب سے اہم سوال، جو سیاسیات مصر کی راہ میں سنگ گراں بنا ہوا تھا، بجٹ کے متعلق مصری ایوان کے حقوق رائے سے تعلق رکھتا تھا۔ فرانس اور انگلستان اس کو کنٹرول کے منافی تصور کرتے تھے مگر چیمبر نے اس اختلاف کی کوئی پروا نہیں کی۔ شریف پاشا نے جو ریاض کا جانشین تھا، چیمبر کی رائے کو خدیو کی منظوری کے لئے پیش کرنے سے انکار کردیا اور اپنی خدمت سے مستعفی ہوگیا (۲ر فروری)۔ دوسرے دن اس کی جگہ محمود پاشا البرودی اور وزارت حربیہ پر عربی پاشا کا تقرر عمل میں آیا۔ ۷ر فروری کو خدیو کے ایک فرمان میں چیمبر کے فرائض کی تشریح کی گئی اور ایک آئین نافذ کیا گیا،

جس میں منجملہ دوسری باتوں کے وزراء کو ایوان کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا تھا، اور چیمبر کے حقوق رائے تسلیم کر لئے گئے تھے۔ باوجودیکہ محمود پاشا نے ابتدا ہی میں اس امر کا اظہار کر دیا تھا کہ خراج قرضۂ عامہ، اور دوسری ذمہ داریاں، جو قانون انفکاک یا دوسری بین قومی پابندیوں سے پیدا ہوں، خارج از بحث ہیں، بریں ہم گن ٹرولرس نے اس نئی صورت حال کے خلاف بھی احتجاج کر دیا (۱۷ فروری)۔

خدیو اور اس کے وزراء میں روز بروز کشیدگی بڑھتی گئی۔ ایک سازش نے، جو سرکیشی افسروں نے عرابی پاشا کے خلاف خدیو کے اقتدار مطلق کو بحال کرنے کی غرض سے برپا کی تھی، آپس کی نااتفاقیوں کو کمال کے درجے تک پہنچا دیا اور نتیجے میں خدیو کی طاقت عرابی پاشا کی ڈکیٹر شپ کے ہاتھوں پامال ہو گئی۔ اور لوگوں کے بے انتہا اضطراب نے شدید خطرے پیدا کر دیے۔ انگلستان اور فرانس کے قاہرانہ طرز عمل کی وجہ سے جو دوسری طاقتوں سے مداخلت کے مسئلے پر گفت و شنید کر رہے تھے، مسلمانوں میں مذہبی تعصب پیدا ہو گیا۔ اور چار انگریزی اور تین فرانسیسی جنگی جہازوں کے اسکندریہ کی بندرگاہ میں نمودار ہونے سے (۲۰ مئی) لوگوں کے جذبات اور بھی مشتعل ہو گئے۔ انگلستان اور فرانس قونصلوں نے، جن کو کن ٹرولرس نے اب تک نظر انداز کر رکھا تھا، جماعت قومی کے خلاف خدیو کے نام ایک اعلان جنگ بھیج دیا (۲۵ مئی) توفیق پاشا اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہتا تھا کہ عرابی پاشا اور اس کے دوستوں کو یا تو جلا وطن کر دیا جائے یا مصر سے ان کا اخراج ہو جائے لیکن فوج نے، جو اپنے سرداروں پر فدا تھی، خدیو کو تخت سے اتار دینے کی دھمکی دی۔

باب عالی کو ایک ایسے صوبے کے، جو سلطنت کا جزو لاینفک تھا، معاملات میں مغربی طاقتوں کی مصافی مداخلت کے خیال سے بہت کچھ پریشانی ہوئی اور اس نے دورویہ طرز عمل اختیار کر لیا۔ ادھر تو دولت علیہ ترکیہ اپنے اس عزم بالجزم کا اظہار کر رہی تھی کہ خدیو کی طاقت کی تمامیت کو

برقرار رکھا جائے گا اور ادھر وہ عربی پاشا کو خفیہ طور پر مدد دے رہی تھی۔ یلدیز میں یہ یقین کیا جاتا تھا کہ عربی پاشا پان اسلامزم کا دل و جان سے حامی ہے۔ کوشش یہ کی جارہی تھی کہ قاہرہ میں غدر پھیلا دیا جائے تاکہ مصر کو فوجیں بھیجنے کا بہانہ نکل آئے اور اس طرح پر بشرط امکان مصر کو ایک معمولی سی ولایت میں تبدیل کردیا جائے۔ جرمنی نے ترکوں کو اس معاملے میں ہمت سے کام لینے کی ترغیب دی اور وعدہ کیا کہ یورپ ترکی مداخلت کے متعلق انگریزی اور فرانسیسی مخالفت کو بالکل مٹادے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ترک اس موقع پر جرات سے کام لے کر مصر میں فوجیں اتار دیتے تو ان کے اس فعل کے خلاف محض رسمی احتجاجات کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن عربی پاشا خدیو کی طرح سلطان کے احکام کی بھی کوئی پروا نہیں کرتا تھا۔ اس نے اپنے اس ارادے کو پوشیدہ نہیں رکھا کہ وہ عثمانی فوجوں کا مصر کی اڈے ور دم توپوں سے استقبال کرے گا۔ مصر میں سلطانی افواج کی ہزیمت تمام عربوں کو بغاوت پر آمادہ کردینے کے لئے کافی تھی لہذا سلطان نے اس موقع پر خاموشی سے کام لینا ہی مناسب سمجھا۔[1]

بحری مظاہرے کے ساتھ ساتھ انگلستان اور فرانس نے قسطنطنیہ میں ایک بین قومی کانفرنس کو بھی طلب کیا۔ حکومت عثمانیہ کی طرف سے ایک وفد بھیجا گیا، جس کی ایک نمائشی مظاہرے سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس وفد میں مارشل درویش پاشا، لبیب آفندی، صدر عدالت العالیہ اور دو عہدہ دار ان حرم سلطانی، قادری آفندی، اور اسد آفندی شریک تھے (۷ رجون)۔ مارشل درویش پاشا نے عربی پاشا کو استنبول بھیجنے کا ارادہ کیا اور بہ صورت ناکامی آخری چارۂ کار کے طور پر اس نے یہ سوچا کہ بغاوت کے جرم میں یا تو اس کو گرفتار کرلیا جائے[2] یا قتل کردیا جائے قاپوچی پاشی لوگوں کی جماعت،

[1] اس سے پہلے ایک اور وفد کو جو ۷ راکتوبر ۱۸۸۱ء کو مصر روانہ کیا گیا تھا اور مارشل علی نظامی پاشا اور علی فواد بے پر مشتمل تھا ناکامی ہوچکی تھی۔
[2] مراسلہ ام ایس بلنٹ موسومۂ دی ٹائمز،

جس کے ذمے ان لوگوں کے سر قلم کرنے کا کام تھا، جو سلطان سے بغاوت کریں، اب بھی ویسی ہی چابکدست تھی جیسی کہ زمانۂ گزشتہ میں، فرق صرف یہ تھا کہ اُن کو سرکاری طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ درویش پاشا نے مصر میں ویسی ہی چالاکی اور ہوشیاری سے کام نہیں لیا جیسا کہ اس نے البانی لیگ کے سرداروں کے خلاف کیا تھا۔ اس نے استنبول کو اس وقت جبکہ اسکندریہ میں شدید بغاوت برپا تھی (۱۲ر جون)، یہ تار دیا کہ اس کی کامیابی یقینی ہے۔ اسکندریہ کے باشندوں نے یوروپین اور عیسائی المذہب لوگوں پر حملہ کر دیا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ یوروپین فوجوں نے اپنے قومی بھائیوں کے بچانے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ عین اس وقت جبکہ بغاوت زوروں پر تھی عربی پاشا پر یہ الزام لگایا گیا کہ بغاوت کا بانی وہی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ یوروپین قونصل امن قائم کرنے کے لئے اس سے التجا کرنے پر مجبور ہو جائے۔ رینڈولف چرچل (Randolf Churchil) کے بیان کو، جس نے انگریزی دارالعوام میں صاف الفاظ میں خدیو پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے درویش پاشا کے ایما سے یہ قتل عام کرایا تھا، سن لینے کے بعد یہ سرکاری بیان بہت کچھ مشتبہ ہو جاتا ہے۔

باب عالی کے اختلاف کو نظر انداز کر کے معاہدۂ برلن پر دستخط کرنے والی طاقتیں کانفرنس کے قیام کو منظور کر چکی تھیں۔ اسی کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۲ر جون کو منعقد ہوا مگر اس کی قسمت میں ابتدا ہی سے ناکامی لکھی ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ ترکی کی عدم شرکت اور وہ تازہ ترین مخالفت تھی جس نے انگلستان اور فرانس کو دوسری طاقتوں سے علحدہ کر دیا تھا۔ بحث و تمحیص آہستہ آہستہ جاری تھی کہ سینٹ جمیس کی کابینہ نے اس کو جلد ختم کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ۶ر جولائی کو بیوکیمپ سیمور، انگریزی بیڑے کا کمانڈر اسکندریہ کے محاذ میں لنگر انداز ہوا اور مصریوں کو قلعہ بندی کا کام، جو انھوں نے شروع کر دیا تھا، فوراً بند کر دینے کا حکم دیا۔ ان کے انکار کر دینے پر اس نے ۱۱ر سے ۱۳ر جولائی تک شہر پر برابر گولہ باری کی۔ عربی پاشا نے اسکندریہ کا،

جس میں ہر طرف آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے، تخلیہ کر دیا اور آبادی نے اپنے کو یورو پین قتل و غارت کے حوالے کر دیا۔ ۱۴ر جولائی کو سیمور نے شہر کے کھنڈروں پر، جن سے اب تک دھواں نکل رہا تھا، قبضہ کر لیا تین دن کے بعد خدیو نے، جو رملہ میں اپنے محل میں اس خوف سے چھپا ہوا تھا کہ کہیں وہی سپاہی، جو اس کی حفاظت کے لئے بھیجے گئے تھے، اس کو ہلاک نہ کر دیں، عربی پاشا کو برطرف کر کے اپنے کو باغی مشتہر کر دیا۔ لیکن اسکندریہ کے باہر توفیق کا کچھ اقتدار نہیں تھا اور تمام شہر عربی پاشا کا مطیع و منقاد تھا۔

اسکندریہ کی گولہ باری سے گھبرا کر بالآخر دولت علیہ ۲۰ر جولائی کے فیصلے پر قائم ہوگئی اور از سر نو مصر کو فوج بھیجنے کے پیچیدہ مسئلہ پر بحث کرنی شروع کر دی۔ اس لیے حد دشوار معاہدے پر دستخط کرنے میں اس قدر تاخیر واقع ہوئی کہ برطانوی سفیر متعینۂ قسطنطنیہ، لارڈ ڈفرن نے ۱۸ر ستمبر کو یہ اعلان کر دیا کہ یہ معاہدہ غیر ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصر کی جماعت قومی کا اب استیصال ہو چکا تھا۔ عربی پاشا حراست میں تھا خدیو انگریزی سنگینوں کی حفاظت میں قاہرہ میں داخل ہو چکا تھا۔ طل الکبیر کی جنگ (۱۴ر ستمبر) پر، جس میں عربی پاشا کی فوج تباہ ہوئی، اب تک روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ لیکن عربی پاشا اور دوسرے سرداران بغاوت کے ساتھ انگلستان نے جو سلوک کیا اس سے ان لوگوں کی رائے کو تقویت پہنچتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گارنٹ ولزلی (Garnet Wolsely) نے اپنی یہ آسان فتح توپوں کے زور پر نہیں بلکہ دولت کے بل پر حاصل کی تھی؛

عربی پاشا کی اطاعت پذیری در اصل تمام مصر کی اطاعت پذیری تھی لہٰذا اب تمام مصر پر قابض ہو جانے کے بعد انگریزوں نے اپنے اس ارادے کو پوشیدہ نہیں رکھا کہ وہ یہاں اقامت کی غرض سے آئے ہیں دوہری حکومت (Dual Govt.) جس کا قیام جماعت قومی کے خلاف انگلستان اور فرانس کی شدید مخالفت کا حیلہ اور سبب تھا، خدیو کے ایک فرمان کے ذریعے سے ۲۰ر جنوری ۱۸۸۳ء کو ٹوٹ گئی اور مصر کا نظم و نسق

انگلستان نے سنبھال لیا۔ فرانس کے اعتراضات اور ترکی کی حقوق طلبی کی بنا پر لندن میں ایک نئی بین قومی کانفرنس منعقد ہوئی اور بغیر کسی تصفیہ کے برخاست ہوگئی۔

یوروپین طاقتوں کی بے بسی کو دیکھ کر ترکوں نے برطانیہ سے راست گفت وشنید شروع کردی اور ۲۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو ایک معاہدہ کرلیا اور یہ قرار پایا کہ ہر فریق کی طرف سے ایک غیر معمولی کمشنر کا، مصری امور کی اصلاح کے لئے تجاویز پیش کرنے کی غرض سے، مصر میں تقرر کیا جائے۔ مالی مسئلہ کے متعلق کوئی مشکل پیش نہیں آئی اور دول کی عام نگرانی کو تمام دنیا نے قبول کرلیا۔ یہی حال مصری فوج کی تنظیم جدید کا بھی ہوا جس سے افسروں کے تقررات خارج تھے۔ مارشل غازی پاشا، ترکی کمشنر کو اس امر پر اصرار تھا کہ تمام افسر ترک ہوں اور اسپچ ڈرمنڈ وولف، انگریزی کمشنر کا یہ مطالبہ تھا کہ افسروں کی زیادہ تعداد انگریز ہو۔ ابھی دو نہایت نازک مسئلے اور بھی تصفیہ طلب تھے۔ پہلا سوال ابطال مفاوضت، اور یوروپین لوگوں کے تمام مقدمات کی مصری عدالت ہائے مشترکہ میں منتقلی کے لئے عدالتی اصلاح سے متعلق تھا اور دوسرا انگریزی فوجوں کے تخلیے کے لئے ٹھیک تاریخ کے تعین سے۔ ایک طرف تو ابطال مفاوضت کے تسلیم کرنے سے دول نے انکار کردیا تھا اور دوسری طرف برطانیہ اس امر کے متعلق ہر ممکن کوشش کررہا تھا کہ اپنی فوجوں کی مصر سے روانگی کی بے درماں ذمہ داری سے بچ جائے۔

سینٹ جیمس کی کابینہ نے صرف اس تصدیق پر ہی اکتفا کیا یہ اطمینان ہوتے ہی کہ انگریزی اور ترکی معاہدے سے مصر کی خوشحالی اور حفاظت کا تیقن ہوگیا ہے قبضہ فوراً اٹھالیا جانا چاہیے۔ اس وعدے سے انگلستان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوئی۔ مصر اور سوڈان کی مستقل لڑائیوں سے سرحد پر جنگی مصروفیتوں کا ہمیشہ انھیں موقع ملتا رہا۔ مصر کو تمام بلاؤں سے محفوظ رکھنے کے لئے انھوں نے جس حاسدانہ پیرائے میں اس کی حفاظت کی تھی، اس نے انھیں اب اس امر پر مجبور کردیا تھا وہ وادیٔ نیل میں برابر پہرہ دیتے رہیں۔

سر ایچ ڈرمنڈ وولف کے توسط سے قسطنطنیہ کے ساتھ جو تازہ گفت و شنید ہو رہی تھی، اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ سات فقروں کا ایک اور معاہدہ مرتب ہوگیا، جس میں حسب ذیل امور داخل تھے:۔

بزمانۂ امن و بزمانۂ جنگ نہر سویز کی غیر جنبہ داری اور تمام دول کو اس پر عبور و مرور کی آزادی (فقرہ ۳)۔ تین سال کے اندر انگریز مصر کا تخلیہ کردیں لیکن کسی داخلی یا خارجی خطرے کی صورت میں اس خطرے کے دفعیے تک ان کو مصر میں رہنے کا حق حاصل رہے گا (فقرہ ۵)۔ اسی فقرے میں یہ عبارت بھی درج تھی کہ "اگر تخلیے کے بعد بھی فوجیں بھیجنے کی ضرورت ہو تو دونو حکومتیں اس مسئلے پر مفاہمت کریں گی اور ایک دوسرے کو وجوہ مداخلت سے مطلع کریں گی۔ ایسی صورت میں کہ ترکی فوج نہ بھیج سکے وہ ایک ہائی کمشنر مقرر کرے گی، جو اس وقت تک انگریزی کمانڈر کے ساتھ رہے گا جب تک کہ انگریزی فوجیں مصر سے واپس نہ ہو جائیں" اس معاہدے میں حسب ذیل ضمیمے بھی شامل کئے گئے تھے:۔ (۱) دو ضابطے جن کا تعلق کروڑ گیری، (Dairah-Sanié) جرائد، عدالتوں، قرنطینہ نیز مصر کے مالیات اور ریلوں سے تھا (۲) ایک آئین جس میں ان دول کو جو معاہدے میں شریک تھیں اس کا مجاز قرار دیا گیا تھا کہ اگر نہر سویز میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے تو وہ مصری علاقے کے اندر سے ایک سمندر سے دوسرے سمندر میں اپنی فوجیں لے جاسکتی ہیں۔ اس جواز کے ساتھ ایک دائمی شرط یہ عاید کی گئی تھی کہ جو طاقت اس اجازت سے فائدہ اٹھائے وہ ایک وقت میں ایک ہزار سے زیادہ فوج مصری علاقے میں نہیں لا سکے گی۔ سب کے آخر میں ایک ذیلی دستاویز میں یہ طے کیا گیا تھا کہ اگر التوائے تخلیہ کی مدت کے منقضی ہو جانے پر کسی بحر الابیض کی متصل طاقت کو اس معاہدے سے اتفاق نہ ہو تو اس صورت حال کو ایک ایسا خارجی خطرہ تصور کیا جائے گا، جس کا تذکرہ معاہدے کے فقرۂ ۵ میں کیا گیا ہے۔

تمام امور طے ہو چکے تھے مگر سلطان نے روس اور فرانس کے زیر اثر تین مہینے کی مدت تصدیقات کو یوں ہی گزر جانے دیا۔ اور معاہدہ

ایک مکتوب بنا رہا جس کا مکتوب الیہ لاپتہ ہو۔ تین سال کے بعد سلطان نے اس معاہدے پر نظر ثانی کی۔ مارچ ۱۸۹۰ء میں ترکی سفیر متعینۂ لندن رستم پاشا کو یہ حکم ملا کہ وہ لارڈ سالسبری کو معاہدۂ ڈرمنڈ وولف کی مجوزہ شرائط کے متعلق گفت وشنید کا آغاز کرنے کی دعوت دے۔ انگریزی وزیر نے اس دعوت عمل کے جواب میں گفت وشنید کے آغاز جدید کو حسب ذیل تین شرائط کی منظوری پر منحصر کر دیا۔

(۱) دوسری طاقتوں سے بالکل جداگانہ طور پر انگلستان کے اس حق کا تسلیم کیا جانا کہ وہ خارجی یا داخلی خطرے کی صورت میں ترکی کے اتحاد عمل کے بغیر فوجیں بھیج سکتا ہے۔

(۲) مصر میں انگلستان نے تنظیم جدید کے متعلق جو جو کام کیے ہیں، ان کی ضمانتوں کا تشخص۔

(۳) معاہدے کی صحت کا بلا استثنا تمام دول کی مواصلت پر انحصار تاکہ کوئی مختلف الرائے طاقت معاہدۂ پاریس کی سند پیش کر کے انگریزی فوجوں کے مصر میں بھیجے جانے کی مخالفت نہ کر سکے۔

یہ مطالبات ناقابل قبول تھے۔ باب عالی نے اس معاملے میں اصرار نہیں کیا۔ مصر کے متعلق آج شاید یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ برطانوی مقبوضات میں داخل ہے۔
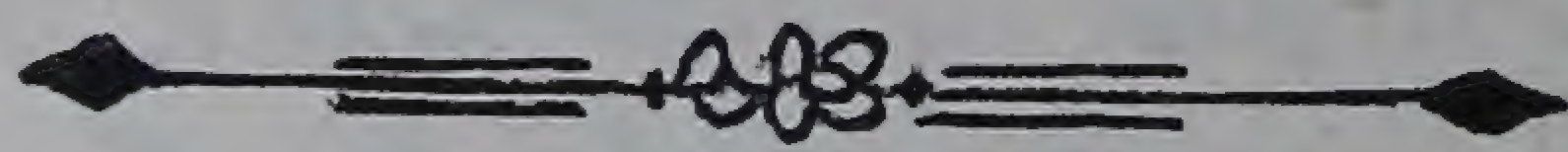
مسئلۂ بلغاریہ۔ انقلاب فلبہ (۱۸ر ستمبر ۱۸۸۵ء)۔

معاہدہ ۵ر اپریل ۱۸۸۶ء۔ پرنس فرڈیننڈ

برلن کانگریس میں انگلستان اور آسٹریا نے متفقہ طور پر ایک رائے قائم کی تھی،

جس کا کمزور پہلو یہ تھا کہ یہ دونوں ملک جزیرہ نمائے بلقان میں دوامی طور پر پیچیدگیاں اور بے اطمینانیاں پھیلا دینا چاہتے تھے۔ معاہدۂ سان استیفانو کی رو سے بلغاریہ کے جو دو حصے ہو گئے تھے، ان کی قسمت میں اپنی بے ضابطگی کی وجہ سے پہلے ہی سے سریع الزوالی لکھی ہوئی تھی۔ صوفیہ اور فلبہ دونوں مقاموں پر دول یورپ کی سیاست کو صدمہ پہنچانے کا خطرہ پیدا کر کے، جو مسئلۂ مشرق کے ہر نئے تغیر پر ظہور خوف سے لرزنے لگتی تھی، ہر ممکن طریقے سے اس اتحاد کو مجبوراً محسوس کرنا پڑتا تھا۔ معاہدۂ برلن کے سات سال بعد بلغاریہ کے قومی جذبات برانگیختہ ہو گئے اور اس نے ترکی افسروں کو مشرقی رومائلی اور بلغاریہ اعظم سے نکال کر اپنی ایک علیحدہ حکومت قائم کر لی۔ پہلی نظر میں سب سے زیادہ تعجب خیز جو امر معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ روسی حکومت نے، جس کے متعلق عام طور پر یہ خیال ہوتا تھا کہ اس کو ایک ایسی تحریک سے پوری ہمدردی ہوگی، جس نے معاہدۂ برلن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، بلغاریہ کے دونوں حصوں کے اتحاد پر سخت مخالفت کا اظہار کیا۔ در انحالیکہ انگلستان کھلم کھلا اس کا حامی تھا۔ تاہم یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ اس سے زیادہ منطقی واقعہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

روس اور ترکی کی لڑائی کے بعد مسکو کا بلا شرکت غیرے اس خودمختار صوبہ پر وہی اثر تھا، جو خود ریاست پر تھا۔ بلغاری اور مشرقی رومائلی کی فوجیں روسی افسروں کی ماتحت تھیں اور ملک کا پورا نظم و نسق یا تو روسیوں کے ہاتھوں میں تھا یا ان کے آوردہ لوگوں کے لیکن بلغاریہ روسی افسروں کا ترکی پاشاؤں کے ساتھ تبادلہ نہیں کرنا چاہتا تھا اور انکی آزادی کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ بلغاریہ والے اپنے پر خود ہی حکومت کرنا چاہتے تھے۔ روس ضرورت سے زیادہ بلغاریہ کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا تھا جیسا کہ مفتوحہ ممالک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہ کچھ تو ان عہدہ داروں کی غلط اطلاعوں کا نتیجہ تھا جنھیں روسیوں نے صوفیہ اور فلبہ میں متعین کیا تھا اور کچھ واقعات کی غلط تعبیرات کی وجہ تھی کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زار کی حکومت بلغاریہ کی اس ترقی مختتم کے دوران میں اس کی خصوصیات کو سمجھ ہی نہیں سکی۔

ادھر تو ایک یورپین بین الاقوامی کمیشن مشرقی رومانیا کی تنظیم میں مصروف تھا اور ادھر روس تنہا ریاست کے نظم و نسق کا علمبردار بنا ہوا تھا۔ بلغاری حکومت کے سامنے طرناؤ (Tirnovo) کے مقام پر سہری دستور کو اختیار کرنے کی تجویز پیش کر کے، جس کو اس وجہ سے مسترد کر دیا گیا تھا کہ وہ جماعت احرار کے اصول کے خلاف تھی، روسی کمشنر، پرنس دوندوکاؤ کورساکوف نے ذرا بھی پس و پیش کئے بغیر سوبرانجی (Sobranji) کے منظور کردہ دستور کو تسلیم کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بلغاریہ کا کانسٹیٹیوشن کچھ ایسا ہو گیا کہ جس پر اکثر فرانسیسی ریڈیکلس بھی ناک بھوں نہ چڑھاتے۔ اگر ان تمام باتوں پر اعتبار کر لیا جائے جو اس سلسلے میں کہی گئی ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ روس کی آغاز کردہ اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ بلغاریہ کی حکومت کو مسکوائی اثرات کا ہمیشہ دست نگر رکھا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ شاہ بٹین برگ، جو ایک حد تک بلغاریہ کی مجلس حکومت سے عاجز آ گیا تھا اور جس کے ملک میں احرار اور ریڈیکلس کی کثرت تھی، روس کی امداد کے بغیر بلغاریہ والوں سے نہیں لڑ سکتا تھا۔

پرنس کی منتخبہ پہلی کابینہ، جس کے وزراء کا سوبرانجی کے قلیل التعداد قدامت پسندوں میں سے انتخاب کیا گیا تھا اپنے اقتدار کو اس واقعے کے باوجود قائم نہیں رکھ سکی کہ ام۔ ام اسٹوئی لاف (Stoiloff) گریکوف (Grecoff) اور مٹیویش (Matchevitch) جیسے ذی عزت اور قابل افراد لوگ اس میں شریک تھے اور یہ کہ بیت النابین تین مہینے کے عرصے میں دو مرتبہ برخواست کیا گیا تھا۔ منتخبین برابر احرار اور ریڈیکلس کو سوبرانجی میں بھیجتے رہے اور پرنس الگزانڈر نے ۱۸۷۹ء کے کانسٹی ٹیوشن کو منسوخ کر دینے کے لئے زار کی اجازت حاصل کرنے کی بے نتیجہ کوشش کے بعد چار و ناچار موجودہ صورت حال سے سازگاری پیدا کر لی اور ۱۸۸۰ء میں

سلہ Prince Dondoukow-Korsakoff

پارلیمنٹ میں اکثریت رکھنے والی جماعت میں سے، جو اس لحاظ سے حکومت کی تنہا مالک تھی کہ ایک سو بانوے ۱۹۲ نشستوں کے منجملہ ایک سو اسی ۱۸۰ قومی احرار کے قبضے میں تھیں، اپنے وزراء کا انتخاب کیا۔ کارویلوف (Karaveloff) اور زنکوف (Zankoff) نے ایک احراری کابینہ قائم کی مگر اس کابینہ نے بہت جلد اپنے اتحاد پسند (Unionist) رجحانات کا اظہار کیا۔ ۲۷ اپریل ۱۸۸۱ء کو پرنس نے روسی دربار کی منظوری حاصل کر کے ایک فوری اور جبری پالیسی (Coup d' etat) کا اظہار کیا۔ بلغاریہ کا یہ تکلیف دہ کانسٹی ٹیوشن منسوخ اور سوبرانجی کو برخواست کر دیا گیا۔ جماعت احرار کے سرداروں کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا گیا اور روسی جنرل، اہرن راتھ (Ehrenroth)، وزیر حرب، کونسل کا صدر بن گیا۔ (وزارت حرب پر ہمیشہ روسی افسر کا تقرر کیا جاتا تھا) یہ نئی حکومت دو سال سے کچھ زیادہ عرصے تک قائم رہی۔ اس زمانے کے ختم ہو جانے کے بعد پرنس نے یہ محسوس کیا کہ وہ نئی وزارت اس لئے قائم نہیں کر سکتا کہ قدامت پسند جماعت کے سرداروں کے اخراج میں روسی جنرلوں کو کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔

ایک عام بغاوت کے آثار دیکھ کر پرنس الگزانڈر نے اپنا تخت و تاج بچانے کے لئے اپنی پوری قوم کو ساتھ لے کر کوچ کیا۔ طرنافوی حکومت از سر نو قائم ہو گئی۔ ام زینکوف کے زیر صدارت ایک احراری کابینے کا قیام عمل میں آیا اور بہ استثنائے وزارت حربیہ کے معاملات میں کم سے کم ظاہری طور پر روسی مداخلت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جماعت احرار حکومت پر حاوی ہو جانے کے بعد بہت جلد دو مخالف حصوں میں منقسم ہو گئی۔ احرار نے ام زینکوف کو اپنا سردار بنا لیا اور ریڈیکلس نے ام کراویلاف کو۔ جون ۱۸۸۴ء کے انتخابات میں زینکوف کی جماعت کو سوبرانجی میں بہت کم نشستیں حاصل ہوئیں اور نتیجہ یہ ہوا کہ جولائی کی ابتدائی تاریخوں میں کرالوف اور ریڈیکلس کو تمام اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور اسی وقت سے بلغاریہ کا مشرقی رومائلی کے ساتھ اتحاد کا مسئلہ پرنس الگزانڈر کی حکومت کے

نظام العمل میں کھلم کھلا طور پر داخل کر لیا گیا؛ الیکو وگوری ڈیز پاشا (Aleko Vogorides-Pasha) جس کو باب عالی نے مشرقی روما ئلی کا گورنر جنرل منتخب کیا تھا، ایک دو رویہ پالیسی پر عمل کر رہا تھا ادھر تو وہ روسی اقتدار سے آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا اور ادھر اپنے صوبے کو ترکی کی نگرانی سے نکال لینا چاہتا تھا۔ ان اغراض کی تکمیل کے لئے خود مختار صوبہ اور ریاست کی جماعت احرار پر اس کو بھروسہ تھا۔ احراری سرداروں کو جن کے قتل کا پرنس الگزانڈر آف بیٹین برگ کی قدامت پسند حکومت نے صوفیہ میں انعام مقرر کر دیا تھا، فلبہ میں اچھا خاصا امن مل گیا۔ الیکو پاشا نے بلغاری تخت کے متعلق اپنے دعاوی کا اعلان کر دیا۔ بلغاریہ کے ایک باشندے مسمی ہوزیر (Hozier) نے اس کو ایک شجرہ بنا کر دیا تھا جس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ آخری شاہ بلغاریہ کرال سیسمان (Kral-Sisman) کی اولاد ہے اگرچہ اس کا باپ ایک معمولی سورج ہانے والا تھا۔ اسی اثنا میں الیکو پاشا اور روسی قونصل جنرل، ام ڈی کریبل میں شدید مخالفت ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ موخر الذکر کو واپس طلب کر لیا گیا۔ ۱۸۸۰ء میں گورنر جنرل کے اختیارات کی تجدید کے وقت قدامت پسند جماعت نے، جو روس کی طرف دار تھی، اتحاد کی موافقت میں ایک دلچسپ اضطراب پھیلا دیا اور یورپین دارالحکومتوں کو اپنے نمایندے اس غرض سے روانہ کئے کہ وہ وہاں کی کابینوں کو ان کی خواہشات سے مطلع کریں۔ روس نے الیکو پاشا کی علحدگی کا حکم دے دیا اور اس کی جگہ گفریل کرستو فیش (Gavril-Krestovitch)، حکومت روما ئلی کے سکریٹری جنرل کا تقرر عمل میں آیا (یکم مئی)۔ یہ شخص الیکو پاشا کا رازدار تھا، جس کو اس پر ہر طرح اعتماد تھا، لیکن یہ پانچ سال سے گورنر جنرل الیکو کے تمام رازوں سے روس کو مطلع کر رہا تھا۔ جن خصوصیتوں کی بنا پر اس کو گورنر جنرل مقرر کیا گیا تھا، وہ یہ تھیں کہ یہ سازش پسند اور بالکل نا اہل تھا اور اس لئے روسی قونصل جنرل، ام سوروکین (Sorokine) کے ہاتھوں میں

کٹھ پتلی کا کام دینے کی اس میں بہت زیادہ قابلیت تھی۔ پروونیشل اسمبلی میں احرار کو اکثریت حاصل تھی۔ لیکن ستمبر میں یہ مجلس برخواست ہوگئی اور دولت علیہ نے جدید انتخابات کی منظوری دے دی۔ روپیہ نہایت بے دردی کے ساتھ لٹایا گیا اور جبر و تشدد سے بھی بعض بعض صورتوں میں کام لیا گیا نتیجہ یہ ہوا کہ نئی مجلس میں قدامت پسند ہی قدامت پسند تھے۔ احرار کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر کہ مشرقی روما تلی میں بھی اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے احراری سرداروں نے ام کراویلاف کے ساتھ بلغاریہ میں پناہ لی۔ ام کراویلاف وہی شخص تھا، جس کی معیت میں جوان کے انتخابات میں ایڈیکلس کو طاقت حاصل ہوئی تھی۔ بلغاریہ پہنچکر احراری سرداروں نے اتحاد کی تکمیل کے لئے نہایت وسیع پیمانے پر سازش کا ڈول ڈالا اور اس حد تک آمدگی کا اظہار کیا کہ روس کی مخالفت کے باوجود بھی وہ اپنے ارادوں پر قائم رہنے کے لئے پہلے ہی سے تیار ہوگئے ۲۵ جولائی ۱۸۸۵ء کو مشرقی روما تلی میں دمنذر کے مقام پر قومی انقلاب کی تیاری کرنے کے لئے ایک مرکزی کمیٹی قائم کی گئی۔ جس میں میجر نکولیف (Nicolaieff) میجر فیلوف (Filoff) میجر متقوروف (Motkowroff) افواج باقاعدہ کا کپتان پنیزا (Panitza) جندارمہ کا کپتان اسکولوف، اور لفٹنٹ اسٹیلوف اور فلبہ کا میئر وغیرہ شریک تھے۔

ستمبر کی ابتدائی تاریخوں میں کئی مقامات پر بغاوت برپا ہوگئی۔ پولیس اور فوج، جو اس کے فرو کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی وہ بھی باغیوں سے مل گئی۔ مرکزی کمیٹی نے تمام باغیوں کو ۱۷ ستمبر کی رات کو فلبہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، جس سے گورنر جنرل، اراکین پریوی کونسل کمانڈران چیف جنرل درگاسکی (Drigalski) پاشا بہت کچھ ہراساں ہوئے قنق (Konak) میں ۱۷ کی رات کو ایک جلسہ ہوا، جس میں روسی سفارت کا ایجنٹ بھی شریک کیا گیا تھا۔ ڈائرکٹروں میں سے ایک شخص ہکاناف نے اس سے سوال کیا کہ روس اتحاد کا موافق اور روما تلیوں کا حامی ہے۔ روسی ایجنٹ نے

یہ عذر کیا کہ اس کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی طرف سے حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ اس تحریک کی مخالفت کرے۔ لیکن یہ مشورہ بہت بعد از وقت تھا۔ ۱۸ تاریخ کو صبح صادق کے وقت درگاسکی پاشا کو میجر نکولیف نے گرفتار کر لیا اور گورنر جنرل، جس کو نیم برہنگی کی حالت میں گرفتار کیا گیا تھا، صوفیہ بھیج دیا گیا۔ ایک پراوینشیل حکومت، جو حامیان انقلاب میں سے خاص خاص لوگوں پر مشتمل تھی قائم کر دی گئی اور ساتھ ہی اتحاد کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

انقلاب کے متعلق ۲۱ تاریخ تک قسطنطنیہ کو کچھ خبر نہیں تھی۔ ایک زبردست ایجنٹ نے مراسلۂ متعلقہ کو اس بہانے سے اپنے ہی پاس رہنے دیا تھا کہ عید بہرام کے جشن کی وجہ سے دفاتر بند تھے۔ اس خبر کے معلوم ہونے پر بہت کچھ جوش و خروش پھیل گیا۔ صدر اعظم، سعید پاشا اور سر عسکر، غازی عثمان پاشا کی یہ رائے تھی کہ فوری طور پر جنگ کی تیاری کی جائے اور سرحد کو طے کر کے خط بلقان پر فوجیں جمع کر دی جائیں لیکن پرنس الگزنڈر کا مقدمۃ الجیش اس وقت تک مشرقی روما نیلی میں داخل بھی ہو چکا تھا اور ترکی اس قدر اچانک طور پر حملے کی صورت میں نہایت محدود فوج فراہم کر سکتی تھی۔ البتہ قسطنطنیہ کے گیریژن سے اس موقعے پر کام لیا جا سکتا تھا لیکن سلطان نے دار السلطنت کو تنہا چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ سعید پاشا اور غازی عثمان پاشا کے مشورے کو نہ صرف نظر انداز ہی کر دیا گیا بلکہ ان کو خدمات سے سبکدوش بھی کر دیا گیا اور مہر سلطنت کامل پاشا کے حوالے کر دی گئی۔ اس موقعے پر روس نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جو قطعی طور پر پرنس الگزانڈر کے مخالف تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی منظوری کے بغیر بلغاروی اتحاد عمل میں لایا جائے۔ روس کے سرکاری بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۸۸۴ء میں اسکیرنی ویز (Skeernewiez) کے مقام پر، تینوں بادشاہوں کی ملاقات میں وائنا اور سینٹ پیٹر برگ کے مابین جزیرہ نمائے بلقان کے ہر دو کابینوں کے اتحاد کے متعلق، ایک

مفاہمت ہو چکی تھی۔ وائنا نے اتحاد کو اس شرط سے منظور کر لیا تھا کہ اس نئی حکومت پر روس کی نگرانی رہے اس کے معاوضے میں بوسنہ اور ہرسک کو وائنا نے قطعی طور پر لے لیا تھا۔

۱۸۸۵ء میں فرانزنس باد (Franzensbad) میں ام ڈی گر (Gier) کے قیام کے بعد پرنس الگزانڈر نے اپنی تلوار زار کے وزیر خارجہ کے حوالے کردی تھی اور اس سے منشا یہ تھا کہ اس کو یہ یقین ہو جائے کہ بلغاریہ یا مشرقی روما‌ئلی کی طرف سے کسی قسم کی کوئی قبل از وقت تحریک، جس سے روس کو خطرہ ہو، نہیں ہوگی۔ اس ایقان پر امپرر الگزانڈر ثالث نے اپنے حلیفوں کو یہ اطمینان دلادیا تھا کہ بلغاریہ موجودہ حالت کو قایم رہنے دے گا، جب فلبہ میں انقلاب واقع ہوا تو آسٹریا ہنگری کو یہ یقین ہو گیا کہ روس نے اس کو دھوکا دیا۔ اپنی بریت ثابت کرنے کے لئے زار نے علی الاعلان پرنس الگزانڈر کو اس کا ذمہ دار قرار دیا اور بلغاری فوج میں جو روسی افسر متعین تھے ان کو طلب کر لیا۔ بلکہ پرنس الگزانڈر کا نام اس نے روسی فوج کے اسٹاف کی فہرست سے بھی خارج کردیا جس میں اس کو میجر جنرل کا مرتبہ حاصل تھا۔ ان تمام ابتدائی مراحل کو طے کر کے روسی تدبر نے بلغاریہ اور مشرقی روما‌ئلی کے سیاسی مرتبہ کو علی حالہ قائم رکھنے کا بڑے زور و شور کے ساتھ مطالبہ کیا۔ اور یہ تجویز پیش کی کہ قسطنطنیہ میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اجلاس مسائل زیر بحث پر غور کرنے کے لئے منعقد کیا جائے۔ ۲۱ / اکتوبر ۱۸۸۵ء کو باب عالی کی طرف سے نمائندے مدعو کئے گئے اور ۵ / نومبر کو یوروپین ایریوپیگس کا اجلاس ہوا، جس میں دو مخالف طریقے ایک دوسرے کے مقابل تھے۔ ایک (Status quoante) کا تھا، جس کی نمایندگی روس اور جس کی حمایت آسٹریا ہنگری کر رہا تھا۔ دوسرا شخصی اتحاد، کا تھا، جس کا نمایندہ انگلستان تھا جو ہمیشہ سے روس کا مخالف تھا اور پرنس الگزانڈر کے ساتھ اپنی ہمدردی کو اس لئے علی الاعلان برتتا تھا کہ اس کے بھائی نے وکٹوریہ کی ایک بیٹی، بیٹرس سے شادی کرلی تھی۔ ادھر تو سفرا قسطنطنیہ میں بحث و تمحیص میں مصروف تھے اور ادھر فتوحات بلغاریہ کے موافق فیصلہ کر رہی تھیں۔ انقلاب کے شروع ہوتے ہی

یونانیوں اور سربیوں نے بلغاریہ کے خلاف شور وغل مچانا شروع کر دیا تھا۔ مؤخر الذکر سربیہ قدیم کے اضلاع کے دعوے دار تھے جو ترکوں کے قبضے میں تھے، اور اول الذکر اپیرس اور نشیبی مقدونیہ کے، لیکن ترکوں سے ان اضلاع کو لینے کے بجائے، جن پر ان لوگوں کو دعویٰ تھا انھوں نے یہ ماتم سرائی شروع کر دی کہ بلغاریہ والوں نے چونکہ بلقانی قومیتوں کی مساوات کو توڑ کر اپنا فائدہ کر لیا ہے اس لئے اُن کو اپنی پہلی حالت پر لے آنا چاہئے تاکہ دوبارہ وہی مساوات قائم ہو جائے۔ سربیہ نے آسٹریا ہنگری کی ہمت افزائی پر جنگ جویانہ طرزِ عمل اختیار کر لیا۔ شاہ میلان اپنی فوج کے مقابلے میں بلغاروی فوج کی کمی کا دل ہی دل میں حساب لگا کر اور اس بات کا اطمینان کر کے بلغاریہ والوں سے اس موقعے پر لڑنا نہایت آسان کام ہے۔ کچھ ایسی جرات کے ساتھ عمل پیرا ہوا، جو اس کے لئے بالکل نئی بات تھی۔ اس نے بلغاریہ والوں کو حکم دیا کہ وہ اضلاع وادین[1]، برکوویز، ترون، کستاندیل اور صوفیہ، جو تقریباً (۷۴۴) کمیونس[2] پر مشتمل تھے اور جن میں پانچ لاکھ تیس ہزار کی آبادی تھی، فوراً اس کے حوالے کر دیں۔ اس مطالبے کی بنا اس نے یہ قرار دی تھی کہ ان ملکوں میں صرف سربی لوگ آباد ہیں اور یہ کہ بلغاریہ والوں کا اس جگہ صرف قصہ کہانیوں میں تذکرہ آتا ہے ۱۴ نومبر کو سرحدوں کو عبور کرنے کے بعد، جس میں ابتدا کرنے کا الزام سربی اور بلغاری دونوں ایک دوسرے پر رکھتے تھے۔ سربیہ نے سرکاری طور پر جنگ کا اعلان کر دیا۔ پرنس الگزانڈر کی صورت حال اس وقت بہت نازک تھی۔ سربیہ والوں کے پاس پچاس ہزار آدمی تھے، جن کی معیت میں (۱۷۲) توپیں تھیں درآنحالیکہ پرنس کے پاس بیس سے پچیس ہزار تک آدمی صوفیہ کی مدافعت کے لئے تھے۔ اس موقعے پر اگر ترکی کی طرف سے ذرا بھی فوجی مظاہرہ کیا جاتا تو

[1] Widdin; Berkovitz; Trun; Kustendil; and Sofia

[2] Communes.

ایک طرف تو رومائلی سے جو کمک اسے پہنچ رہی تھی وہ موقوف ہو جاتی اور دوسری طرف وہ اپنی رجمنٹوں کو بلقان سے باہر نہ لے جا سکتا لیکن خوش قسمتی سے انگلستان نے ترکوں کو بالکل اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور پھر سربیہ کی فاتحانہ اولوالعزمیوں سے ترکی کو بہت کچھ پریشانی تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے الگزانڈر کو اپنی مودت اور دوستی کا یقین دلا دیا اور وہ اطمینان کے ساتھ مشرقی رومائلی کی طرف متوجہ ہو گیا - میلان کو سلیفنیزہ (Slionitza) پر شکست ہوئی (۱۷ تا ۱۹ نومبر) اور پیرات (Pirot) پر اس کی فوج بالکل تباہ ہو گئی (۲۵ نومبر) اور جب آسٹریا نے فاتحین کو صلح پر مجبور کرنے کی غرض سے مداخلت کی (۲۹ نومبر) تو اسے بہت کچھ اطمینان اور مسرت حاصل ہوئی ۳ مارچ ۱۸۸۶ء کو اس اصول پر صلح ہو گئی کہ قبل از جنگ جو سیاسی حالات تھے علیٰ حالہ قایم رکھے جائیں گے - خون کا یہ چھڑکاؤ جس نے شاہ میلان کے ماتھے پر ہمیشہ کے لئے کلنگ کا ٹیکہ لگا دیا، بلغاریہ کے لئے بہر حال کسی طرح نقصان رسان ثابت نہیں ہوا - اس خونریزی نے بالآخر یورپ سے اتحاد کو منظور ہی کرا کے چھوڑا۔

برطانوی تدبر کا مشکور ہونا چاہیے کہ اس موقعے پر اس کی حمایت سے یہ فائدہ ہوا کہ ام تزیناف (Tzanoff) بلغاری وزیر خارجہ اور باب عالی کے مابین گفت و شنید کے بعد ایک ایسا انتظام دولت علیہ اور حکومت صوفیہ کے مابین عمل میں لایا گیا (۲ فروری ۱۸۸۶ء)، جس کی رو سے (۱) پرنس الگزانڈر کو مشرقی رومائلی کا گورنر جنرل نامزد کر دیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ ہر پانچویں سال اس کے اختیارات کی تجدید ہوا کرے گی (۲) خارجی حملے کی صورت میں خواہ وہ ریاست کے خلاف ہو یا صوبے کے، یہ قرار پایا کہ عثمانی فوجیں بلغاری فوجوں کے ساتھ پرنس کی سرکردگی اور سپہ سالاری میں مصروف پیکار ہوں گی (۳) ایسی صورت میں کہ ترکی کسی خارجی طاقت سے مصروف جنگ ہو پرنس کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیا گیا کہ وہ ایک کن ٹن جنٹ مہیا کر کے عثمانی سپہ سالاروں کے حوالے کر دے گا - (۴) قرجالی اور رودوپ (Kirdjali and Rhodope)

کے مسلمان مواضعات، جنھوں نے رومائلی کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، ترکی کو واپس کر دئے گئے۔

اس معاہدے کے شرائط سے آگاہ ہو کر روس نے فوراً احتجاج کا سلسلہ شروع کر دیا اور اس امر کا مطالبہ کیا کہ جن فقروں میں فوج کے متعلق عہد و پیمان ہے، ان کو منسوخ کر دیا جائے اور اس فقرے سے جس میں صوبے کی حکومت شاہ بلغاریہ کے تفویض کئے جانے کا تذکرہ ہے پرنس الگزانڈر کا نام خارج کر دیا جائے۔ دو مہینے کی مجلس آرائیوں، یادداشتوں اور جوابی مراسلتوں کے بعد، جن میں لفظی بحثوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا، کانفرنس نے ۵/اپریل ۱۸۸۶ء کے ایک بین الاقوامی قانون کے ذریعے سے اتحاد کی تصدیق کر دی:—

(۱) مشرقی رومائلی کی جنرل گورنمنٹ بموجب فقرہ ۱۷ معاہدۂ برلن شاہِ بلغاریہ کے تفویض کر دی گئی۔

(۲) ریاست اور مشرقی رومائلی کے نظم و نسق کا اگرچہ ایک ہی شخص کو ذمہ دار قرار دیا گیا تھا تاہم صوبہ قرجالی اور علاقہ رودوپ کے مسلمان مواضعات کے متعلق جواب تک مشرقی رومائلی کے نظم و نسق سے خارج تھے یہ طے پایا تھا کہ اُن کو اس صوبے سے علحدہ کر دیا جائے اور ریاست امپیریل گورنمنٹ کے نظم و نسق میں دے دیا جائے۔ ان مواضعات کو ان حقوق کے بدلے میں بابِ عالی کے تفویض کیا گیا تھا، جن کا معاہدۂ برلن کی پندرھویں دفعہ کے پہلے فقرے میں تذکرہ کیا گیا تھا۔ (عثمانی فوجوں کا بلقان پر قطعی طور پر قبضہ کر لینے کا حق)۔

(۳) یہ طے پایا کہ ایک مشترکہ کمیشن، جس میں ترک اور بلغاری نمایندے ہوں، نامزدگی کے بعد چار مہینے کے عرصے میں مشرقی رومائلی کے لئے ایک نیا ترکیبی آئین بنانے کے لئے مقرر کیا جائے۔ اور یہ آئین قسطنطنیہ کی کانفرنس کے روبرو بغرض منظوری پیش کیا جائے۔

(۴) معاہدۂ برلن کے منظور کردہ تمام دوسرے انتظامات کے متعلق یہ تصفیہ ہوا کہ وہ بحال اور نفاذ پذیر رہیں گے۔

ان تمام واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرنس الگزانڈر نے روس کی مخالفت کے باوجود اپنا مقصد پورا کر لیا۔ لیکن بلغاریہ میں روس کے اتنے مفاد پھیلے ہوئے تھے کہ وہ اس ملک کو اپنے زیر اثر لانے کی کوشش سے باز نہیں رہ سکتا تھا۔ ۲۱ اگست ۱۸۸۶ء کو ایک فوجی سازش نے، جس کے سرغنہ میجر گروف (Groueff) کپتان بندریف (Bendereff) اور کپتان ڈی مٹریف (Dimitrieff) تھے، پرنس الگزانڈر کی قوت کو تہ و بالا کر دیا لیکن اس کی امداد پر پورا ملک اور بلغاریہ کا بیت النائبین تھا، جس کا اجلاس طرنافو میں استامبولاف کے زیر صدارت خاص اس سازش کے متعلق غور کرنے کی غرض سے منعقد ہوا تھا۔ غرض کہ الگزانڈر اس باغیانہ تحریک کا قلع قمع کر سکتا تھا۔ لیکن انھیں افسروں کی دغابازی اور بیوفائی سے شکستہ خاطر ہو کر، جن پر اس کو پورا اعتماد تھا اور اس امر کو پسند نہ کر کے کہ اس کی وجہ سے خونریزی ہو، اس نے زار کے غصے کا دلیری کے ساتھ مقابلہ کرنے کو ترجیح دی۔ اور ۳۱ اکتوبر کو ایک تار بھیجا جس کے آخری الفاظ یہ تھے:- "روس نے میرا تاج میرے سر پر رکھا ہے اور میں روس کے بادشاہ کو یہ تاج واپس کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں"

زار کی طرف سے اس کا جو جواب دیا گیا وہ فیصلہ کن تھا۔ زار نے لکھا تھا کہ:- "مجھے یور ہائس کا تار ملا میں آپ کی بلغاریہ کی واپسی کو ان خطرناک نتائج کی بنا پر پسند نہیں کر سکتا جن کے آپ کی واپسی کی بنا پر بلغاریہ کو، جو پہلے ہی سے مصائب میں مبتلا ہے، لاحق ہونے کا امکان ہے۔ جنرل ڈال گوروکی (Dolgorouki) کا وفد اس لحاظ سے بے موقع ہو جاتا ہے۔ میں معاملات کی ان المناک صورت میں دخل انداز ہونے سے احتراز کرتا ہوں، جس میں ایسی حالت میں کہ آپ وہاں مقیم رہیں، بلغاریہ مبتلا ہے۔ یور ہائینس خود اس امر کا تصفیہ کریں کہ اس موقعے پر کیا کرنا چاہئے۔ میں، جیسا کہ میرے محترم والد کی یاد مجھ سے متقاضی ہے، روس کے مفادات اور مشرق کی صلح کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے کے متعلق اپنے

عق کو محفوظ رکھتا ہوں"۔

اس واقعے سے سخت بد دل اور شکستہ خاطر ہو کر کہ اس کے وزیراعظم ام کراویلاف نے اس کے ساتھ دغا کی، شاہ بٹین برگ اپنی پارٹی سے علیحدہ ہوگیا۔ سینٹ پیٹرس برگ کی چانسلری کی طرف سے اس امر کا اطمینان دلادئے جانے پر کہ بلغاریہ والوں کو روسی قبضے سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اور یہ کہ اُن کو اپنے داخلی امور میں کامل آزادی حاصل رہے گی، وہ از خود تخت و تاج سے دست بردار ہوگیا (۶ ستمبر) اور ملک کا نظم و نسق ایک ایجنسی کے سپرد کردیا، جو ام اسٹامبولاف، کرنل متکوروف اور ام کراویلاف پر مشتمل تھی۔ اس کے دو روز بعد سلیف نیزہ اور پیرات کا فاتح بلغاریہ سے روانہ ہوگیا۔

اگرچہ یہ ایجنٹس خود بھی روس کے مخالف تھے لیکن انھوں نے اس سے لڑائی مول لینے سے احتراز کیا۔ لیکن بہ حیثیت غیر معمولی کمشنر روس جنرل بیرن ڈیو کال بارو (du Kaulbaro) کے وفد نے، جس کے سپرد معاہدے کی باز بحالی کا کام تھا، تمام باتوں کو الٹ پلٹ کردیا۔ جنرل کال بارو اس میں کوئی شک نہیں کہ نہایت قابل افسر تھا لیکن بدقسمتی سے اس میں وہ خوبیاں نہیں تھیں، جو ایک معاملہ داں میں ہونی چاہئیں۔ اس کا طریقہ ایک پرو قونصل (Pro-consul) کا سا طریقہ تھا اور وہ ایسے احکام نافذ کرنے کا عادی تھا جن کو کبھی منسوخ نہیں کرتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اُن مختلف جماعتوں کی اصلی قوت کے دریافت کرنے کی ذرا بھی کوشش کرے، جو ملک بھر میں ہنگامہ برپا کئے ہوئے تھیں، اس نے ہر چیز کے مرتب، منظم اور منفصل کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ جہاں نرمی اور مہربانی سے کام لینے کی ضرورت ہوتی تھی وہاں وہ سختی اور درشتی سے کام لیتا تھا اور جہاں استقلال مناسب ہوتا تھا وہاں وہ خود رائی اور ضد سے کام لیتا تھا۔ وہ بہت سے ایسے معاملات میں خواہ مخواہ مداخلت کیا کرتا تھا جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ملک کے اندرونی مسائل میں ہمیشہ

دخل دیا اور کبھی کسی بات میں اس کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بلغاری روسی وزرا اور ایجنٹس کے ساتھ وہ اس قدر مغرورانہ برتاؤ کرتا تھا کہ گویا وہ لوگ غلامی کے انسداد سے پہلے کہ موجی کو (Moujiko) تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اپنی تمام کوششیں اس امر کی طرف منعطف کر دیں کہ جنرل کے لئے یہ مقام ناقابل قیام بن جائے۔ گویا ذاتی عناد روسی سفارت اور ایجنسی کے تعلقات کو مرتب کرتا تھا لیکن جنرل کال بارو نے سب سے بڑی غلطی جو کی وہ یہ تھی کہ اس نے بلغاری افسروں کو یہ یقین دلانے کے بجائے کہ اپنی رینکس (ranks) کو حاصل کرنے میں ان کو جو کچھ خطرہ یا خوف تھا وہ بالکل بے بنیاد تھا، اس نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اس امر کا اعلان کر دیا کہ بلغاریہ کی وزارت حرب صرف روسی افسروں کے ہاتھوں میں رہے گی اور یہ کہ بلغاری افواج پر مسکوائی افسر کمان کریں گے۔ اس اعلان کا یہ نتیجہ نکلا کہ فوج اور ایجنسی دونوں ہم آہنگ ہو گئے اور ایجنسی کی کامیابی یقینی ہو گئی۔"

بلغاریہ والے اب تمام یورپ میں ایسے شخص کی جستجو میں مصروف ہو گئے، جو ان کا بادشاہ بننے کے لئے ہر حیثیت سے مناسب ہو۔ روس کے اس اعلان نے کہ وہ سوبرانجی کے منتخب کئے ہوئے بادشاہ کو تسلیم نہیں کرے گا ان لوگوں میں ذرا بھی بددلی پیدا نہیں کی۔"

۱۰ نومبر ۱۸۸۶ء کو سوبرانجی نے ڈنمارک کے شہزادے ولدیمار (Waldeniar) کا انتخاب کیا۔ بلغاریہ والوں کا یہ خیال تھا کہ اس انتخاب کو خود روس بھی پسند کرے گا لیکن کنگ کرسچین نے اپنے بڑے بیٹے کی طرف سے اس مشتبہ پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ولدیمار ایک بادشاہ کا بیٹا۔ ایک بادشاہ کا بھائی اور ایک امپرر کا برادر نسبتی تھا لہٰذا اس نے ایک باجگذار رئیس بننے کی ذلت کو گوارہ نہیں کیا۔ وہ اپنے خطاب "رائل ہائی نس" کو "ہزمیجسٹی" کے خطاب سے بدل سکتا تھا مگر "سیرین ہائی نس" کے خطاب سے اس کو اپنے خطاب کا تبادلہ گوارا نہ تھا۔

تلاش بادشاہ کی اس کوشش کی تقریظ کے طور پر جنرل کال بارو نے ایجنسی کے نام ایک یادداشت روانہ کی، جس میں یہ لکھا کہ "واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ ایجنسی، روسی حکومت کے امتناع کے باوجود اپنے ارادے پر قائم ہے۔" لہٰذا روس اور بلغاریہ کے تمام تعلقات منقطع ہوگئے۔ اس واقعے کے دو روز بعد زار کا سفیر غیر معمولی صوفیہ سے روانہ ہوگیا اور ریاست اور صوبہ کے تمام روسی کارکنان قونصل خانہ نے بھی اس کی تقلید کی۔

پرنس الگزانڈر اور کال بارو وفد کے درمیانی زمانے میں انگلستان اور آسٹریا ہنگری نہایت شدومد کے ساتھ بلغاریہ کی ہمت افزائی کرتے رہے۔ برطانوی پالیسی کا مقصد یہ تھا کہ یورپ میں ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دی جائیں جو یورپ کی توجہ وسط ایشیا کی طرف مبذول کر دیں اور جن کی نوعیت ایسی ہو کہ ان کی بنا پر یا تو روس کسی اتحاد میں شریک ہو جائے یا کسی اخلاقی مزاحمت کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ آسٹریا ہنگری کا، جو معاہدۂ برلن کے بعد سے روز بروز ایک مشرقی طاقت بن رہی تھی، سوائے اس کے اور کچھ مطالبہ نہ تھا کہ سینٹ جیمس کی ڈپلومیسی میں اس کو بھی شریک کر لیا جائے۔ تاکہ جزیرہ نمائے بلقان میں اس کا استیلا متیقن ہو جائے۔

برلن کی حکومت، جس نے نہایت افسوس کے ساتھ پرنس الگزانڈر کے زوال کو دیکھا تھا اور جو روس کو اس امر کے محسوس کرانے میں ذرا بھی متاسف نہیں تھی کہ وہ اتحاد ثلاثہ کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، بلغاریہ کی حمایت میں کثرت کے ساتھ مظاہرے کر رہی تھی جو اسی قدر پرشور تھے جتنا کہ ان میں مشیخت سے کام لیا گیا تھا۔

روس کے متحدین ایک طرف تو بلغاریہ میں مسلح مداخلت کے خلاف تھے اور دوسری طرف روس کو اس ناعاقبت اندیشانہ فعل کی طرف دھکیل رہے تھے۔ لیکن روسی مدبرین اپنے متحدین کے پھیلائے ہوئے جال سے کسی نہ کسی طرح بچ گئے اور ام گرکے بیان کے مطابق "بلغاریہ کو اپنے ہی عرق میں پکنے" کے لئے چھوڑ دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر روس

بلغاریہ پر قبضہ کر لیتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا کہ ترک مشرقی رومانیہ پر قابض ہو جاتے۔ بلغاریہ کے خط بلقان پر قبضہ کر لینے کے مسئلے پر معاہدہ سان اسٹیفانو میں، جو برلن کانگریس میں منسوخ ہو گیا تھا، خاص طور پر غور کیا گیا تھا۔ پرنس الگزانڈر نے جس اتحاد کو تکمیل کے درجے تک پہنچایا تھا اس نے پان سلافیضی نظام العمل کے اس حصے کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ لہذا روس صرف ریجنسی کو پریشان کرنے کی مسرت حاصل کرنے کے لئے اُن منفعتوں کو ہاتھ سے جانے نہیں دے سکتا تھا جو بڑی دقتوں سے حاصل ہوئے تھے۔

اگرچہ ریجنسی کو اپنے تمام اندرونی دشمنوں پر فتح حاصل ہو چکی تھی تاہم وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بعض جوشیلے وطن دوستوں نے، جو پرنس الگزانڈر کے شریک وسہیم تھے اور جن میں ام اسٹیانوف (Stoyanoff) جیسے لوگ شامل تھے یورپ کو پریشان کرنے کے لئے بلغاریہ میں جمہوریت کے قیام کی تحریک کی لیکن اس قسم کی جولانیوں کے لئے بلغاری فضا بہت تنگ تھی۔ بلغاریہ کو ایک بادشاہ کی ضرورت تھی اور بادشاہ کا تلاش کرلینا سخت دشوار امر تھا بالخصوص اس تحکمانہ قدغن کے لحاظ سے جس سے روس نے تمام امیدواروں کے مقابلے میں کام لیا تھا۔ ریجنسی کو بہر حال تلاش بسیار کے بعد ایک ایسا شخص مل گیا جس نے بلغاریہ کا تاج جس کو وہ مہینوں سے یورپ کے تمام شاہی خاندانوں کے سامنے پیش کر رہے تھے، قبول کر لیا۔

ڈیوک آف سیکسی کوبورگوہاری (Saxe-cobourg-Kohary) نے، جو اپنی ماں، پرنسس کلیمنٹائن آف آرلینس کی طرف سے شاہ لوئی فلپی (Louis-Phillipe) کا نواسہ ہوتا تھا، اس ماجرائے لطیف کا تجربہ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ ۷ رجولائی ۱۸۸۷ء کو طرنافو میں مجلس کے ایک غیر معمولی اجلاس میں اس کو بلغاریہ کا بادشاہ منتخب کر لیا گیا۔ ابتداءً اس انتخاب پر تمام ڈپلومیٹک چانسریز نے بہت کچھ شور و غل مچایا لیکن

ڈیوک آف کوبور کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ اتحادِ ثلاثہ اور انگلستان اس کا مدد و معاون ہے۔ روس کے علاوہ، جو لکیر کا فقیر بنا رہا، واقعہ یہ ہے کہ تمام طاقتوں نے اس نئی بادشاہت کو تسلیم کر لیا اور اس کے ساتھ کم و بیش تعلقات بھی قائم کر لئے۔ خود ترکی نے بھی ڈیوک آف کوبور کے ساتھ بہت کچھ اظہار مودت کیا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کے وزیر اعظم، ام استامبولاف، نے بلغاریہ کی خود مختاری کے متعلق اپنے مطالبات کو پوشیدہ نہیں رکھا۔

جنگ ترکی و یونان دول کا یونان کی ناکہ بندی کرنا۔

سربیہ کی طرح یونان کے حوصلے بھی نامساعد حالات کی وجہ سے نکل نہیں سکے تھے۔ یہ درست ہے کہ ۱۸۸۵ء میں بھی یونان نے اسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا جو ۱۸۷۸ء میں اس سے سرزد ہوئی تھی بجائے اس کے کہ اہل یونان بلغاریہ کے خلاف ہذیان سرائی اور اہل بلغاریہ کے استیصال کا چلا چلا کر مطالبہ کرتے رہے، اگر یہ لوگ ترکوں کے خلاف متحدہ طور پر عمل پیرا ہونے کے لئے بلغاریہ والوں کے ساتھ کوئی مفاہمت کر لیتے اور ایپرس میں داخل ہو جاتے تو معاہدہ برلن میں جس سرحد کا تعین کیا گیا اس کے حاصل ہو جانے کا ان کے لئے پورا امکان تھا۔ ایپرس میں ترکوں کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ مشکل سے پندرہ ہزار آدمی جنینا (Janina) کی مدافعت کے لئے اور اتنے ہی کھلے میدان میں جنگ کے لئے ان کے پاس ہوں گے۔ مگر اتھینا کی کابینہ، جس کے پاس اس سے

کچھ ہی زیادہ باقاعدہ فوج لڑائی کے قابل تھی، ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہی۔ یونان والے یورپ پر تکیہ کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کب اور کس طرح کوئی دلیری کا ایسا کام کیا جا سکتا ہے، جو ہر حیثیت سے دانشمندانہ فعل کہلانے کا مستحق ہو۔ یونانی فوجوں کے اپیرس پر یکایک حملہ کر دینے سے، چاہے یہ فوجیں کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہوتیں، ترک پریشان ہو جاتے اور چونکہ ان کی تھوڑی سی فوج ملک میں پھیلی ہوئی تھی اس لئے آسانی کے ساتھ ان کو ہزیمت ہو جاتی۔ پہلے ہی حملے میں یونانی جنینا میں جھنڈا گاڑ دیتے۔ ترکی جہاں اب تک فوجوں کی بھرتی شروع نہیں ہوئی تھی اور جس کی تمامتر توجہ بلغاریہ کی طرف منعطف تھی، اپیرس کو امدادی فوجیں نہیں بھیج سکتی تھی۔ یونانیوں کو صرف ایک مشکل کا سامنا کرنا پڑتا اور یہ پنڈاروز (Pindarus) کے کوہستانی باشندوں کی مخالفت ہوتی، جو کوزو۔والاش (Coutzo-Wallachs) کی طرح یونانیوں سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ پھر بھی ایسا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جس سے یہ قیاس کیا جائے کہ یہ کوہستانی باشندے ترکوں کی طرف سے یونانیوں کے ساتھ جنگ کرتے۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہی کرتے کہ یونانیوں کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیتے یونانیوں کے پاس سب سے بڑھ کر ایک یہ ذریعہ بھی تھا کہ وہ سمندر کے راستے سے بھی فوجیں بھیج سکتے اور یہ ایک ایسا زبردست حربہ ہوتا کہ ترکوں کو ہتھیار ڈالتے ہی بنتی۔ اس میں شک نہیں کہ ترکی بیڑے میں بڑے بڑے جنگی جہاز موجود تھے لیکن یہ جہاز یونانیوں کے جنگی جہازوں کے سامنے ٹھیر نہیں سکتے تھے۔ یونان کو سمندر میں کافی قوت حاصل تھی۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ قندیہ (Crete) پر قبضہ کر کے بحرالابیض پر ترکی کے سواحلی مقبوضات کو آزاد کر سکتا تھا۔ یونان کی اس بحری مصروفیت سے ترکی کو ہمیشہ شدید خطرہ رہا۔ اور انگلستان نے ترکی کو بلغاریہ کے ساتھ مفاہمت کر لینے اور ۲۱ فروری کے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے جو آمادہ کر لیا تھا تو وہ بھی اسی عہد و پیمان پر تھا کہ اس راستے میں رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں گی۔ لیکن اگر ۱۸۸۵ء کے آغاز پر یونان ترکی پر حملہ کر دیتا تو

انگلستان کی طرف سے اس بنا پر مداخلت نہیں کی جا سکتی تھی کہ یورپ جزیرہ نمائے بلقان میں عام طور پر جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو فرو کرنے کے لئے مداخلت کرتا اور پھر ظاہر ہے کہ اس وقت جو کچھ تصفیہ کیا جاتا وہ عیسائی قوموں کے موافق ہوتا۔"

فوری طور پر مصروف عمل ہونے کے بجائے، درانحالیکہ صرف یہی ایک صورت تھی، جس میں کامیابی کا امکان تھا، اتھینا کی کابینہ نے اپنی تمامتر توجہ دول کے نام گشتیاں اور یادداشتیں بھیجنے اور فوج کی بھرتی کے لئے پے در پے اعلان شایع کرنے پر مبذول رکھی۔ گشتیوں اور یادداشتوں کا تو یہ حشر ہوا کہ دول نے ان کو تسلیم ہی نہیں کیا لہذا مجبوراً اس سلسلے کو روک دینا پڑا۔ اب رہے اعلانات تو ان کا یہ اثر ہوا کہ فوج کی بھرتی شروع تو ہو گئی مگر اس کی رفتار اس قدر سست تھی کہ خواہ مخواہ نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس اثنا میں ترکوں نے نہایت عجلت کے ساتھ فوجیں جمع کر لیں اور ان کو بلغاریہ، ہرزیہ اور یونان کی سرحدوں پر متعین کر دیا۔ نومبر کے وسط تک ترکی فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی جس کے ساتھ (۲۷۰) توپیں بھی تھیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس میں سے نصف فوج ایسی تھی، جس کو صرف یونان کے مقابلے کے لئے مخصوص کیا جا سکتا تھا۔ غرض یہ ہے کہ تیسری مرتبہ پھر یونان نے موقع کھو دیا اور چاروناچار اس کو اپنی قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ جانا پڑا۔"

انگلستان نے ترکی کے وزیر خارجہ کی موسومہ ایک یادداشت مورخہ ۱۲ اپریل ۱۸۶۷ء کے مطابق حسب ذیل تین امور بغرض مسالمت دول کے سامنے پیش کئے ہ۔

(۱) یونان کے نام اعلان جنگ نافذ کیا جائے، جس کو آٹھ دن کی مہلت اعلان کے قبول کرنے کے لئے دی جائے گی۔

(۲) اگر یونان اس کے قبول کرنے سے انکار کر دے تو اتھینا میں دول کے جو نمایندے مقیم ہیں ان کو طلب کر لیا جائے گا۔

(۳) یونان کے ساحلوں اور بندرگاہوں کی ناکہ بندی کی جائے گی۔

فرانس نے اس معاملے میں بیچ بچاؤ کرنے کی کوشش کی اور ۲۴ اپریل کو تحدید اسلحہ کی تجویز پیش کر کے یونان کے اعلان جنگ کی پیش بندی کردی۔ دو روز تک پس و پیش کرنے کے بعد وزیر اعظم ام موسیو دے لائنی نے فرانس کے مشوروں پر کاربند ہونے کا تہیہ کر لیا۔ لیکن خارجی حکومتوں کے سرداران متعینہ اتھینا کو اپنے ارادے سے مطلع کئے ہوئے وزیر اعظم کو ابھی پورے چار گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے کہ ان لوگوں نے اپنی اپنی حکومتوں سے مشورہ کئے بغیر جنگ کا اعلان باقاعدہ طور پر یونانی حکومت تک پہنچا ہی دیا۔ اپنے اس فعل کو جائز قرار دینے کے لئے ان لوگوں کی طرف سے جو حجت پیش کی گئی تھی وہ یہ تھی کہ یونانی حکومت کے دلائل بے قاعدہ ہیں اور سابقہ ہدایتوں کے مطابق نہیں ہیں۔ نتیجے میں ان لوگوں نے یونان پر تحدید اسلحہ کی قید عاید کردی اور اسی کے ساتھ ان نتائج کا اس کو ذمہ دار بھی قرار دے دیا جو اس کے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دینے کی صورت میں ممکن الوقوع تھے۔

۸ مئی کو بہ استثنائے فرانس دول کے نمایندگان مقیم اتھینا نے یہ اعلان کر دیا کہ یونان محصور ہے۔ یورپ نے اپنی طاقت کی اس موقع پر عظیم الشان نمایش کی۔ (۲۸) جنگی جہاز (۱۵) تارپیڈو کشتیاں، جن میں (۱۲۳۹) توپیں تھیں اور (۱۴۰) می ٹرے لیوز[1] اس غرض سے روانہ کی گئیں کہ یونان کے باختہ حواس بجا ہو جائیں۔ ترکی کے لئے یہ انتقام نفارینو (Navarino) کے بہترین انتقام کی حیثیت رکھتا تھا۔ صرف فرانس ہی ایک ایسی طاقت تھی، جس نے اس کمینہ پالیسی میں شرکت کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا۔ یورپ سے اپنے آپ کو الگ تھلگ نہ رکھنے کے لئے اس نے اس موقع پر ایک کروزر جس کا نام

[1] می ٹرے لیوز (Mitrailleuse) ایک قسم کی مشین گن ہے۔

دی واباں (The Vauban) تھا، یونان کے حدودِ آبی میں ضرور بھیجا تھا لیکن اس کو یہ قطعی حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ یونانی بیڑے کے مقابلے میں کسی قسم کی کوئی جنگی مصروفیت عمل میں نہ لائے اور یونانی بیڑا چاہے کچھ بھی کرے، وہ صرف تماشا دیکھتا رہے۔ لندن کے سرکاری حلقوں میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہر شخص ترکی کی محبت میں بے تاب ہے۔ گویا قریمی (Crimea) عہد پھر واپس آگیا تھا۔ اخبار "دی ٹائمز" کا مطالبہ تھا کہ ترکی کے ذمے یہ فرض عائد کر دیا جائے کہ یونان کو یہ سبق اچھی طرح یاد کرا دے کہ وہ بالکل بے بس و بیکس ہے۔ انگریزی اخبارات کے ساتھ ساتھ ترکی اخبارات بھی نہایت زور و شور کے ساتھ لڑائی کا صور پھونک رہے تھے۔ جریدۂ "طریق"، نے جو بابِ عالی کا سرکاری اخبار تھا، ایک طویل مضمون شایع کیا تھا، جس میں مارشل فان مولٹکی (Moltki) کی مشہور معذرت کا مضحکہ اُڑاتے ہوئے یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایک جرمنی افسر نے برلن میں ایک رسالہ شایع کیا ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ اقوام کے لئے جنگ نہایت ضروری چیز ہے۔ تنظیمِ قومی کے لئے میدانِ جنگ کی خونریزی وہی اثر رکھتی ہے جو فصد کھول دینے کا بیمار کی صحت پر ہوتا ہے۔ اس مضمون کے آخری الفاظ یہ تھے کہ یونانی حکومت نے یہ محسوس کر لیا ہے کہ یونان کی فصد لینے کی اس لئے ضرورت ہے کہ وہ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہے۔ "اگر واقعی یہ بات ہے تو بہتر ہے کہ عملِ جراحی ہو جائے اور یونان ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے تاکہ دنیا کے آرام میں خلل نہ پڑے۔"

اگر یونان تمام یورپ کے مقابلے کے لئے اس موقع پر تیار ہو جاتا تو یہ اس کی جہالت اور حماقت ہوتی ملک کی بندرگاہوں کی ناکہ بندی نے فوجی نقل و حرکت کو رعشہ براندام کر دیا۔ اپیرس اور تھسلی کو بھیجی جانے والی فوجوں کے لئے، جو پہلے سمندر کے راستے سے صرف (۴۸) گھنٹے میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی تھیں، وہی راستہ اب تین تین ہفتے کا ہو گیا۔

ترکوں کے پاس یونان پر حملہ کرنے کے لئے اس وقت تک دو لاکھ فوج جمع ہو گئی تھی در آنحالیکہ یونانی فوج اس سے نصف بھی نہیں تھی اور پھر اس میں زیادہ تر یا تو رنگروٹ تھے یا ناتجربہ کار سپاہی۔ یونان کی تجارت کا جو مخزج تھا وہیں سب سے زیادہ کاری ضرب پڑی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اکثر مقامات پر قحط کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ یونان ہر طرح اطاعت پذیری پر مجبور تھا۔ ۲۴ مئی کو ام ٹری کوپس (Tricoupis) جانشین موسیو دے لانیع (استعفی کہو گیا تھا) کی حسب تجویز ایک شاہی فرمان میں افواج محفوظ کو منتشر کر دینے اور سرحدوں پر معمولی فوج چھوڑ کر بقیہ فوج کے ملک میں واپس آجانے کا حکم نافذ ہو گیا۔ لیکن چونکہ ۲۰ / اور ۲۴ مئی کو ترکی اور یونان کے مقدمۃ الجیش میں لڑائی ہو چکی تھی اس لئے دول نے محاصرہ اٹھانے سے قبل اس امر کا انتظار مناسب سمجھا کہ یونان کی فوجیں پوری طرح منتشر ہو لیں۔ چنانچہ ۷ / جون کو مشترکہ اسکواڈرنیں خلیج سودی (Suda) سے واپس ہوئیں اور یونان کو یورپ کی بھیجی ہوئی لعنت سے نجات ملی ؛

مسئلہ ارمینیا ہیکافی کمیٹیاں۔

بوسنہ، ہرسک اور بلغاریہ کی بدنصیبیوں کا جو دکھڑا رو یا جا چکا ہے وہ ایشائی ترکی کے ارمنی باشندوں پر بھی صادق آتا ہے بلکہ ان کی حالت اس سے بھی زیادہ نازک تھی۔ یہ لوگ چاروں طرف سے ایسے لوگوں میں گھرے ہوئے تھے جو اب تک نیم وحشی اور غیر مہذب تھے مثلاً کرد، لازمی (Lazes) ، چرکس وغیرہ، جو ہر جگہ لوٹ مار اور قتل و غارت کا

بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں پر ہر وقت خوف و ہراس کی حالت طاری رہتی تھی اور ان کی روزانہ تاریخ ایک طویل شہادت کی داستان خونیں کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ جب کسی کرد کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ بلا تکلف کسی ارمنی سے اس چیز کو حاصل کر لیتا تھا۔ فصل کے وقت کردی سردار بلائے مبرم کی طرح نازل ہو جاتا تھا اور اپنے خود مختارانہ حقوق کے عنوان سے ان لوگوں کی بہترین پیداوار پر قبضہ کر لیتا تھا۔ رعایا جو محاصل گورنمنٹ کو ادا کرتی تھی وہی اس سردار کو بھی ادا کرنے پڑتے تھے اور اگر کسی نے اس کردی سردار کو محاصل ادا کرنے سے انکار کر دیا تو پھر اس کا کہیں ٹھکانا نہیں تھا۔ اگر کردوں کے حرم کسی اتفاق سے خالی ہو جاتے تھے تو ارمنی دوشیزہ لڑکیوں پر کردوں کا ایک حملہ ان اجڑے ہوئے حرموں کو از سر نو آباد کر دیتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ ارمنی لوگوں کی جان، مال اور عزت ہر معمولی سے معمولی کرد کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ ترکی حکومت نے صرف یہی نہیں کیا کہ ان لوگوں کو کردوں کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی بلکہ ان لوگوں کو اور بھی زیادہ ستانے کے لئے انھوں نے انہیں ظالموں اور مکاروں میں سے والی، متصرف، قیماق (Kaimakas) مقرر کرنے شروع کر دئیے یا پھر یہ بات ہو گی کہ مذہبی تعصب نے اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے تھے اور وہ ارمنیوں کی پریشانیوں سے بالکل بے خبر تھے۔ جو کچھ بھی ہو عیسائیوں کے لئے سب برابر تھا۔ جب ارمنی بطریق نے باب عالی کو ان مظالم کی اطلاع دی جو اس کے پیرووں پر توڑے جا رہے تھے تو مرکزی حکومت نے مقامی عہدہ داروں کے بیانات کو کافی سمجھا اور ملزموں کی شہادت کو ناقابل تردید صداقت تصور کر لیا۔

صدیوں کی غلامی سے یہ ارمنی باشندے اس قدر پست ہمت ہو گئے تھے کہ اپنے بچاؤ کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ صورت اختیار کر سکتے تھے کہ یا تو کچھ شکایتیں کر لیتے تھے یا پھر خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا، کہکر اپنے اوپر ترس کھا کر رہ جاتے تھے۔ وہ کردوں سے لڑنے کے امکان کا خیال کرنے کی جرأت بھی اس لئے نہیں کر سکتے تھے کہ ان کو یہ خوف تھا کہ ایسا کرنے سے ان کو باغی

تصور کیا جائے گا گو جائز طور پر حفاظت خود اختیاری ہی میں انھوں نے جبر کا بدلہ جبر سے کیوں نہ دیا ہو۔ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ وہی ارمنی باشندے جو روس میں زار کی فوجوں کے بہترین سپاہی، ممتاز افسر اور نامور جنرل تھے، ترکی میں اس قدر پست حالت میں ہوں۔ اس انقلاب عظیم کا جو سبب تھا وہ کچھ زیادہ غور طلب نہیں ہے۔ روس کے ارمنی باشندوں کا بیشتر حصہ ان ارمنی لوگوں کی نسل سے تھا، جنھوں نے غلامی پر جلا وطنی کو ترجیح دی تھی۔ فوج میں ان لوگوں کو بھرتی کیا جاتا تھا، جو عثمانی اور فارسی مقبوضات کو چھوڑ چھوڑ کر فرار ہوتے تھے[1] لہٰذا ان میں ان کی قوم کے تمام زندہ جذبات جوں کے توں موجود تھے۔ ذہانت، جوشش اور جنگی جذبات غرض کہ تمام خوبیاں انھیں لوگوں کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔ ترکی میں جو لوگ رہ گئے تھے وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے اُن میں یا تو اتنی استطاعت نہیں تھی کہ وہ وطن ترک کرنے کے اخراجات کے متحمل ہو سکیں یا اُن کو اپنے مادی مفاد سے اس قدر دلبستگی تھی کہ وہ بیٹھے بٹھائے ان کے کھو دینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے یا پھر ان میں اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ سفر کے خطروں اور خستگیوں کو برداشت کر سکیں۔ اور ان میں اتنی اہلیت بھی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ کسی صورت میں بھی ہتھیار اُٹھا سکیں۔ انھوں نے اپنی تمام قابلیتوں کو تجارت اور حصول دولت میں صرف کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ترکی کے ارمنی باشندے پورے غلام بن گئے تھے[2]۔

برلن کانگریس نے اپنے اجلاس کے موقع پر یورپ میں ان لوگوں کے متعلق دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وان (Van) کے اسقف، مگر خرمیاں (Mgr Khirimian) کی، جو کسی زمانے میں قسطنطنیہ کا بطریق بھی رہ چکا تھا اور

[1] معاہدۂ اورنہ کے بعد پچاس ہزار ارمنی خاندان ارض روم کے اسقف کی سرکردگی میں روس کے علاقے میں آبسے تھے۔

[2] مصنف نے اس جگہ helot کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے زمانۂ قدیم کے اہل اسپارٹا کے غلاموں کا ایک خاص فرقہ مراد ہے۔ اگر اس لفظ کا ترجمہ اس موقع پر بےلوث کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ تعجب یہ ہے کہ تجارت اور حصول دولت کے ہتھکنڈوں میں اس قدر ماہر ہونے کے باوجود ان لوگوں کو غلام کیوں کہا جاتا ہے اور ان کی حالت اس قدر تباہ کیوں بتائی جاتی ہے؟

جو اس واقعے کے بعد اش میازین (Etchmiadzin) کا کیتھولیکوز (Catholicos) بنا دیا گیا تھا، سرکردگی میں ایک وفد نے یورپ کے سامنے ان لوگوں کی شکایتوں کو پیش اور ارمنیہ میں بہترین نظم ونسق کا مطالبہ کیا تھا۔ اس وفد نے صورت حال کا حسب ذیل خلاصہ یورپین عدالت کے سامنے پیش کیا تھا:

"جن یورپین طاقتوں نے روس کے خلاف ترکی کی مدافعت میں قریم کی لڑائی لڑی تھی، انھوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ ان کی فتح خطرے کا انسداد نہیں کر سکے گی اور اسی بنا پر انھوں نے مسئلۂ مشرق کو قطعی طور پر ختم کر دیا تھا۔ انھوں نے صرف عیسائیوں کی حد تک اپنا تعلق قائم رکھا تھا۔ ۱۸۵۶ء کا دستور اساسی اس امر کے متعلق ان کی پالیسی کا، جو ایک امن پسندانہ اور دور اندیشانہ پالیسی تھی، اظہار ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان اصلاحات میں اس خاص چیز کا شائبہ موجود نہیں ہے، جس کو عیسائیوں کو یہ یقین دلا دینا چاہیے کہ ان کے اموال ان کی جانیں اور ان کی عزت محفوظ ہے اور یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کو مساوات کا درجہ حاصل ہے۔

اس زمانے کے بعد سے نئی اصلاحات، جو اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اور مذکورۂ بالا ابتدائی اصلاحات کو روبراہ لانے کی غرض سے تجویز کی گئی تھیں مختلف اوقات میں نافذ ہو چکی ہیں اور سب کے آخر میں ترکی دستور کے اعلان کے ذریعے سے ایک نہایت ہی اعلیٰ اور موثر کوشش روبعمل لائی جا چکی ہے۔

ان تمام کوششوں سے کوئی مفید نتیجہ مترتب نہیں ہوا ہے۔ عیسائی اپنی دردناک حالت کا اب تک دکھڑا رو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں ان کی سیاسی اور مدنی مساوات کا تذکرہ مشخت سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہر جگہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور ہر جگہ وہی ایک ناقابل تغیر نتیجہ برآمد ہوتا ہے، جو اس امر کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیوں کی حفاظت کرنے میں تمام قوانین محض بیکار ثابت ہوئے ہیں۔

آئین جدید کے نفاذ اور ان ضمانتوں کی وجہ سے جنھوں نے عدالتی کاروبار کو گھیر لیا ہے، مسلمان آخری حد تک پسپا ہو گئے ہیں اور انھوں نے

بجبور افریب کاری سے کام لینا شروع کر دیا ہے اگر سزا کا حکم سنانے والا جج عیسائی ہو تب بھی اس حکم کو نافذ کرنے والا ہمیشہ مسلمان ہی ہوتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ باب عالی کی طرف سے اب نیک خواہشوں کا اظہار ہو رہا ہے لیکن جس شئے کے عطا کرنے کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ قطعی ناممکن ہے۔ ایک مسلمان حاکم اپنے مذہب سے انحراف کئے بغیر ضمیر کی آزادی اور معدلت گستری سے کام نہیں لے سکتا اور یہی دو چیزیں ایک اعلیٰ حکومت کے اجزائے لازم میں داخل ہیں۔

ترکی میں ضمیر کی آزادی سے عیسائیوں کی وہ آزادی مراد لی جاتی ہے، جو ان کو اسلام قبول کرنے کے متعلق حاصل ہے۔ کسی ایک مسلمان حاکم نے بھی آج تک کسی مسلمان کے عیسائی ہو جانے کو جائز نہیں رکھا ہے خواہ وہ شخص پہلے ہی سے عیسائی کیوں نہ ہو اور بلحاظ موقع تھوڑی دیر کے لئے مسلمان بن گیا ہو۔ ایک بھی ایسی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی جس میں کسی مسلمان کے عیسائی ہو جانے پر ترکی میں سکوت اختیار کیا گیا ہو۔ آزادی ضمیر کا اصول آپس کے تعلقات کو مرتب کرنے کے لئے صرف مختلف العقائد عیسائی کلیساؤں پر ہی منطبق ہوتا ہے۔ عدل وانصاف کا بھی یہی حال ہے۔ اگر عیسائیوں میں کوئی نزاع واقع ہو تو ایسے موقعوں پر مذہبی اثرات کام نہیں کرتے بشرطیکہ خود قانون مذہبی اصول پر مبنی نہ ہو لیکن اگر کوئی مسلمان کسی عیسائی کو نقصان پہنچا دے تو عدالت میں، جو ایسی صورتوں میں صرف مسلمان گواہوں کی شہادت قابل قبول تصور کرتی ہے، ہمیشہ اس کے ساتھ رعایت کی جاتی ہے۔

ان دونوں قسموں کے واقعات کا، جن میں تفریق کا جذبہ، جو ہر مسلمان حاکم پر یکساں طاری ہے، صاف طور پر اس امر کو نمایاں کرتا ہے کہ حکومت لازمی طور پر مذہبی ہے، یہاں اس لئے تذکرہ کیا گیا ہے کہ اس طریق عمل کے اثرات کا عام طور پر اظہار ہو جائے جو ہر مسلمان عہدہ دار کو لازمی طور پر اس لئے اختیار کرنا پڑتا ہے جو رتبہ اس کو حاصل ہے اور جس کا پتا اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس کے روزمرہ کے تعلقات سے چلتا ہے وہ اسی طریق عمل کے اختیار کئے جانے کا متقاضی ہے گو خود یہ عہدہ دار بذاتہ کتنا ہی روشن خیال اور نیک دل کیوں نہ ہو

ان لوگوں پر الزام رکھنا قرین انصاف نہ ہوگا جو ایک ناممکن العمل شئے کے فریق مقابل ہیں۔ یورپ کی زبردست کوششیں اور ترکی مدبرین کے جذبات وطن پرستی اور فراست وکیاست غرض ہر چیز کو اس سلسلے میں ناکامی ہوئی ہے۔ اس امر کا دلیری کے ساتھ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ نئی اصلاحات سے نئی نئی پیچیدگیاں اور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ اور ان سے موجودہ صورت حال کا دفعیہ ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ اگر مسلمان متقدین کا جذبہ تفریق ایک عام مسلمہ اور مہلک واقعہ ہے، اگر یہ جذبہ خود اشیا کی فطرت میں داخل ہے، اگر اس میں اصلاح کی بالکل صلاحیت نہیں ہے، اگر یہ خود مذہب اسلام کی فطرت میں داخل ہے اور اگر ہر مسلمان کا سیاسی مشرب یہی مذہب ہے، حکومت کی مذہبی حیثیت (theocratic character) کو تسلیم کر لینے کے لحاظ سے، تو پھر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ترکی میں عیسائیوں کے وجود کا سوال، جو، جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے، بجائے خود مسئلۂ مشرق کا پریشان کن پہلو ہے صرف اس صورت سے حل ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے بہ زمانۂ واحد وجود کے شرائط میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ عیسائی متقدین ہی تنہا مساوات برت سکتے ہیں عیسائی متقدین ہی تنہا عدل وانصاف سے کام لے سکتے ہیں اور عیسائی متقدین ہی تنہا ضمیر کی آزادی سے ہر موقع پر کام لے سکتے ہیں مسلمانوں کے بجائے عیسائی متقدین کا ہر اس جگہ جہاں عیسائیوں کی آبادی ہے لازمی طور پر تقرر کر دینا چاہیئے۔ ترکی کے تقریباً تمام صوبوں اور ایشیا، ارمنیہ اور سلیشیا کی یہی صورت ہے۔ مشکلات کے دفیعے کی یہی ایک صورت ہے جس کا اہل ارمنی اپنی باری پر ترکی سے مطالبہ کرتے ہیں۔"

"اہل ارمنی صرف یہی باور نہیں کرتے ہیں کہ ان کو ترکی کے دوسرے عیسائی باشندوں کے ساتھ برابر کے حقوق حاصل ہیں بلکہ وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ مسئلۂ مشرق کے حل کرنے کے لئے ان کی موجودہ صورت حال کا دفعیہ ناگزیر ہے۔

"پانچ صدی پہلے اپنی خود مختاری کو کھو دینے کے بعد ارمنی باشندوں کا ایک گروہ ان وحشی جرگوں کے مظالم کی تاب نہ لاکر جنھوں نے ارمنیہ پر

حملہ کیا تھا، اقصائے عالم میں منتشر ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی ایک کثیر جماعت اپنے وطن ہی میں رہ گئی تھی اور وہ جانتی تھی کہ وطن میں رہ کر قربان گاہوں کے ساتھ ساتھ اپنی قومی نشانیوں کی پرستش کو کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ ارمنیہ کوچک اور ارمنیہ کلاں کے صوبوں میں دو ملین سے زیادہ ارمنی لوگ آباد تھے۔ تاہم آج ان کو وحشی گروہ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، جو ترک نہیں ہیں بلکہ جو مسلمان ہیں اور جو صدیوں سے نہایت آزادی کے ساتھ لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں۔ اگر یورپین ٹرکی میں اہل بلغاریہ اور یونان نے مصیبتیں اٹھائی ہیں تو ارمنیوں نے ایشیا میں ان سے دگنی سختیاں اس وجہ سے جھیلی ہیں کہ یہی وحشی گروہ وہاں بھی موجود ہیں۔ اور نہ وہاں کوئی حکومت ہے، عام اس سے کہ وہ کتنی ہی برائے نام کیوں نہ ہو، اور نہ یورپ کی وہاں نگرانی ہے۔ جو چیز رومانی میں صرف ایک وقتی حیثیت رکھتی تھی وہ ارمنیہ میں روزمرہ کی معمولی باتوں میں داخل تھی اور یہ لوگ جن کے لئے انگلستان کے سب سے بڑے شاعر نے لکھا ہے کہ "دنیا کی تمام قوموں میں شاید یہی قوم ایسی ہے جس کی تاریخ میں بہت کم جرائم نظر آتے ہیں"، انیسویں صدی میں روزانہ ان واقعات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان کے مکان منہدم ہو رہے ہیں، ان کی عزت خاک میں ملائی جا رہی ہے اور ان کی قربان گاہوں کو ناپاک کیا جا رہا ہے ارمنی بطریق نے جو بیشمار اور طویل اطلاعیں باب عالی تک برابر دس سال تک پہنچائی ہیں، وہ ترجمہ ہو کر شائع ہو چکی ہیں، اور یورپ ان کو سچا سمجھتا ہے۔

تمام مشرقی عیسائیوں میں شاید ارمنی ہی وہ لوگ ہیں، جنھیں جنگ قریم کے بعد سے انہایت موثق مواعید کی بنا پر سب سے زیادہ توقعات ہیں انھوں نے اس قدر کثرت کے ساتھ توقعات قائم کی ہیں کہ یورپ بھر میں۔ اور خود ترکوں میں شاید یہی لوگ ایسے ہیں جنھوں نے کبھی کوئی توقع کی ہے۔ اور اس اثنا میں ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ ان کی وجہ سے حکومت کو کسی قسم کی کوئی سراسیمگی یا مشکل پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ اس

واقعے کو ببانگ دہل بیان کر سکتے ہیں کہ بابِ عالی کو ان کے خلاف بغاوت کا ایک واقعہ بھی درج رجسٹر کرنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ اور اصلاحات اور نظم و نسق کی بہتری میں ان کے بہترین افراد نے حکومت کو ہر ممکن طریقے سے مدد دی ہے۔ اور آج بھی وہ اپنے ساغر امید کی شکست میں حکومت کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ لیکن ان کو مستقبل سے بہت کچھ توقعات ہیں اور وہ اپنے دلوں میں جس قسم کی حکومت کا وہ مطالبہ کر رہے ہیں اس کے ماتحت اپنے دن پھرنے کی امیدوں کی پرورش کر رہے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ایسی ہی حکومت ان کو اور تمام مشرق کو مستقبل کی سنجیدہ ترین پیچیدگیوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ روس کو ان کے متعلق تشویش پیدا ہو چکی ہے اور ضرورت ہے کہ دوسری یوروپین طاقتیں بھی اس تشویش میں حصہ لیں کہ

اگر ارمنیوں کو ماضی کی طرح اب بھی مسلمان افسروں کے نظم و نسق میں ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ ان کی حالت بد سے بدتر ہو جائے گی۔ ظلم و تشدد کے ساتھ تعصب کا بھی دور دورہ ہو جائے گا! جس کو قسطنطنیہ کی کانفرنس کے بعد عیسائیوں کی طرفداری میں واقع ہونے والی جنگ نے مسلمانوں کے تمام فرقوں میں اچھی طرح پھیلا دیا ہے۔ دوسری طرف یوروپین ترکی کے متعصب مسلمان ایشیا کی طرف جوق جوق جا رہے ہیں اور آیندہ بھی جاتے رہیں گے۔ اور اپنے ساتھ ناقابل تشفی نفرت اور عداوت کو بھی ایشیا میں لے آئیں گے۔ عین اسی وقت روس کے جدید مقبوضات کے باہر بود و باش رکھنے والے ارمنی باشندے ظلم و تشدد اور تباہی و بربادی کا شکار ہو جائیں گے۔ اور ان کے ہمسایہ جو کل تک ان کی قسمت کے شریک تھے ایک عیسائی حکومت اور قانون کے دور دورے میں ایک نئی زندگی بسر کرنے لگیں گے۔

ترکی کے ارمنی باشندے اس صورت حال کو برداشت نہیں کریں گے۔ انھیں سیاسی جولانیوں کا ذرا بھی خیال نہیں ہے ان کا صرف اس قدر مطالبہ ہے کہ ترکی ارمینیہ میں ان کو ایک خود مختار عیسائی تنظیم انھیں ضمانتوں کے ساتھ عطا کر دی جائے جو لبنان کو حاصل ہیں۔ اس تنظیم (organisation) کا نظم و نسق

ارمنی عہدہ داروں کے ہاتھوں میں دے دیا جائے جو عیسائیوں اور مسلمانوں میں توازن قائم کریں گے۔ اس صورت سے ارمنی لوگ پہلے کی طرح ہمیشہ سلطان کی وفادار رعایا بنے رہیں گے۔ یہ رعایت ان تمام مصیبتوں کے، جو انھوں نے برداشت کی ہیں اور ان کے نہایت ضروری مفادات کے نیز امن مشرق اور اس دلچسپی کے نام سے مانگتے ہیں، جو مسئلہ مشرق کے حل کرنے کے لئے ہمیشہ سے یورپ کو رہی ہے"۔

ارمنیوں کے مطالبات کو دو لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے:۔ حکومت کی مذہبیت کو فنا کر کے اسے محض دنیوی حکومت بنا دیا جائے اور مرکزی طاقت مرکزی حکومت سے لے کر مقامی حکومتوں میں تقسیم کردی جائے۔ عیسائی ولیوں کو نامزد کیا جائے اور پانچ سال کے لئے ان کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ ایک مشترکہ جنڈارمہ قائم کیا جائے، جس کی تنظیم یوروپین طریقے پر ہو اور جس کی کمان مقامی افسروں کے ہاتھ میں ہو۔ عدالتیں آدھی مسلم ہوں اور آدھی عیسائی۔ مذہبی قانون کے بجائے دنیوی قانون نافذ کیا جائے۔ عیسائیوں اور مسلمانوں میں کامل مساوات قائم کی جائے۔ مالگزاری کا ایک حصہ رفاہ عام اور دونوں مذہبوں کی دینی تعلیم کے لئے وقف کردیا جائے۔ ہیکانی (Haikan) زبان کو ترکی زبان کے ساتھ ساتھ سرکاری زبان تسلیم کرلیا جائے۔ یہ تھا وہ نظام العمل، جس کو ارمنی بطریق ولایت ہائے فان (Van) بطلس (Bitlis) اور ارض روم میں جو ولایت ہائے دیاربکر (Diabeker) ماموریت العزیز (Mamouret-ul-Aziz) اور سلیشیا کے (Septrional) اضلاع تھے؛

برلن کانگریس نے ان خرابیوں کے رفع کرنے کا خیال کیا تھا اور ۱۳ر جولائی ۱۸۷۸ء کے قانون کے فقرہ ۶۱ کے ذریعے سے ارمنیوں کی اشک شوئی کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ یوروپین طاقتوں کی دانشمندی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی جگہ پر یہ خیال کرلیا کہ اس قسم کے رسمی قانون کچھ اثر بھی کرسکیں گے۔ اگر سنجیدہ طور پر اس امر کی

خواہش کی جاتی تھی کہ "ان صوبوں میں جہاں ارمنی لوگ آباد ہیں اصلاحات اور بہتر حکومت کی ضرورت ہے" تو ایسی صورت میں اس امر کی ضرورت تھی کہ وہی طریق کار اختیار کیا جاتا جو لبنان میں استعمال کیا گیا تھا نیز سلطان کو اپنی مرضی کے مطابق عمل پیرا ہونے کی آزادی نہ دی جاتی معاہدۂ برلن کے فقرہ ۶۱ میں جن اصلاحات اور ترمیمات کا تذکرہ کیا گیا تھا وہ صرف اس حد تک محدود تھیں کہ بہت سے شاہی کمشنروں کو ارمنیہ بھیجا جائے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے بھیجنے سے ایک بے نتیجہ باقاعدگی کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان شاہی کمشنروں میں عبدالدین پاشا جیسے بہت سے ذی عزت اور صاحب ہمت لوگ بھی تھے لیکن ان لوگوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور جب کبھی یہ لوگ کسی کردی بے کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہتے تھے تو ملزم کو معافی دے کر ان کی تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا جاتا تھا۔ عبدالدین پاشا نے اگرچہ بعض کردی بے اور چیر کسی سرداروں کو البانیا، سمرنا اور قسطنطنیہ کو جلاوطن کر دیا تھا لیکن مشکل سے تین سال گزرے ہوں گے کہ یہ لوگ پھر واپس آگئے اور اپنے سواروں کے دستے کو ساتھ لے کر ان تمام لوگوں سے دل کھول کھول کر بدلہ لیا جنھوں نے ان کے خلاف شکایت کی تھی یا ان کے مقابلے میں شہادت دی تھی۔

جس طرح کہ باب عالی نے البانیہ والوں کو معاہدۂ برلن کے عطا کئے ہوئے مقبوضات کو قرہ طاغ کو دیدینے کے خلاف اکسا دیا تھا اسی طرح اب بھی کردوں کو ارمنیوں کے خلاف ابھار دیا گیا تھا۔ استنبول کے ترکی جرائد اور ان یوروپین جرائد نے، جن کو ترکی حکومت تنخواہ دیتی تھی، کردی مطالبات کے متعلق بہت کچھ شور و غل مچایا اور ارمنیوں کی شکایتوں کی نہایت فخر کے ساتھ مخالفت کی۔ انگریزی اور روسی سفیروں کی عالمانہ یادداشتوں کا جواب ان نفیس مواعید سے دیا کہ ارمنیہ میں ہر چیز کو بہتر صورت میں لے آیا جائے گا اور یہ کہ امپیریل گورنمنٹ بلا امتیاز اپنی رعایا کے ساتھ وہی برتاؤ کرتی ہے جو ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ

کرتا ہے۔ ان مواعید سے مطمئن ہو کر سفرا نے خاموشی اختیار کر لی اور فقرہ ۶۱ جوں کا توں ایک خیالی افسانہ بنا رہا۔ عثمانی اقتدار کے خلاف کردوں کی جنگ نے بھی، جو ہمیشہ سرکش رہے، عثمانی وزرا کے طرز عمل میں کوئی انقلاب پیدا نہیں کیا۔ انھوں نے اس سے صرف یہ فائدہ حاصل کیا کہ ارمنیوں کے ساتھ اور بھی ظلم و ستم سے کام لینے لگے۔ فوجوں کے استحصالات بالجبر سے جن کے مصارف ان لوگوں کو برداشت کرنے پڑتے تھے، یہ لوگ تباہ ہو گئے۔ فوجوں نے ان کا اچھی طرح سر مونڈا، دل کھول کھول کر لوٹ مار کی اور باوجودیکہ ان کی وفاداری سے کبھی انکار نہیں کیا گیا تھا، تاہم ان کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو کسی دیرینہ اور شدید باغی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ترکی فوجوں کی واپسی کے بعد بھی یہی لوگ ظلم و ستم کا شکار بنے۔ کردوں نے اس بنا پر غداری کا الزام ان لوگوں پر لگایا کہ انھوں نے ترکی فوجوں کے لئے رسد اور ذرائع نقل و حمل مہیا کئے تھے اور ان کی رہبری کی تھی اور پھر ان سے اس موہوم غداری کا خوب خوب انتقام لیا۔

ارمنیہ کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ترکی بالکل اسی طرح جس طرح کہ ارمنیوں پر الزام لگایا گیا تھا، ایک قبل از قبل طے شدہ تجویز کے مطابق جس طرح بھی ممکن ہو ارمنی عنصر کو نیست و نابود کر دینے کی فکر میں تھی۔ ایک درخواست میں جو فقرہ ۲۱ کے متعلق ارمنیہ کے برطانوی قونصل جنرل میجر ٹراٹر کی موسومہ تھی نہایت دلیری کے ساتھ اس بات کو ظاہر کیا گیا تھا کہ ۱۸۶۵ء کے بعد سے امپیریل گورنمنٹ کا صرف ایک ہی نصب العین رہا ہے اور وہ عیسائیوں کی بربادی ہے۔

بابِ عالی کا ارادہ یہ تھا کہ ٹارس اور اینٹی ٹارس (Taurus and Anti-Taurus) میں یا تو کردوں کو بسا دیا جائے یا کسی دوسری مسلمان قوم کو اور اس طرح روسی حملے کے لئے ایک سدِ راہ پیدا ہو جائے۔ اگر اس قسم کی واقعی کوئی تجویز کی گئی تھی تو یہ اتنی ہی خطرناک بھی ثابت ہوتی، جتنی کہ مشکل تھی۔ ۲۰ لاکھ سے زیادہ انسانوں کے مٹانے کے لئے ایک بہت طویل عرصے تک لوگوں کو

قتل و غارت کرنے کی ضرورت ہوتی اور پھر اگر اس ستم رانی سے کام لیا جاتا تو یورپ یقیناً اس معاملے میں مداخلت کرتا۔ اگر قتل عام کے ان سلسلوں کے بعد سے، جنھوں نے ۱۸۹۴ء سے لے کر ۱۸۹۷ء تک ارمنیہ کے دامن پرخون کے دھبے لگائے، یورپ کے طرز عمل پر غور کیا جائے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ ارمنیوں کی بقا یا فنا کے مسئلے سے دول کو بہت کم دلچسپی تھی۔ اس زمانے میں دول کی تمامتر توجہ سیاسی افعال و اقوال کی طرف مبذول تھی جن کو اگرچہ جابرانہ تصور کیا جاتا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ ان سے محض ظاہری نمائش مقصود تھی اور ان کشتگان ستم کے دردِ دل کا علاج نہیں ہو سکتا تھا۔

ترکی کے ارمنیوں نے شہیدوں کے سے عزم و استقلال کے ساتھ اپنی نامبارک قسمت کے ساتھ سازگاری پیدا کر لی تھی۔ مگر یہ حالت ان ارمنی باشندوں کی نہیں تھی جو حمیدی ستم رانیوں سے بچ کر یورپ میں آبسے تھے ۱۸۸۸ء میں ام جین بروسالی (Jean Broussali) نے جو پارس میں مقیم تھا، سب سے پہلے ارمنی خفیہ کمیٹی قائم کی۔ دوسری تمام ہیکانی انقلابی کمیٹیاں اسی کمیٹی کی شاخیں تھیں۔ سابق بطریق خرمیاں نے، جو سقوطری میں سرب قاش (sourp-katch) کے مقیم پر پولیس کی نگرانی میں تھا، اس واقعے سے مطلع ہونے پر اپنی نظربندی کے باوجود ان لوگوں کو مالی امداد پہنچائی۔ ابتداءً ترکی یورپ کی خفیہ کمیٹیاں علیحدہ علیحدہ طور پر اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں لیکن اکتوبر ۱۸۹۰ء میں ایک انقلابی اتحاد نے ان تمام خفیہ کمیٹیوں کو ایک دوسرے سے متحد کر دیا اور اس وطن پرست تحریک کا انتظام و انصرام ایک زبردست سازش کی نگرانی میں آگیا۔ ان کمیٹیوں کی تنظیم میں کاربوناری (Carbonari) کی تقلید کی گئی تھی۔ ان کو بیکار کرنے کے لئے مرکزی کمیٹی پر حملہ کرنے کی ضرورت ہوتی، جو تمام کمیٹیوں، سب کمیٹیوں اور ممبروں سے واقف تھی مگر خود اس سے کوئی کمیٹی یا سب کمیٹی یا ممبر واقف نہیں تھا۔ اس اعلیٰ کمیٹی کا مستقر ترکی میں نہیں تھا۔ اس کے احکام باہر سے اور ہمیشہ نہایت خطرناک اور دشوار گزار راستوں سے بھیجے جاتے تھے۔ یہی

وجہ تھی کہ ترکی پولیس کی سراغ رسانیوں میں روز بروز نئی نئی مشکلیں پیش آتی رہتی تھیں اور جب کبھی اس گھٹا ٹوپ اندھیارے میں کوئی دھندلی سی روشنی پولیس کی رہبری کے لئے ظاہر ہوتی تھی تو فوراً ہی ایک تازہ ظلمت، جو پہلے سے زیادہ تاریک تر ہوتی تھی، اس کو ڈھانپ لیتی تھی۔"

ان کمیٹیوں کے ممبر تین مدوں میں منقسم تھے (۱) مشیر (۲) عام کارکن (۳) خفیہ کارکن۔ پہلے قسم کے رکن اس تمام انتظام کے روح رواں تھے۔ خبروں کا پڑھنا، مالی ذرائع کا مہیا کرنا، مناسب طریق عمل معین کرنا اور احکام نافذ کرنا انھیں کے فرائض میں داخل تھا۔ دوسری قسم کے رکن جن کو تعلیم یافتہ نوجوانوں کے طبقے میں سے لیا جاتا تھا پروپاغنڈا کا کام کرتے تھے چندوں کی فراہمی، ہتھیاروں کی خریداری اور رضاکاروں کی بھرتی کے فرائض بھی انھیں سے متعلق ہوتے تھے۔ تیسری قسم کے رکن ان ارمنیوں سے جو ترکوں کے شریک وسہیم تھے، ان کا حصہ وصول کرتے تھے اور دغا بازوں کو اپنے کیفر کردار کو پہنچاتے تھے۔ یا تو وہ ہی پریشاں خیال لوگ تھے، جن کو ارمنیہ کی مصیبتوں کی داستانیں سنا سنا کر برانگیختہ کیا گیا تھا یا پھر وہ لوگ تھے جو مصائب کی شدت سے اپنی جانوں سے بیزار تھے، جنھوں نے ہتھیار اٹھائے اور اپنے ملک کی مصیبتوں کا انتقام لینے میں خود اپنی مصیبتوں کا انتقام لے لیا۔ اگرچہ سیاسی قتل وغارت کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا جا سکتا مگر یہ واقعہ نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ کمیٹی نے جن جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا وہ سب وہی ارمنی باشندے تھے، جن پر یہ الزام تھا کہ انھوں نے اپنا ملک ترکوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔"

ابھی سنجیدہ اور واقعی طور پر اس سلسلے کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ قسطنطنیہ کی ہنچکانی انقلابی کمیٹیوں نے ۱۸۹۰ء میں کوم کاپو (Koum-Kapou) کی بغاوت اور "ریڈ کمیٹی" کے کشت وخون کے ذریعے سے اپنے وجود کی تصدیق کر دی۔ ۲۰ / اور ۲۱ / جون ۱۸۹۰ء کو ارض روم کے قتل عام کے بعد، جب کہ ترکی عہدہ داروں نے جاسوسوں کی مخبری پر، کمیٹیوں سے جن پر نگرانی رکھنے کی

تکلیف گوارا نہیں کی تھی، سناسارین ارمینین اسکول (Sanasarian Armenian School) کو بند کردینا چاہا، تو پیٹریارکیٹ (Patriarchate) کی مذہبی کونسل نے بطریق اچیکیاں (Achikian) پر یہ الزام لگایا تھا کہ اس نے باب عالی (Palace) میں مسلمانوں کے خلاف انصاف کے مطالبے میں عرضی گزرانی تھی اور اس میں کشتگان ستم کے خاندانوں کے لئے معاوضے کی استدعا بھی کی تھی؛

بطریق نے یہ کام ایک حد تک بدرجۂ مجبوری، سلطان کے معتمد اول، سوریا پاشا، کے حسب تجویز انجام دیا تھا، مگر عرضی میں اس نے اسقدر ترمیم و تنسیخ کردی تھی کہ بہ حیثیت مجموعی وہ بالکل مہمل ہوگئی تھی۔ اس طرزعمل نے ارمنی جماعت میں بہت کچھ غیظ و غضب پھیلادیا اور کمیٹی کے جاسوسوں کو پروپاغندا پھیلانے کا بہت عمدہ موقع مل گیا۔ ان لوگوں کی ترغیب و تحریص نے لوگوں پر بہت اثر کیا اور مون سینیور اچیکیاں کی ایک دوسری کمزوری پر اس گروہ میں بے انتہا بے چینی پھیل گئی۔ وزیراعظم، کامل پاشا، کی ہدایت پر اچیکیاں بعض سنیٹوں کا نام خطبے سے خارج کردینے پر رضامند ہوگیا تھا۔ یہ لوگ شاہ اپکار (Apkar)، جنرل ورتان اور جنرل وہان وغیرہ تھے، جن کا گرجتانی کلیسا احترام کرتے تھے اور جو سیاسی شخصیتیں رکھتے تھے۔ کامل پاشا کا استدلال یہ تھا کہ کلیساؤں کے خطبوں میں ان لوگوں کے نام پڑھے جانے سے بہت ممکن ہے کہ باغیانہ مظاہرے واقع ہو جائیں۔ بطریق کی اس عدیم المثال کمزوری کا نتیجہ ۲۷ جولائی کی بغاوت تھی۔ خون میں ڈوب گیا؛

۲۷ جولائی کو اتوار کے دن، جو یوم قربانی بہرام تھا، کوم کاپو کے قلعہ میں عین اس وقت جب کہ سلطان کے لئے دعا کی جارہی تھی ایک جوان آدمی پادریوں اور ڈیکنس (deacons) کے روکتے روکتے چانسل میں آگھسا اور بطریق کو حکم دیا کہ وہ تمام مجمع کو ساتھ لے کر سیدھا یلدیز جائے اور ارض روم کے قتل عام کے متعلق انصاف ساتھ ہی موسی بے کی سزا کا

مطالبہ کرے، جو ایک کردی سردار تھا اور موش (Mouch) کی سنجک میں ارمنیوں کے کشت و خون کی وجہ سے مشہور ہوگیا تھا۔ لوگوں نے بطریق پر آوازے کسنا شروع کر دئے اور خوب لولو مچائی۔ اور بعض لوگوں نے اس کو پھانسی دیدینے کی دھمکی دی۔ اور کسی نے اس پر روالور کا فیر کر دیا۔ بڑی دقتوں کے ساتھ بطریق گرجا کے گودام تک پہنچا اور پھر وہاں سے اس نے پڑوس کے ایک دوا ساز کے یہاں پناہ لی۔ مجمع "مرتد کو مار ڈالو" کے نعرے لگاتا ہوا اس کے تعاقب میں تھا کہ پولیس آپہنچی اور افسر متعلقہ نے بغاوت کے محرک کو گرفتار کر لینا چاہا مگر اس نے روسی باشندہ ظاہر کیا اور یہ دعوی کیا کہ روسی نژاد ہونے کی وجہ سے اس کو گرفتار نہیں کیا جا سکتا۔ افسر متعلقہ نے ان باتوں کی کچھ پروانہ کرکے اس کے کالر پر ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ کسی دوسرے شخص نے اس کے گولی مار دی۔ یہ لڑائی کے شروع ہونے کی علامت تھی لیکن ابھی کچھ منٹ ہی گزرے تھے کہ ارمنیوں نے سر پر پانوں رکھ کر بھاگنا شروع کر دیا۔ وزیر پولیس، پیرا کے متصرف اور پولیس کے دوسرے تمام دستوں کے پاس قیدیوں کی بھر مار تھی ہر لمحہ تازہ قیدی گرفتار ہو ہو کر آرہے تھے اور یہ لوگ حیران تھے کہ ان کو کہاں رکھا جائے۔ ارمنی پیٹریارکیٹ اور تمام گرجانی کلیساؤں میں لوگ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے جنھوں نے اس امید میں یہاں پناہ لی تھی کہ حکومت کو عیسائی طاقتوں کے سفیروں کے سامنے مقدس عمارت کو ناپاک کرنے کی جرأت نہیں ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ عبد الحمید میں اتنی جرأت نہیں تھی۔

"ریڈ کمیٹی"، ایک ارمنی، ایگاپ بدریکوف (Agop Badrikoff) نے جو روس کی رعایا میں سے تھا، قائم کی تھی۔ اس کا کام یہ تھا کہ ان ارمنی باشندوں کو سزا دے، جو ترکوں کے جاسوس تھے۔ اگست اور ستمبر کے مہینوں میں قتل کی بے شمار وارداتوں کے باعث تمام شہر پر خوف و ہراس طاری ہوگیا تھا۔ گروہ در گروہ لوگ گرفتار ہونے لگے! یہاں تک آخر الامر بدریکوف بھی گرفتار ہوگیا۔ روسی سفارت نے اس کے خلاف مقدمے کی تحقیقات کی

اس شرط پر اجازت دیدی کہ عدالت چاہے جو حکم بھی دے اس کو معافی دیدی جائے۔

اس کے ستر کا میں ایک شخص ایسا تھا جس کی وجہ سے اس مقدمے میں سے لوگوں کو بہت کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ یہ شخص بہرام بے دادیان (Vahram Bey Dadian) ہیرا کی عدالت فوجداری کا سابق جج تھا۔ یہ شخص مشیر وزیر خارجہ ارطین پاشا دادیان (Artin Pasha Dadian) کا بھتیجا اور ڈویژنل جنرل، کاؤنٹ ذکنی پاشا، (Szechenye-Pasha) کا داماد تھا۔ عاشق (Hatchik) نامی وکیل کے قتل کی سراغ رسانی کے لیے جو جاسوس مقرر کیا گیا تھا، اس نے اس پر الزام لگایا تھا۔ جس خنجر سے عاشق کو قتل کیا گیا تھا وہ اس خنجر سے بہت مشابہ تھا جو اس واقعے کے کچھ روز پہلے بہرام بے کے پاس سے چوری گیا تھا۔ اس کے مکان سے جو کاغذات برآمد ہوئے انھوں نے اس امر کو قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ انقلابی کمیٹیوں میں اس کا بڑا رتبہ تھا۔ لیکن تمام خط و کتابت معینہ اشارات میں کی گئی تھی جس کو ترک کبھی حل نہیں کر سکے۔

بہرام بے جنوری ۱۹۰۸ء میں رہا کر دیا گیا۔

بدریکوف نے عدالت میں یہ اقرار تو کر لیا کہ ارمنیوں کی خفیہ انجمنوں سے اس کا تعلق ہے مگر اس امر سے اس نے قطعی طور پر انکار کر دیا کہ ریڈ کمیٹی کا کوم کاپو کی بغاوت اور اس کے بعد واقع ہونے والی قتل کی وارداتوں سے کوئی تعلق تھا۔ استغاثہ کا ایک گواہ، عبدالکریم آفندی کے، جو پولیس کا ایجنٹ تھا، عین عدالت کے دروازے پر خنجر سے قتل کر دیے جانے پر بدریکوف نے صدر سے طنزاً دریافت کیا کہ کیا پیروکار عدالت یہ قتل بھی اسی کے نام لکھنے والا ہے۔ اپریل ۱۹۰۸ء میں جشن بہرام کے بعد باوجودیکہ صریح طور پر کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا، بدریکوف کو، جسے سردار ریڈ کمیٹی، محرک جرائم قتل اور نہی لسٹ فرقے کے رکن ہونے کی حیثیت سے موت کی سزا دی گئی تھی، معافی دیدی گئی اور روسی سفارت خانے کو بھیج دیا گیا۔ دوسرے دن وہ

اُڈیسہ سے روس کے ڈاک کے جہاز پر سوار ہوگیا اور جدھر سینگ سمائے چلا گیا۔ اگرچہ بدریکوف اب موجود نہیں تھا لیکن ریڈ کھیٹی کے گشت و خون کا سلسلہ برابر جاری تھا اور پولیس کسی صورت سے اُن خود رو کھجوں کا سراغ نہیں لگا سکتی تھی۔
اس وقت تک ہیکانی انجمنوں کا کاروبار تمام ایشیا میں پھیل چکا تھا۔ سواس (Swas) انقرہ (Angora) قونیہ (Koniah) اور عدنہ (Adana) کی ولایتوں میں بغاوت برپا کرنے کی ایک کوشش جس کی محرک سنرادیہ اور مرسیفان کی انجمنیں تھیں ۸ مئی ۱۸۹۳ء کی تحقیقات انقرہ پر ختم ہوئی، جس میں (۲) پادری (۷) پروفیسر یا طالب علم (۱) وکیل (۱) جریدہ نگار (۱) عورت (۷) تاجر (۳۵) صناع، مزدور، ملازمین وغیرہ، جو کئی ہزار گرفتار شدگان میں سے منتخب کئے گئے تھے۔ حاضر عدالت ہوئے تھے تا حد امکان اس تحقیقات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنے کے بعد حکومت نے انجمنوں کی بے باکی کو دیکھ کر تحقیقات کے متعلق ایک سرکاری بیان شایع کرنے کا ارادہ کیا۔ تقریباً دو مہینے تک قسطنطنیہ کے تمام جرائد اس بیان کو شایع کرتے رہے، جس کا مواد محکمہ جرائد سے بھیجا جاتا تھا کالم کے کالم سیاہ کرنے لگے بطریق اچکیاس اپنی بریت کے واسطے اپنی وفاداری کو ثابت کرنے کے لئے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مارچ ۱۸۹۴ء کے آغاز پر اس نے صوبہ جات کے تمام گرجستانی مذہبی حلقوں اور دارالسلطنت کے ارمنی کلیساؤں کے تمام پادریوں کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا تاکہ دعا کے بعد لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا جائے۔ جہاں اور سفارشیں بھی کی گئی وہاں اس مراسلے میں یہ بھی تحریر کیا گیا تھا:۔ "اپنے کلیسا کے معتقدین میں جو لوگ جاہل اور احمق ہیں ان کو یہ مشورہ دو کہ وہ بد امنی پھیلانے والوں کے دام میں نہ پھنسیں۔ اس حیثیت سے کہ تم اپنی قومی وفاداری کے محافظ ہو تمام مخالفین کے ناموں سے حکومت کو آگاہ کر دو۔" عوام کی طرف سے اس اپیل کا جو جواب دیا گیا وہ بطریق کے قتل کی کوشش تھی۔ ایسٹر سنڈے کی نماز کے بعد، جس میں قلعۂ کوم کاپو میں اس نے خطبہ پڑھا تھا، اس پر ریوالور سے فیر کیا گیا لیکن خوش قسمتی سے نشانہ اس لئے خطا ہو گیا کہ قاتل عجلت میں ریوالور کا سیفٹی اتارنا بھول گیا تھا اس واقعے کے کچھ ماہ بعد ساسونی (Sassoun)

واقعات کا اظہار ہوا جس نے ارمنیہ میں کشت و خون کا ایک نئے خونین سنہ کا آغاز کردیا اور جس نے عبد الحمید کے لئے "ریڈ سلطان" کا خطاب حاصل کرلیا۔
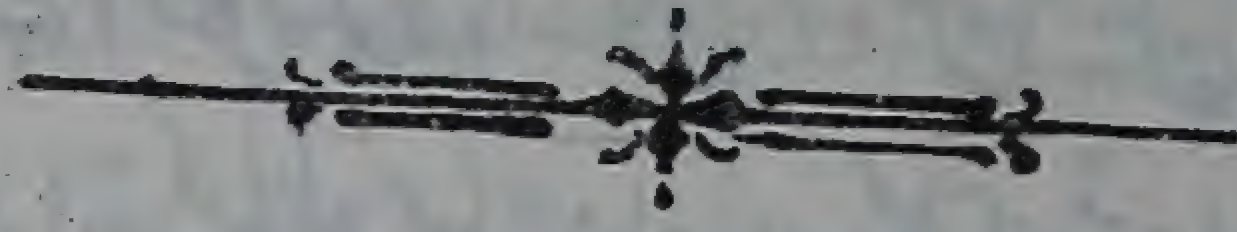
ارمنیوں کا کشت و خون ساسون (Sassoun) یادداشت ۱۱ رمئی ۱۸۹۵ء قسطنطنیہ میں کشت و خون (۲۳ تا ۳۰ اگست ۱۸۹۶ء)۔ اصلاحات کا خاتمہ۔
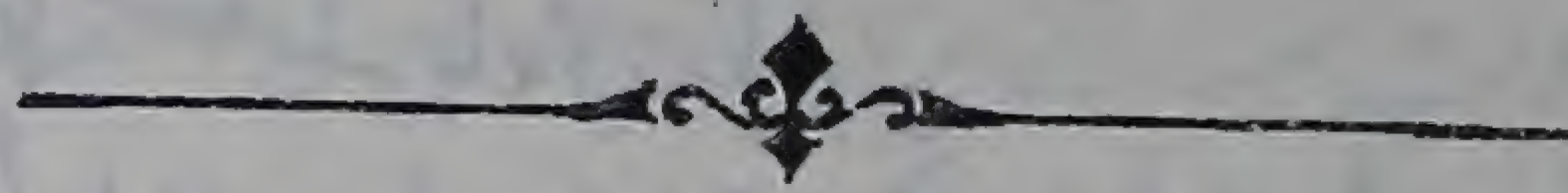
انتظام مملکت کے نقطۂ نظر سے ساسون ولایت بطلس (Bitlis) میں موش کی سنجک کا ایک قصبہ ہے، جس میں ترکی اعداد و شمار کے مطابق (جس کو تسلیم کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے) (۱۱۰) مواضعات ہیں اور جس کی آبادی (۱۰ ار ۲۱) ہے اس کے منجملہ (۱۰ ر ۳۷۰) کرد ہیں اور (۹ ر ۳۸۹) ارمنی۔ اپنے پہاڑوں کی حفاظت میں، جن پر گھنے جنگل اُگے ہوئے تھے ان لوگوں کو ۱۸۶۰ء سے پہلے ویسے ہی اختیارات خود انتظامی حاصل تھے جو خود کوزان (Kozan) اور زیتون (Zeitoun) کے پہاڑی باشندوں کو حاصل تھے۔ سب سے زیادہ تعجب خیز جو بات ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو تمام قسم کے محاصل سے مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ تھا اور ان کے مراعات کی مدافعت میں کرد بھی ارمنیوں کے شریک حال ہو گئے تھے۔ جون ۱۸۹۴ء میں موش کے متصرف نے، جس پر بطلس کے ولی نے دباؤ ڈالا تھا کہ سنجک کی مالگزاری سے وہ رقم وضع کر کے بھیجے، جو ولایت کے ذمے

استنبول کو "واجب الادا ہے"، کافی روپیہ موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ حکم دیا کہ قصبۂ مذکور فوراً ان کئی سالوں کی مالگزاری اور دیگر محصولات ادا کرے جو سرکاری خزانہ کو قابل ایصال ہیں۔ باشندوں نے اپنے حقوق کی دلیل پیش کر کے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ ولی، حسن تحسین پاشا نے فوراً یلدیز کو اس مضمون کا تار روانہ کیا کہ ساسون کے ارمنیوں نے بعض غدار کردی قبائل کے ساتھ مل کر بغاوت کر دی ہے۔ یلدیز سے اس کے جواب میں باغیوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کا حکم آیا ساتھ ہی ساتھ فورتھ آرمی کور کے کمانڈر ان چیف، مارشل ذکی پاشا کو بھی کئی رجمنٹیں ساتھ لے کر ساسون جانے کا حکم دیدیا گیا۔ چنانچہ پیدل فوج کی بارہ بٹالینوں، رسالۂ حمیدیہ کی چار رجمنٹوں اور کئی توپوں کے ساتھ ان پہاڑوں پر حملہ کیا گیا اور ۵ اگست سے لے کر ۱۵ ستمبر تک ارمنی مواضعات میں کشت و خون، لوٹ مار اور تباہی و بربادی کا سلسلہ جاری رہا۔

بعض انگریزی جرائد کے، جن میں اسٹینڈرڈ اور ڈیلی نیوز خاص طور پر قابل تذکرہ ہیں، ان واقعات کے متعلق قلم اٹھانے پر اور یورپ میں غصے کی ایک لہر دوڑتی ہوئی دیکھ کر سلطان کو یہ خیال ہوا کہ اظہار حال کا بہترین موقع یہی ہے۔ ۲۲ نومبر کو استنبول کے محکمۂ جرائد نے پیرا کے اخبارات کو ان واقعات کے متعلق مواد بھیجا جس کے ساتھ حسب ذیل آمرانہ یادداشت بھی تھی:

"جرائد پابند ہیں کہ اپنی رپورٹوں کو اس اطلاع پر مبنی کریں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ تمام غلطیاں ارمنی باغیوں کی حرکتوں کی وجہ سے واقع ہوئیں"۔

جرائد نے اب "قزاقی" کے عنوان سے چھوٹے چھوٹے مضمون شائع کرنا شروع کئے، جن کا ایک نمونہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

"حال میں ساسون کے مقام پر جو بدامنی پھیل گئی تھی وہ ایک شخص ارمیناز کے، جو داردن کا رہنے والا ہے اور قاف سے ساسون میں آیا تھا،

اغوا کی بنا پر واقع ہوئی تھی۔ یہ شخص قزاقوں کے دو گروہوں کا سردار تھا، جن میں سے ایک گروہ سے، پبلک کی بے انتہا کوششوں کے بعد، سرحد پر مقابلہ ہوا اور وہ شکست کھا کر منتشر ہو گیا۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے دو قزاق گرفتار کر لئے گئے تھے اور دوسرے قزاقوں نے ساسون میں پناہ لی تھی۔ دوسرا گروہ اب تک سرحدی اضلاع میں موجود تھا۔ ارمینیائی گروہ کا سردار اس وقت سولینا (Soulina) میں موجود ہے۔ یہ تمام واقعہ در اصل لوٹ مار کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے بانیوں نے باہر سے آنے والے ارمنی کارکنانِ بغاوت کے اغوا پر اس کا ارتکاب کیا تھا۔ ساسون کے امن پسند باشندے امن عامہ کو قائم رکھنے کی غرض سے شاہی عہدہ داروں کی اس متعدی اور جرأت کے مشکور ہیں"۔

یہ باور کر کے کہ جرائد کی ان اشاعتوں سے رائے عامہ پر خاطرخواہ اثر ہو چکا ہے، دولت علیہ نے یکانی قزاقوں کی دست برد کے متعلق ایک تحقیقاتی کمیشن کی نامزدگی کا اعلان کر دیا۔ اور پھر نہایت چالاکی سے کام لے کر معاہدۂ برلن پر دستخط کرنے والی طاقتوں کو بھی سلطان نے اس کمیشن میں شریک ہونے کے لئے مدعو کیا۔ اور انگلستان، فرانس اور روس نے اس دعوتِ شرکت کو منظور کر لیا۔

اس تحقیقاتی کمیشن میں حسب ذیل نمایندے شریک تھے:۔

ام اسپکلی انگلستان کی طرف سے ولبرٹ فرانس کی طرف سے اور پرجی والسکی (Prjevalsky) روس کی طرف سے۔ ان لوگوں کو جو ہدایتیں دی گئی تھیں وہ بہت محدود تھیں۔ انھوں نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ دوران تحقیقات میں اخلاقی حالت کو درست رکھا۔ ان لوگوں کو اس امر کی اجازت نہیں دی گئی تھی جن مقامی باشندوں سے جرح کی جائے ان سے یہ لوگ راست گفت و شنید کریں ان کو صرف یہ حق حاصل تھا کہ جہاں مناسب سمجھیں کمیشن سے اختلاف کریں۔ کمیشن کی رپورٹ سے، جو ۲۰ جولائی ۱۸۹۵ء کو موش میں شایع ہوئی تھی، حسب ذیل بیانات عبد الحمید کی

حکومت کے لئے اور بھی باعث ننگ ہیں۔“

(جن ارمنیوں سے جرح کی گئی ان کا) انتخاب ہمیشہ مقامی عہدہ داروں کی مرضی پر ہوا کرتا تھا اور اثنائے قیام میں ان پر نگرانی قائم تھی اور وہ پولیس کی مرضی کے پابند تھے۔ نمایندوں نے بارہا کمیشن کی توجہ، جس تک باریابی سخت دشوار تھی، لوگوں تک راست رسائی حاصل کرنے کی اہمیت کی طرف، خصوصاً ایسی صورت میں کہ کمیشن کا قیام احقاق حق وابطال باطل کی غرض سے عمل میں آیا تھا، معطوف کرائی اور اس امر پر زور دیا کہ کمیشن جن گواہوں کی شہادتیں قلمبند کرے، ان کے اور اپنے مابین کسی درمیانی یا دوسرے اثر کو کارفرما ہونے کا موقع نہ دے۔ لیکن نمایندوں کو مجبوراً یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ اس سلسلے میں ان کی تمام کوششیں بے سود رہیں اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس کوشش میں حق بجانب تھے۔ ابتدا ہی سے کمیشن نے تحقیقات کے دو عنوان قرار دے لئے تھے۔ (۱) مشتبہ ملزمین (۲) شاہد یا مخبر جن لوگوں کی شہادتیں قلمبند کی جانے والی تھیں ان کے مابین یہ ایک قسم کا امتیاز تھا، جس کے خلاف احتجاج کرنے میں نمایندے پیچھے نہیں رہے ہیں اور جس کا جرح کے طریقے پر بھی اثر محسوس ہوتا ہے۔ ان حالات کے لحاظ سے اس امر کے باور کرنے میں کوئی دشواری نہیں رہتی کہ اس تحقیقات کا باوجودیکہ اس کا سلسلہ عرصے سے جاری ہے اور کثیر التعداد گواہوں کی شہادتیں قلمبند کی گئی ہیں۔ مقابلتہً نہایت ہی ناقص نتیجہ برآمد ہوا ہے اور آیندہ بھی تحقیقات اگر اسی اصول پر جاری رہی تو مزید واقعات کے ظاہر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔“

ارمنیوں کی خیالی بغاوت کے متعلق، جس کی بنا پر کہ قیام امن کی غرض سے فوجیں بھیجنے کی ضرورت داعی ہوئی تھی، سرکاری اطلاعوں کی دروغ بیانیوں کا اظہار کرنے کے بعد رپورٹ میں بیان کیا گیا تھا:۔

”ایک پورے ملک کی پوری تباہی کے متعلق کسی صورت میں یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ بغاوت کی قرار واقعی اور واجبی سزا ہے۔ موجودہ صورت میں

بالخصوص اس لئے ارنیوں کا تمام تر جرم یہ تھا کہ انھوں نے مراد کو پناہ دی تھی اور اس کو چھپا رکھا تھا، قزاقی کی بعض وارداتیں یا کردوں سے انتقام، یا عہدہ داروں سے سرکشی یا شاہی افواج کا معمولی سا مقابلہ، یہ تمام باتیں، ایسی حالت میں جبکہ واقعات کا اب تک اچھی طرح اظہار بھی نہیں ہوا ہے، اس ہا فلاکت اور مصیبت کو جائز قرار نہیں دیتیں، جو ملک اور افرادِ ملک پر ٹوٹ پڑی ہے۔"

اسی رپورٹ میں فوج کے طرزِ عمل کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جس نے گلیگازن (Gueliegazan) کے مقام پر کردوں کے کشت و خون میں رعایت سے کام لیا تھا اور پھر تلوری اور سعید (Talori and Said) میں یہی واقعات پیش آئے تو خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔"

"شاہی افواج کا رویہ ناقابل معافی ہے خصوصاً ان واقعات کے لحاظ سے جو ان کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے۔ جس طرح اس ڈٹاچمنٹ کا طرزِ عمل قابل سزا ہے جو فوجوں کے ورود کے بعد پہنچی تھی، بالکل اسی طرح فوجوں کا رویہ بھی قابل سزا ہے۔ افواج نے نہ تو عورتوں اور بچوں کی حفاظت ہی کی کوئی تدبیر کی اور نہ ارنیوں ہی کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ اپنے اپنے مسکونہ مقامات کو واپس چلے جائیں۔ ان دونوں باتوں کی طرف اس وقت تک توجہ نہیں کی گئی جب تک کہ منشیر ذکی پاشا (Munshir Zeki-Pasha) اس مقام پر نہ آپہنچے......"

عبد الحمید کے طرفدار جرائد نے اس موقع پر تمام ذمہ داری یلدیز کے معتمد اول، سوریا پاشا پر ڈالدی، جس کو اس لئے زہر دے دیا گیا تھا کہ اس بیان کے خلاف زبان نہ کھول سکے۔ لیکن در اصل سوریا پاشا کا اس کے سوا اور کوئی قصور نہیں تھا کہ اس نے سلطان کے باقاعدہ احکام کو مارشل ذکی پاشا تک پہنچا دیا تھا۔ خود وزراء بھی ان احکام سے واقف نہ تھے۔ ارمنیہ کے کشت و خون کا تنہا ذمہ دار عبد الحمید ہے۔ ۱۲ جون ۱۸۹۵ء کو فرانسیسی سفیر کمبون نے پیرس کے وزیر خارجہ کے نام حسب ذیل تار روانہ کیا۔ "یہ کہا جاسکتا ہے کہ گذشتہ چار سال سے حکومت باب عالی سے منتقل ہو کر یلدیز میں چلی گئی تھی تمام عہدہ دار اپنے اپنے متعلقہ وزراء سے مراسلت کرنے کے بجائے سلطان کے

معتمدین سے خط و کتابت کرتے تھے۔ انھوں نے وزیر اعظم کے احکام کی تعمیل کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تھا اور مجھے ان معاملات کے دوران میں جن سے ہمیں دلچسپی ہے، بارہا باب عالی کی اس بیچارگی کے اظہار کا موقع ملا ہے کہ وہ اپنے ماتحت ملازمین سے بھی اپنے احکام کی تعمیل نہیں کرا سکتے۔ ایسا طرز حکومت، جس کو ہر شخص بری نظروں سے دیکھتا ہے سلطان کے لیئے جوکھم سے خالی نہیں اور ایک دن ایسا آئے گا کہ تمام ذمہ داری اسی کی ذات پر رکھدی جائے گی۔ جب کبھی کوئی موقع آئے گا تو عبد الحمید کو ذاتی طور پر اپنی رعایا اور یورپ کے سامنے جوابدہی کرنی پڑے گی۔ حال ہی میں ایک ایسا واقعہ ارمینیہ میں پیش آچکا ہے اور سلطان نے یکایک یہ محسوس کیا ہے کہ اس کی ایک ایسے ملزم کی سی حیثیت ہے، جس کے پاس کوئی مدافعت نہیں"۔

۱۳ر جنوری ۱۸۹۶ء کو کیبون نے تحریر کیا کہ "مسلم مشاہیر عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ کشت و خون کا خود سلطان نے حکم دیا تھا اور اسی بنا پر وہ سلطان ہی کو ان تمام خرابیوں کا بانی سمجھتے ہیں"۔

عوام کے مطالبے پر، جو جراکد، میتھوڈسٹ کمیٹیوں اور نان کن فارمٹ فرقوں کے، جن کا جماعت احرار کے طرز عمل پر خصوصاً اسکاٹلینڈ میں بہت کچھ اثر پڑتا ہے، انکشافات پر انگریزی حکومت نے ارمینیہ کی طرف سے مداخلت کرنے میں سبقت کی۔ فرانس اور روس کو سینٹ جیمس کی کابینہ سے اتفاق تھا۔ سلطان نے، جس کو واقعات کے اس طرح یکایک رخ بدل لینے سے بہت کچھ پریشانی تھی، اینگلو ارمنی ایسوسیشین کے توسط سے انگریزی کابینہ کے ساتھ خفیہ طور پر گفت و شنید کرکے خود اپنی طرف سے اس معاملے میں سبقت کرنے کی کوشش کی۔ اسٹی وین سن، رکن پارلیمنٹ کو، جو ایسوسیلیشن کا صدر تھا، اس کام کے لئے منتخب کیا گیا اور یہ قرار پایا کہ وہ اور کمیٹی کے دو اور ممبر، ایٹ کن اور اسوان، سلطان کے سفیروں کے ساتھ اس مسئلے کے تصفیے کی غرض سے قسطنطنیہ جائیں لیکن ہیکائی انقلابی

کمیٹیوں کی، جن کو اس سازش کی اطلاع ہوگئی تھی، تہدید آمیز مداخلت نے تمام انتظام درہم برہم کردیا۔

۱۱ مئی کی یادداشت کے ضمن میں بہت سی یادداشتوں اور ذیلی یادداشتوں کے تحریر کرنے کے بعد، تینوں طاقتوں کے مابین ایک معاہدہ ہوگیا، جس کی رو سے حسب ذیل شرطیں عائد کی گئیں:۔ ولایتوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ تخفیف۔ ولیوں کے انتخاب کے متعلق ضمانت صوبہ جات کے لیئے ایک نگران ہائی کمشنر کی نامزدگی۔ قسطنطنیہ میں ایک مستقل مشترک کمیشن آف کنٹرول کا قیام۔ ارمنیوں کے حقوق اور مراعات کی سختی کے ساتھ پابندی۔ ممکن الوقوع مشکلات کے لیے مناسب انسدادی تدابیر۔ جس حد تک اصولی امور کا تعلق تھا سلطان نے ان اصلاحات کو منظور کرلیا۔ لیکن مشترکہ نوٹ میں جو تجویزیں پیش کی گئی تھیں اور اصلاحات کے نفاذ کے لئے جو ضمانت کا کام دیتی تھیں، ان کے قبول کرنے سے اس نے قطعی طور پر انکار کردیا۔ اسی طریقے پر۔ تینوں طاقتوں سے کام لینے کی امید میں سلطان نے جولائی کے آغاز میں ایشائی ولایتوں کے انسپکٹر جنرل کی حیثیت سے مارشل شاکر پاشا کو نامزد کیا، جس کے فرائض یہ تھے کہ وہ پادشاہ کے افعال کی نگرانی رکھے۔ اور اس نے خاص طور پر ایک عثمانی کمیشن اس غرض سے قائم کیا کہ وہ ارمینہ کے لئے جو اصلاحات تجویز کی گئی تھیں، اُن پر غور کرے۔ یہ اس قسم کا تیسرا کمیشن تھا۔

فرانس، انگلستان اور روس کے سفیروں نے مارشل شاکر پاشاہ کو ارمنیہ کا انسپکٹر جنرل تسلیم کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ وہ ارمنیہ میں شاکر پاشا کی نامزدگی کے متعلقہ فرمان شاہی کو کالعدم تصور کرتے ہیں اور یہ کہ ان کو ایسے یوروپین کنٹرولرس کی ضرورت ہے، جن کا دولت علیہ سے کوئی تعلق نہ ہو گفت و شنید میں تاخیر واقع ہوتی گئی اور آخر میں سلطان نے یادداشت کو

ؔ دیکھو دوسرا صفحہ۔

مسترد کردیا۔ جس کو دیکھ کر تینوں طاقتوں نے خود اپنی طرف سے اس معاملے میں سبقت کی اور ایک بین قومی کمیشن متحفظ قائم کیا گیا، جس کے اجلاس قسطنطنیہ میں منعقد ہوئے۔ اسی زمانے میں انگلستان کے وزیر اعظم، سالسبری نے دارالخواص میں مسئلۂ ارمنیہ کے متعلق بعض اعلانات کئے، جو سلطان کے زوال حکومت کے متعلق نہایت ہی باریک پردے میں چھپی ہوئی دھمکیوں پر ختم ہوئے اور پھر انھیں اعلانات کی سالسبری نے نہایت باقاعدہ الفاظ میں ترکی سفیر متعینہ انگلستان، رستم پاشا کے سامنے تصدیق بھی کردی۔ ساتھ ہی پیرس میں ہنایٹو (Hanotaux) نے ضیا پاشا کو اس امر سے آگاہ کردیا کہ فقرہ ۶۱ کے نفاذ کے متعلق فرانس نے انگلستان کو کامل طور پر یہ آزادی دیدی ہے کہ وہ اس سلسلے میں جو طریقہ چاہے اختیار کرے۔ جیسے جیسے برطانیہ کے ساتھ جنگ کا امکان روز بروز قوی ہو رہا تھا ویسے ویسے سلطان کے خوف وہراس میں بھی اضافہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ اس نے گھبرا کر یادداشت کو کامل طور پر منظور کرلیا یا یہ کہنا چاہئے کہ منظور کرلینے کا بہانہ کیا۔ لیکن جس طریقے سے اس نے اصلاحات کو نافذ کرنا چاہا، اس پر اس سے بھی زیادہ نزاعات برپا ہوگئے جتنے کہ خود یادداشت کو تسلیم کرنے کے متعلقہ مسئلے پر ہوئے تھے۔ انگلستان سلطان کے نام اعلان جنگ بھیجنے کی تیاری ہی کر رہا تھا کہ ۳۰ ستمبر اور یکم و ۲ اکتوبر کے واقعات پیش آگئے جنھوں نے یورپ کی محجوبیت کے ساتھ ساتھ اس امر کو بھی ثابت کردیا کہ سلطان نے جو یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہر سہ طاقتوں کے مابین در اصل کوئی حقیقی معاہدہ نہیں ہوا ہے، وہ بالکل درست تھا۔ ۳۰ ستمبر کو جو سرفرازی صلیب کا گرجائی یوم جشن تھا، باب عالی پر ایک ارمنی مظاہرے نے، جو موعودہ اصلاحات کے مطالبے کے لئے کیا گیا تھا، کشت وخون کا باقاعدہ طور پر ایک بہانہ پیدا کردیا۔ خفیہ پولیس کے کارکن، دینی طالب علموں کے

نوٹ متعلقہ صفحہ سابقہ:- اس معاملے کے متعلق اخبار مشرق Nouvelles d' Orient کی ۱۵ جون ۱۸۹۵ء کی اشاعت میں "فرانس اور مسئلۂ ارمنیہ" کے عنوان سے نہایت دلچسپ اور مفصل مضمون شایع ہوا تھا۔

بھیس ہیں، درانحالیکہ ان طلبا نے بعض خاص خاص مواقع کے علاوہ کشت وخون میں کبھی حصہ نہیں لیا تھا اور نہ وہ اس کو جائز سمجھتے تھے، پورے استنبول بھر میں غیور (Giaurs) کے خلاف جہاد کرنے کے لئے تمام لوگوں کو ابھارنے لگے۔ دوشنبہ اور سہ شنبہ کو تمام رات اور تمام دن بالخصوص سرکیج (Sirkedge) قاسم پاشا اور چکور چشمہ (Chikour-chesme) کے مقاموں پر کشت و خون کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ چہارشنبے کو سرکاری طور پر کشت وخون روک دیا گیا۔ لیکن صورت حال میں کوئی نمایاں فرق واقع نہیں ہوا۔ اور خانہ تلاشیوں عام گرفتاریوں اور اکّا دکّا قتل وخون نے شہر بھر پر ویسا ہی خوف وہراس طاری رکھا۔

۲/ اکتوبر کو بروز چہارشنبہ ڈپلومیٹک کور کے ڈوایانگ (Doyen) سفیر آسٹریا ہنگری، بیرن کیلیس (Calice) کے مکان پر، سفیروں نے ایک جلسہ کیا اور اسی دن شام کے قریب مشترکہ طور پر ایک یادداشت مرتب کرکے سلطان کے پاس بھجوادی۔ اس یادداشت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ سفیروں نے غم وغصے کے ساتھ ترکی پولیس کے طرز عمل کو دیکھا ہے۔ یہ کہ گرفتار شدہ ارمنیوں کو خود پولیس کے ایجنٹوں نے، خاص طور پر وزارت داخلہ اور پولیس کے مستقر میں قتل کیا ہے۔ یہ کہ پولیس نے مقتولوں کے بچانے کی کوشش نہیں کی اور خود اس امر کا موقع دیا کہ بے شمار قتل واقع ہوں۔ اور یہ کہ ان واقعات سے ثابت ہوگیا کہ امپیریل گورنمنٹ میں ان جرائم کے انسداد کی، جو خود انسانیت کے لئے باعث ننگ ہیں، قدرت نہیں ہے۔ سفیروں کو اپنے اپنے افراد قوم کی سب سے زیادہ فکر تھی چنانچہ انھوں نے اسی یادداشت میں دولت علیہ کو آگاہ کردیا تھا کہ اگر یوروپین طاقتوں کی رعایا کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچی تو دولت علیہ پر اہم ترین ذمہ داری عائد ہو جائے گی۔ اس یادداشت نے سلطان پر بہت اثر کیا۔ وزرا فوراً قصر شاہی میں طلب کئے گئے۔ وزیراعظم، سعید پاشا نے وزیر پولیس ناظم پاشا کو برطرف کردیا اور یہ حکم دیدیا کہ جندرآمہ کو قسطنطنیہ سے ہٹا دیا جائے اور اس کی جگہ باقاعدہ فوجیں متعین کردی جائیں۔ اس نے ان احکام کے ضمن میں اس

امر کا بھی اظہار کردیا کہ موجودہ صورت میں وہ قیام امن کا ذمہ دار ہے۔ مگر سلطان نے نہایت غصے کے ساتھ ان تمام تجویزوں کو مسترد کردیا۔ سلطان کا اصل منشا یہ تھا کہ کشت و خون کے متعلق تمام ذمہ داری مسلمان آبادی پر ڈالدی جائے۔ اس نے اس امر کا بھی اظہار کیا کہ سب سے پہلے شہر کو سوفتائیوں (Softas) کے پنجوں سے نجات دلانے کی ضرورت ہے۔ سلطان اس طریقے پر ایک ہی وقت میں مراد کے طرفداروں کے وجود کے خطرے سے بھی جن کی سوفتائیوں کی جماعت میں کثرت تھی، آزادی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سلطان کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب سعید پاشا نے صاف طور پر یہ کہدیا کہ جس وقت تک وہ صدر اعظم ہے۔ سوفتائیوں کے اخراج کے حکم پر مہر سلطنت ثبت نہیں کی جائے گی۔ اس قسم کی گستاخی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا چنانچہ دوسرے ہی روز اس کو وزارت کی خدمت سے سبکدوش کرکے کامل پاشا کا اس کی جگہ تقرر کردیا گیا۔

ایک تازہ یادداشت مورخہ ۶ر اکتوبر کے موصول ہونے پر سلطان نے سفرا کے مطالبات تسلیم کرلئے ۱۶ر اکتوبر کو یادداشت کے متعلقہ معاہدے پر اس نے دستخط کردیئے اور ۲۰ کو اصلاحات کے متعلق ایک حد (Latti) نافذ کردیا۔ لیکن بدقسمتی سے اس فرمان کا بالکل برعکس اثر ہوا۔ اور بجائے اس کے کہ ملک میں کامل طور پر امن قائم ہو جاتا، صوبہ جات میں عام طور پر کشت و خون کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ ارمینو کردستان میں خون کی ندیاں بہنے لگیں اور آگ کے شعلے بلند ہوگئے۔ روزانہ دار السلطنت میں اسی قسم کی خبریں آنے لگیں کہ فلاں ضلع میں آگ کے شعلے بلند ہیں اور یہ کہ فلاں ضلع کی نصف آبادی فنا ہوگئی۔

اسی قابل نفرت صورت حال نے بالآخر صدر اعظم کو اپنی خدمت سے علیحدہ کراکے چھوڑا۔ ۱۵ر نومبر کو کامل پاشا کی جگہ خلیل رفعت پاشا کا جو ترکان قدیم کی جماعت کا نہایت ہی جوشیلا رکن تھا، تقرر کیا گیا۔ اس شخص کا پہلا کام لبطریق ازمیرلیان (Izmirlian) کو دفع کرنا تھا۔

ازمرلیان جب نالائق اچیکیان کا جانشین ہوا تو اس نے میتھوز ثالث (Matheos III) کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ارمنیوں پر اس شخص کو غیر محدود اختیار حاصل تھا۔ اس شخص کو پوری قوم نے بالاتفاق بطریق مقرر کیا تھا۔ بلکہ پیٹر یارکیٹ کے دونوں قونصلوں کو اس کے انتخاب کے لیئے ایک حد تک مجبور کیا گیا تھا۔ یہ شخص سختی کے ساتھ اصول کا پابند تھا، اس کے عادات واطوار کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا تھا، اس کی سخاوت کی کوئی انتہا نہ تھی، اس کی فصاحت وبلاغت پر تمام ارمنی ناز کرتے تھے، اور یہ تمام باتیں ایسی تھیں جنھوں نے ارمنی قوم کی تمام توقعات کو اسی کی ذات سے وابستہ کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قصر شاہی اس کے اقتدار کو درہم برہم کر دینا چاہتا تھا اور اس باب میں روس اس کا ممد ومعاون تھا؛

ترکی میں جس قدر ہیکانی بے چینیاں واقع ہوتی تھیں ماورائے قاف میں ان کی گونج برابر پیدا ہوتی تھی جہاں کردوں کے کشت وخون سے بچ بچا کر ہزارہا ارمنی بھی جا بسے تھے سنیٹ پیٹرس برگ کی حکومت نے، جس کے اس منصوبے پر کہ قاف کے ارمنیوں کو روس کی رعایا بنا دیا جائے احساس قومیت کے احیا سے پانی پھر گیا، طفلس (Tiflis) کے ارمنی مدارس کو اس بہانے سے بند کرنا شروع کر دیا تھا کہ وزیر معارف کے احکام کے بموجب تعلیم نہیں دیجاتی ہے۔ ہنٹ چاکسٹس (The Hintchakistes) نے سیاسی کشت وخون کا جو سلسلہ آغاز کیا تھا، اس کے بعد سے اب تک بہت سی جبریہ کارروائیاں اختیار کی جا چکی تھیں اور مزید زیر غور تھیں۔ روس نے ترکی کے ارمنیوں پر اس موقعے پر پورا دباؤ اس غرض سے ڈالنا شروع کیا کہ ازمرلیان کی جگہ وہ لوگ کسی ایسے بطریق کا انتخاب کریں، جو اثرات سے زیادہ مرعوب ہو سکتا ہو عین کشت وخون کے زمانے میں اپنی خدمت سے مستعفی ہو جانے کے لئے مجبور کیئے جانے پر بطریق نے نہایت غصے کے ساتھ استعفا پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ ارمنی فرقہ کی سرداری کی خطرناک عزت کا دعوید ار بننے کے لئے کسیقدر جرات اور دلیری کی ضرورت تھی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد ایک پھندے میں پھنس کر جس کو

روسی ڈپلومیسی نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ تیار کیا تھا، اور سلطان کے غلط وعدوں پر اعتماد کرنے کی حماقت کا مرتکب ہوکر، میتھیوز ثالث کو مجبوراً مستعفی ہو جانا پڑا۔ روسی سفارت کے مترجم اول، ام میگزی ماڈ نے اپنی حکومت اور مشیر سلطنت، نوریان آفندی نے سلطان کی طرف سے اس کو یقین دلا دیا کہ اس کی علٰحدگی کے بعد اصلاحات موعودہ کا قطعی نفاذ ہو جائے گا بطریق نے، یہ دیکھ رہا تھا کہ یورپ نے ارمنیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور یہ کہ وہ یلدیزی نفرتوں اور روسی خدشات کا نشانہ بنا ہوا ہے، طوعاً وکرہاً یہ باور کر لیا کہ اپنی خدمت سے علٰحدہ ہو جانے سے وہ اپنی قوم کی ایک بڑی خدمت انجام دے گا چنانچہ ۲ر اگست ۱۸۹۶ء کو وہ مستعفی ہو گیا لیکن ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ اس کو اپنی اس حرکت پر سخت تاسف ہونے لگا کہ اس نے یلدیزی وعدوں اور روسی ضمانتوں پر کیوں اعتبار کیا؛

از مرلیان کا جبریہ استعفٰی؛ بروصہ کے اسقف اعظم، بارتھولونیوز کا جس کو غدار تصور کیا جاتا تھا، عارضی طور پر بطریق منتخب کیا جانا؛ ارمنی قرتے کے دستور کا ابطال، جس کا انحصار حکومت کی خوشی پر تھا؛ ارمنیوں کی گرفتاریوں میں روز افزوں اضافہ؛ بکی تاش میں ارمنی گورستان کے بند کر دینے کے متعلق سلطان کا ارادہ، جس کے قریب ہونے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی اور جس کو ارمنیوں نے، جو دس سال سے اس پر قابض تھے، اس کے ہاتھ بیچنے سے قطعی انکار کر دیا تھا؛ چانسلریوں کے بظاہر قاہرانہ مراسلوں کے باوجود کشت وخون کے اسی طرح جاری رہنے پر یورپ کا سکوت؛ یہ تمام وہ باتیں تھیں جن سے مجبور ہو کر ارمنیوں نے ایک کاری ضرب لگانے کا ارادہ کیا۔ سلطان کی سالگرہ کی رات کو، بتاریخ ۳۱ر اگست، شہر کی بدامنیوں کی آڑ میں یلدیز پر حملہ کرنے کا تہیہ کیا گیا۔ روالور، آرسینی بمب، اور ڈائنامیٹ کارتوس، جو دار السلطنت میں کثرت کے ساتھ آ گئے تھے، کمیٹی کے ممبروں کو تقسیم کر دئے گئے۔ سازشیوں کے ایک گروہ کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ کمیٹی کے نمایندوں کی سرکردگی میں یلدیز پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری جماعتوں کے ذمے یہ

فرض عاید کیا گیا کہ وہ شہر میں منتشر ہو جائیں اور مختلف مقامات پر بلوہ کر کے اپنی طرف توجہ مبذول کرلیں ساتھ ہی سلطان کے خلاف ترکی مصلحین کی تحریک بھی پھیلا دیں۔ ترکی حکومت کو روسی حکومت نے جو ہیکانی کمیٹیوں کو اس لئے پسند نہیں کرتی تھی کہ قاف کے ارمنیوں کے نی ہی لٹ فرقے سے توقعات تھے، اس امر کی قبل از قبل اطلاع دیدی تھی کہ ارمنی باشندے سازش کر رہے ہیں لیکن یہ اطلاع کچھ اسقدر مبہم تھی کہ ترکی پولیس کی سراغ رسانی کی تمام کوششیں بیکار رہیں۔ آخری لمحے میں، جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے، گورنمنٹ کو اس سازش کے دریافت کرنے میں مدد دینے کے لئے ایک انکشاف خود بخود ہوا۔ بطریق بارتھولومیرز کی اطلاع پر پولیس نے کمیٹی کے ایک رکن کو گرفتار کیا، جس کے پاس سے ایسے کاغذات برآمد ہوئے، جن میں اگرچہ سازش کی نوعیت اور تاریخ درج نہیں تھی تاہم اس کی اہمیت اور قریب الوقوعی کا کافی تذکرہ تھا۔

یلدیز میں اب یہ تہیہ کیا گیا کہ ارمنیوں کے اپنی تدابیر پر کاربند ہونے سے پہلے ہی تمام آنے والے واقعات کا قبل از قبل انسداد کر دیا جائے۔ ایک شاہی فرمان میں، جو ۲۴ اگست کو خفیہ طور پر ناظم پاشا، وزیر پولیس اور دوسرے ترکی سررشتوں کے ان مسلمان افسروں کے پاس بھیجا گیا تھا، جن پر اس قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا کہ ان کے خیالات اصلاح پسندانہ ہیں، ان لوگوں کو یہ حکم دیا گیا کہ اسلام کی مدافعت میں جس پر غیور (Ghiaour) اور بالخصوص ارمنیوں کا نرغہ ہے لڑنے کے لئے تیار رہیں۔ ان لوگوں کے ذمے یہ فرض عاید کیا گیا تھا کہ اپنے بھروسے کے آدمیوں کو فوج میں بھرتی کر کے ارمنیوں پر یکایک حملہ کر دیں۔ قتل عام کی تاریخ اس واقعے کے تیسرے دن قرار پائی۔ اس فرمان کی سند پر وزیر پولیس نے، جو اگرچہ بذاتہ ان باتوں کو پسند نہیں کرتا تھا تاہم ان سے انحراف کی اس میں جرات بھی نہیں تھی، اپنے جاسوسوں اور کارکنوں میں جو لوگ سب سے زیادہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے تھے، ان کو فوج میں بھرتی کر لیا۔ وزارت بحریہ میں تمام مزدوروں سے کہدیا گیا کہ

آج چھٹی ہے اور جب ان میں سے ایک البانی مزدور نے، جواب تک تمام رازوں سے واقف نہیں ہوا تھا، چھٹی کی وجہ دریافت کی تو اس کے داروغہ نے یہ کہا کہ آج شہر میں قتل عام ہونے والا ہے جس کے بعد لوٹ مار بھی ہوگی۔ کمیٹیوں کو یہ حال معلوم تھا کہ پولیس نے ہتھیار تقسیم کئے ہیں۔ ۲۶ کو انھیں یہ علم بھی ہوگیا کہ آج شام کو ان کے ہم وطنوں کا قتل عام ہونے والا ہے۔ کمیٹیوں نے فوراً آٹومان بنک پر قبضہ کر لینے کا تہیہ کر لیا اور یہ ارادہ کیا کہ بنک کو سرنگ لگا کر اڑا دینے کی دھمکی دیکر یوروپین حکومتوں کو مداخلت اور سلطان کو ارمنیہ میں نفاذ اصلاحات پر مجبور کر دیا جائے۔

کمیٹیوں کے اس ارادے کو چوبیس ۲۴ ارمنیوں نے دوپہر کے وقت ٹھیک ایک بجے پورا کیا۔ ان چوبیس ۲۴ آدمیوں میں تین کمیٹی کے نمائندے تھے اور باقی اسی محلے کے حمال جنھوں نے خفیہ انجمن کے احکام کی تعمیل کرنے کا حلف اٹھا لیا تھا۔ ایک ایک دو دو کرکے یہ لوگ بم سے بھرے ہوئے تھیلے کندھوں پر رکھے ہوئے بنک میں اس طرح داخل ہوئے کہ گویا روپیوں کے توڑے لے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں نے پہرہ دینے والے دونوں جند ارمیوں کو قتل کرکے دروازوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو اندر سے بند کر دیا۔ حملہ آوروں نے بنک کے اہلکاروں کی، جو بھوچکے ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے تھے، ڈھارس بندھائی اور یہ یقین دلایا کہ بنک کے روپیے پیسے اور ان کی جانوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ انھوں نے ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل ام گاسٹن آبوائے نیو کو یہ اجازت بھی دیدی کہ وہ خود جا کر سلطان سے تمام واقعات کی اطلاع کردے۔ والی وودہ کی پولیس کی چوکی نے حملہ آوروں کو پسپا کر دینے کی غرض سے سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا مگر یہ بہت دیر میں پہنچا۔ کمک فوراً آگئی اور بنک اور (Tobacco Regie) کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ ارمنی کھڑکیوں میں سے سپاہیوں پر فیر کرتے تھے اور سپاہی راستے پر سے ان کا جواب دیتے تھے۔ جانبین سے ایک دوسرے پر باڑھیں ماری جارہی تھیں مگر ایک فیر بھی کارگر نہیں ہوتا تھا۔ ادھر یہ حال تھا

اور اُدھر شہر میں قتل و غارت کا طوفان مچا ہوا تھا۔
بنک پر حملہ ہونے سے پہلے ہی استنبول کے ایک محلہ زماتھیہ (Psamathia) میں جہاں ارمنیوں کی آبادی ہے، کشت و خون شروع ہو چکا تھا، ابھی بنک سے شاید ایک گولی بھی نہ چلائی گئی ہو کہ غلطہ میں قاتلوں نے تمام ارمنیوں کو، جو اُن کے سامنے آئے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا اور مکانوں اور دکانوں کو لوٹ لیا۔ جن سازشیوں نے آٹومان بنک پر قبضہ کر لیا تھا، ان کو یوروپین سفارتوں کی حمایت میں باقاعدہ طور پر آزادی مل گئی۔ ۲۷ تاریخ کو دن کے دو بجے یہ لوگ سفارتوں کے ترجمانوں، روسی ترجمان جن کے پیش پیش تھا، اور ان کے خواصوں (Kavasses) کی نگرانی میں بنک سے روانہ ہو کر بنک کے ڈائرکٹر جنرل، سر ایڈگرون سنٹ کی کشتی، گلنار، میں سوار ہو گئے، جس نے انھیں فرانسیسی جہاز جیروند (Gironde) تک پہنچا دیا۔ اس قتل عام کے جواز میں حکومت نے ایک سرکاری مراسلت شائع کی، جس میں نظام حکومت کے خلاف ارمنی انقلابی کمیٹیوں کی ایک زبردست سازش پر تمام ذمہ داری رکھ دی گئی تھی۔ اس مراسلت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ "افسروں کو بہر حال بنک پر حملہ ہونے سے پہلے ہی اطلاع ہو چکی تھی اور انھوں نے فوجی گزمہ (Patrol)، پولیس کے سپاہی اور جندارمیوں کو اس جگہ متعین کر دیا تھا اور یہ لوگ فوراً موقع پر پہنچ گئے تھے"۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حکومت کو تمام باتیں پہلے ہی سے معلوم تھیں لیکن اس نے پھر بھی ان واقعات کے پیش آنے کا موقع دیا تاکہ ایک ایسے قتل عام کے لئے بہانہ پیدا ہو جائے، جس کا پہلے ہی سے ارادہ کر لیا گیا تھا۔
۴ ستمبر کو فرانسیسی وزیر مختار، ام ڈی لابولونیر (Bouloniere) نے پیرس کو حسب ذیل تار روانہ کیا:- "میں یور اکسلنسی سے واقعات کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ بیان کر سکتا ہوں، جو یہ ثابت کر دیگا کہ یہ سلطان ہی ہے، جو قاتلوں کو مسلح کرتا ہے اور جو ان کو ہر اس فرد کے، جو ارمنی ہے، قتل کر ڈالنے کا حکم دیتا ہے"۔

بیرن کالیس (Calice) سفیر آسٹریا ہنگری نے پوری ڈپلومیٹک کور کی طرف سے، جس کا وہ قدیم ترین رکن تھا، تحریر کیا کہ: "یہ متنفل ہیں یورپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ سلطان صرف مسلمانوں پر تکیہ کرنا چاہتا تھا اور ان کو اپنے جذبات میں آزادی دینے کا خواہشمند تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی عیسائی رعایا کو جان بوجھ کر ظلم و ستم اور شدید عقوبتوں کا شکار بنا دیا ہے اور یہ امید بھی ان کے لئے باقی نہیں چھوڑی ہے کہ ان کے ساتھ کبھی انصاف کیا جائے گا"۔

اگر ان لوگوں نے، جن کو پولیس نے بھرتی کر لیا تھا اس موقع پر زیادتی سے کام لیا تو یہ کہنا بالکل غلط ہو گا کہ مسلمان عام طور پر اس کشت و خون کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مسلمان نہ صرف اس کو ناپسند ہی کرتے تھے بلکہ اکثر مقامات پر ان کی دلیرانہ مخالفتوں نے بے شمار ارمنیوں کی جانیں بھی بچائیں۔ ہس خانی (Haskeny) میں ترکوں نے کشت و خون میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور اکثر خاندانوں نے ارمنیوں کو اپنے یہاں پناہ دے کر ان کی جانیں بچائیں۔ جزیرہ ادرنہ کاپو (Edirné-Kapou) کو، جو پچیس ارمنی خاندانوں کی ایک بستی تھی، ایک امام نے، جس نے قاتلوں کا مقابلہ کیا اور ان کو واپس ہو جانے پر مجبور کر دیا، قتل و غارت سے بچا لیا۔ ایوب میں جو استنبول کا نہایت ہی متعصب محلہ ہے ایک بھی ارمنی کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ یہاں کے ملا نے قتل عام کے حکم کو قطعی ناجائز قرار دے دیا تھا۔ اسی طرح سقوطری میں بھی ملا نے متصرف کے ساتھ خوب لڑنے جھگڑنے کے بعد کشت و خون کو روک دیا تھا۔ مارشل فواد پاشا الینا کے شہرۂ آفاق فاتح نے بحر مارمورا کے ایشیائی ساحل تک کشت و خون کے سلسلے کو بڑھنے نہیں دیا۔ اپنے چرکسوں کو ساتھ لے کر اس نے سقوطری، قاضی خانی (Kadikeny) اور آس پاس کے مقاموں پر طلایہ گردی شروع کر دی، جس کی وجہ سے قاتلوں کو اس طرف کا رخ کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی۔ فواد پاشا کے زوال کا اصلی سبب یہی تھا۔ اس واقعے کے دو سال بعد فہیم پاشا سلطان کی خفیہ پولیس کے

سردار کے غیر شریفانہ الزام پر اس کی تذلیل کی گئی اور جلاوطن کر کے دمشق روانہ کر دیا گیا۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت میں جبکہ قسطنطنیہ میں کشت وخون کا سلسلہ جاری تھا اور تمام ایشیا میں لہو کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور آگ کے شعلے بلند تھے، ۱۱ر مئی ۱۸۹۵ء کی یادداشت کے مندرجہ عہد وپیمان کو سلطان سے پورا کرانے کے لئے یوروپین ڈپلومیسی کیا کارروائی کر رہی تھی؟۔ واقعہ یہ ہے کہ یورپ اس وقت بالکل خاموش تھا۔ یوروپین طاقتیں اس زمانے میں آپس کے جھگڑوں میں پھنسی ہوئی تھیں اور اس خوف سے کہ مبادا کہیں خود یورپ میں جنگ نہ چھڑ جائے وہ سلطان کو اپنے وعدوں کے ایفا پر مجبور کرنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں۔ جرمنی نے سلطان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا صاف طور پر اعلان کر دیا تھا۔ ۱۸۹۶ء کے آغاز میں امپرر ولیم نے ایک تقریر میں ارمنیوں کو باغی بتایا تھا۔ اسی مہینے کے آخر تک جرمنی نے سلطان کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ وہ ترکی کی پالیسی کو پسند کرتی ہے اور اگر یہ برطانیہ اور روس نے ترکی میں کسی یوروپین کناڈومی نیم (Condominium) کے قیام پر زور دیا تو جرمنی اس کی مخالفت کرے گی۔ آسٹریا ہنگری اس معاملے میں جرمنی کا ہم خیال تھا اور ایطالیہ کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ اپنے دو متحدین سے اختلاف کرے۔

اس اتحاد ثلاثہ نے کھلم کھلا ترکی کی حمایت کی۔ روس نے، جو دراصل اصلاحات کا مخالف تھا، اپنی بدانديشی سے فرانس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ انگلستان تنہا رہ گیا۔ سلطان کو اب پورا اطمینان ہو گیا۔ ۱۱ر نومبر ۱۸۹۶ء کو ایک سرکاری مراسلت میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ "دستور ملکی کے تمام آئین وقواعد، حد شریف گلہان (Hatti-cherif of Gulhan) اور ۱۸۵۶ء کے دستور اساسی کے تمام مفید احکام کی آئندہ سے پابندی کی جائے گی"۔ انھیں باتوں کا یورپ کا بھی مطالبہ تھا۔ قدیم حد شریف کے نافذ ہونے تک ایشیا میں کشت وخون کا سلسلہ برابر جاری رہا اور روایات قدیم کی

پابند حکومت یہی ظاہر کرتی رہی کہ تمام قصور ارمنیوں ہی کا ہے۔ وزیر اعظم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مجلس وزراء کی طرف سے ارمنیوں کے باغیانہ افعال کی ایک رپورٹ تیار کرے۔ یہ رپورٹ حسب ذیل تھی: "ارمنیوں نے اپنی احسان فراموشی کا ایک قابل لحاظ ثبوت حال ہی میں دیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ سلطان المعظم اپنی سلطنت کی مختلف المذاہب رعایا کے لئے اس کے حسب حال اصلاحات نافذ کرنے میں کسی کوشش سے دریغ نہیں کرتے ہیں اور بلا تفریق مذہب و قومیت اپنی رعایا کے لئے ایسے آئین نافذ کرنے کے لئے جو ان کی مادی اور اخلاقی ترقی اور فلاح کو متیقن کر دینے والے ہیں، دن رات کام کرتے ہیں، ارمنی بطریق مستعفی ہو جانے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور اس طرح حکومت کے لئے ایک نئی پریشانی پیدا کر دیتا ہے۔ بغاوت قندیہ اور یونان کے اشتعال انگیز طرز عمل سے جو مشکل صورت حال پیدا ہو گئی ہے اس سے ارمنیوں نے اپنی انقلابی مصروفیتوں کی نشاۃ ثانیہ کا کام لیا ہے اور اس طرح سلطنت کے داخلی امن و امان کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس امر پر غور کرنے کی فوری ضرورت ہے کہ امن عامہ میں ان خلل ڈالنے والوں کی باغیانہ خواہشات کا کس طرح انسداد کیا جائے؟ اگر شدید کارروائی فوراً اختیار نہیں کی گئی تو (یہ سمجھ لیا جائے کہ) اسلام اور خلافت دونوں خطرے میں ہیں۔ انہی وجوہ پر مجلس وزراء پادشاہ کی توجہ ارمنیوں کے باغیانہ افعال کی طرف مودبانہ معطوف کراتی ہے اور سفارش کرتی ہے کہ ان کے خلاف شدید ذرائع سے کام لیا جائے"۔

لیکن مسئلہ قندیہ اور مسئلہ مقدونیہ ارمنیوں کے سوال کو پس پشت ڈالدینے والے تھے۔

مسئلہ قندیہ۔ یونان کے ساتھ جنگ (۱۳ اپریل تا ۴ ار دسمبر ۱۸۹۷ء)۔ قندیہ کے اختیارات خود انتظامی (۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء)۔

۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۷ء کی زبردست بغاوت کے بعد ایک شاہی فرمان ۱۵ ستمبر ۱۸۶۶ء کو

شایع ہوا جس کے ذریعے سے جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، قندیہ کو ایک علیحدہ دستور عطا کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۷۸ء میں ایک نئی بغاوت کے بعد غازی احمد مختار پاشا اور قندیہ کے نمایندوں کے مابین ہلیپہ کا معاہدہ طے ہوا (۱۳ر اکتوبر) جس کی رو سے اس جزیرے میں ایک جداگانہ طرز حکومت کے قیام کی بنیاد پڑ گئی۔ قندیہ کا دستور حکومت دستور سلطنت کی دست برد سے بالکل آزاد تھا جس کی یہ وجہ تھی کہ سرکاری قواعد کے مطابق ۱۸۷۶ء کے دستور عثمانیہ کا وجود محض برائے نام تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک عضو معطل کی سی تھی۔ لہذا دستور سلطنت سے دستور قندیہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ جزیرہ پانچ حکومتوں میں منقسم تھا، جو خود بھی علیحدہ علیحدہ (۲۳) ضلعوں (Eparchies) پر منقسم تھیں۔ یہاں پانچ سال کے لئے ایک والی مقرر کیا جاتا تھا۔ والی کے مسلمان ہونے کی صورت میں اس کا نائب عیسائی ہوتا تھا اور اگر والی عیسائی ہوتا تو نائب مسلمان مقرر کیا جاتا تھا۔ متصرفین میں نصف مسلمان تھے اور نصف عیسائی۔ ان کا مددگار ان لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا جن کا مذہب ان سے مختلف ہوتا تھا۔ جزیرے کے اٹھاسی کمیونس میں اکاون مشترک تھے، (۳۴) عیسائی تھے اور (۳) مسلم۔ عیسائیوں کو (۴۵) مشترک کمیونس میں اکثریت حاصل تھی اور مسلمانوں کو صرف چھ میں؛ ایک مجلس عامہ کے، جس کو وضع قوانین کا اختیار حاصل تھا، چالیس اجلاس ہوتے تھے اور اس میں ان مسائل پر بحث و تمحیص کی جاتی تھی، جن کا اس جزیرے سے تعلق ہوتا تھا۔ اس میں اسی ممبر تھے جن کے منجملہ (۴۹) عیسائی اور (۳۱) مسلمان تھے، اگرچہ عیسائی آبادی کے لحاظ سے عیسائیوں کی نمایندگی اس سے بھی زیادہ قوی ہونی چاہیے تھی۔ قوانین دو ثلث اکثریت کے ساتھ منظور ہوتے تھے۔ عیسائی نمایندوں نے ۱۸۸۱ء میں اس طریقے کے جس سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا تھا کہ مسلمان اقلیت کو سیاسی امور پر چھا جانے کا موقع دے دیا جائے۔ منسوخ کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ان کا یہ مطالبہ تھا کہ صرف اکثریت پر مجلس کے فیصلے صادر ہوں۔ اجلاس اس قدر کم ہوتے تھے کہ بجائے خود وہ بھی مجلس کے مقاصد کی تکمیل میں رخنہ انداز تھے۔

عیسائی نمایندے یہ چاہتے تھے کہ برابر چار مہینے تک مجلس کے اجلاس ہوں مگر اس معتدل مطالبہ کو ایک شدید انقلابی تحریک کی حیثیت سے مسترد کر دیا گیا۔

مجالس عامہ کی تشکیل حسب ذیل طریقے پر عمل میں لائی گئی تھی:-

مجلس ولایت:- ولی، میٹرو پولیٹن اور چھ ممبر جن میں سے نصف کا انتخاب ترک کرتے تھے۔
مجلس حکومت:- متصرف، اسقف اور چھ ممبر جن میں سے نصف کا ہر فرقہ انتخاب کرتا تھا۔
مجالس ضلع:- قائم مقام اور چھ منتخبہ ممبر، نصف عیسائی اور نصف مسلمان۔

سوائے ولی کے کوئی عہدہ دار قانون متصرفین و قائم مقامان کے صدر کی حیثیت سے مجلس کا رکن نہیں ہو سکتا تھا۔ نظم و نسق اور مجالس انتظامی اور عدالتوں کی روددادیں یونانی اور ترکی زبانوں میں مرتب کی جاتی تھیں۔ ابتداءً مجلس عامہ کے تمام مباحثے بھی یونانی زبان میں ہوتے تھے۔ قندیہ کے مسلمان ویسی ہی فصاحت کے ساتھ یونانی زبان بولتے تھے جیسے کہ ان کے عیسائی ہموطن، جو عموماً ترکی زبان سے ناواقف ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قندیہ کے مسلمان یونانی الاصل اور ان لوگوں کی نسل تھے، جنھوں نے ترکوں کی فتح کے موقع پر اپنے جان و مال کو بچانے اور دوسروں کے جان و مال پر قبضہ کر لینے کے لئے اسلام قبول کر لیا تھا۔ بار بری عرب، مجاہدین بوسنہ اور ہرسک یا بلغاریہ کا حال ان لوگوں سے بالکل مختلف تھا، جن کو حکومت حمیدیہ نے مسلمان عنصر کی پشت و پناہی کے لئے اس جزیرے میں بھیجدیا تھا۔

جزیرے کی معمولی مالگزاری صرف عشر کی حد تک محدود تھی۔ سائرات، نمک، تمباکو اور اسٹامپ سے جو خاص آمدنی ہوتی تھی، وہ شاہی خزانے میں داخل کی جاتی تھی۔ اگر عشر اتنا کافی نہیں ہوتا تھا کہ وہ جزیرے کے تمام اخراجات کا کفیل ہو سکے تو مرکزی حکومت کچھ رقم جس کی تعداد سائرات کی آمدنی کی نصف تک ہوتی تھی، اس غرض کے لئے دے دیتی تھی۔ اہل قندیہ نے اس آئین ترکیبی اور ہلیپا (Halepa) کے زائد قانون کے خلاف، جس میں جزیرے والوں کو یہ شدید حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف انتظامی مشین کے چالو رکھنے کی حد تک

قناعت کریں، زور و شور کے ساتھ احتجاج کیا۔ عُشر نہایت ہی تکلیف دہ ٹیکس تھا۔ جس کا زراعت پر بہت خراب اثر پڑتا تھا اور وہ ترقی نہیں کر سکتی تھی لیکن مجلس عامہ جزیرے کی تمام مالیات کو زیر و زبر کئے بغیر اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتی تھی۔ قندیہ والوں کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب تھا کہ جزیرے کی تمام مالگزاری ضلع کے خزانے میں داخل کی جائے اور یہ کہ والی اور مجلس ایک رقم معین کر دیں جو ہر سال شاہی خزانے کو بھیجدی جایا کرے۔

سلطان عبدالحمید نے جو قندیہ کے عیسائیوں کو جنھوں نے کسی زمانے میں بغاوت کی تھی کسی قسم کا چارٹر کسی صورت میں بھی عطا نہیں کر سکتا تھا، ہر ممکن طریقے سے اُن وعدوں کو ٹالنے کی کوشش کی جو اس نے کین ڈیاٹیز (Candiotes) سے کئے تھے۔

ہلیپا کے زائد قانون کے منجملہ باب عالی کا یہ مطالبہ تھا کہ مجلس عامہ کے قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے۔ باب عالی کا منشا یہ تھا کہ جزیرے کی لیجسلیٹو کور کو صرف ایک انجمن مشاورت بنا دیا جائے جن صورتوں میں وزراء کو مجلس کے قوانین پر کھلم کھلا حملہ کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، وہ توثیق کو ایک غیر معین مدت کے لئے ہمیشہ معرض التوا میں ڈال دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ قندیہ والے قانون ترکیبی میں اس عبارت کو بڑھا دینا چاہتے تھے جو مشرقی روماٹلی کے قانون ترکیبی میں شامل تھی اور جس کا منشا یہ تھا کہ مجلس کی تصویب کے بعد دو مہینے کی مدت گزر جانے پر ایسی صورت میں بھی کہ شاہی منظوری صادر نہ ہو تمام قانون نافذ ہو جائیں گے۔

۱۸۸۷ء تک فناری (Fanariote) ولیوں کی، جو ترکوں سے بھی زیادہ ترک واقع ہوئے تھے جزیرے کی آزادی کو فنا کر دینے کی کوششوں سے صورت حال اور بھی سنگین ہو گئی۔ مئی کے آغاز میں ایک ترکی آغا قانیہ کے قریب ایک یونانی لڑکی کو بھگا لے گیا جس سے اہم مشکلات پیش آگئیں۔ دول کی مداخلت نے قندیہ والوں کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ باب عالی کے مواعید باطل پر قناعت کریں۔ دو سال کے بعد والی سرتنسکی پاشا (Sartynskin Pasha) کی سازشوں نے مجلس کو

اس امر پر آمادہ کردیا کہ وہ یونان کے ساتھ اتحاد کے مسئلے کو اٹھائے ایپاکرونو میں مسلح جلسے فوراً شروع ہو گئے اور ایک صوبہ داری کونسل نے یہ حکم دیدیا کہ محاصل کی ادائی سے انکار کردیا جائے۔ باب عالی نے سابق وزیر مالیات، جلال الدین پاشا کی معیت میں شاکر پاشا کو بہ حیثیت کمشنر جنرل قندیہ بھیجا۔ ۳ر جولائی ۱۸۸۹ء کو سرداران قندیہ نے شاہی کمشنروں کے نام ایک قسم کا اعلان جنگ بھیج دیا، جس میں حسب ذیل مطالبات کئے گئے تھے:-

ولی کی برطرفی اور اس امر کی پابندی کہ ولی یونانی الاصل آرتھوڈاکس عیسائیوں سے، جو عثمانی رعایا ہوں، منتخب کیا جائے گا۔ جزیرے کی مالی آزادی۔ دیوانی امور کی ترمیم۔ ایک زرعی بنک کا قیام اور اس کو (۹۴) ہزار ترکی پاؤنڈ کی ادائی، جو شاہی خزانے پر جزیرے کے واجب الادا ہیں۔ بلحاظ تناسب آبادی ملازمتوں کی مسلمانوں اور عیسائیوں میں تقسیم جدید۔ عدالت اپیل کے کونسلروں اور عدالتوں کے ججوں کا مجلس کے مجوزہ ناموں میں سے بذریعہ قرعہ اندازی انتخاب۔ جرائد کی آزادی۔ آزادی ضمیر۔ ضلع کدونیہ (Cydonia) کی دو حصوں میں تقسیم۔ سیاسی مجرموں کی عام معافی؛

ترکوں کی دیرینہ رسم کے مطابق اس موقع پر بھی بہت کچھ وعدے کئے گئے مگر پورا ایک بھی نہیں ہوا۔ مسلح جلسوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی ہر جگہ عیسائیوں اور مسلمانوں میں جھڑپ ہونے لگی۔ موخرالذکر شہروں میں آگئے جہاں ان کو اکثریت حاصل تھی، پکارے گلے غیور (Giaours) کے استیصال کے نعرے لگانے لگے۔ استنبول میں مستحکم کارروائی اختیار کرنے کا ارادہ کیا گیا۔ بےشمار امدادی فوجیں قندیہ کو بھیج دی گئیں، اور مارشل شاکر پاشا، غیر معمولی گورنر جنرل ماہورہ کو، جبر سے کام لینے کے متعلق احکام مل گئے۔ باغی، جن میں سے اکثر کے پاس نہ ہتھیار تھے اور نہ گولہ بارود بےشمار ہوائی دستوں کا، جو مارشل نے ہر طرف بھیج دئے تھے، مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ ۱۸۹۰ء کے وسط تک تمام گروہ فرار ہو چکے تھے۔ جزیرے میں اگرچہ امن قائم ہو چکا تھا لیکن مصالحت کوسوں دور تھی حکومت نے معاہدۂ ہلیپا کی تنسیخ کے متعلق اپنے ارادے کا اظہار کردیا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ ۱۸۹۱ء کے انتخابات کے وقت عیسائیوں نے

گروہ در گروہ ووٹ دینے سے احتراز کیا۔

شاکر پاشا مصالحت کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اس کو واپس بلا لیا گیا۔ اس کے جانشینوں نے صرف بے موقع اور بے نتیجہ تشدد سے کام لیا جس سے بغاوت میں سرعت کے ساتھ ترقی ہوگئی اور ۱۸۹۶ء میں باب عالی نے ایک نئے غیر معمولی کمشنر جنرل، البانی الاصل، طرخان پاشا کا اس جگہ تقرر کر دیا۔ اس شخص نے ایک عام معافی کا حکم جاری کر کے نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنا کام شروع کیا۔ لیکن عیسائیوں کے مطالبات ویسے کے ویسے ہی رہے۔ اپنے نیک ارادوں کے ثبوت کے طور پر سلطان نے ایک البانی کیتھولک، براویش پاشا کو قندیہ کا ولی مقرر کر دیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ اس کے جنرل حسن پاشا کا بھی بہ حیثیت سیکنڈ ان کمانڈ تقرر کر دیا اور عبداللہ پاشا، جو اس جزیرے کی ترکی افواج کا سپہ سالار اور طرخان پاشا کی طرح ولی کے اقتدار سے آزاد تھا، مارشل کا رتبہ (رینک) عطا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر بغاوت پھیل گئی۔ جس کا انجام قانیہ اور قندیہ کے کشت و خون پر ہوا۔ طرخان پاشا کے متعلق یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ بہت کمزور ہے چنانچہ اس کو واپس طلب کر کے اس کی جگہ ذہنی پاشا کا تقرر کر دیا گیا جو جماعت رجعی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص تمام یورپین خیالات کا دشمن اور سلطنت کی تمام عیسائی رعایا کی مراعات کا مخالف تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ صرف ترکی زبان سے واقف تھا جس کی بنا پر ایک ایسے ملک میں اس کو کامیابی نہیں ہو سکتی تھی جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد یونانی زبان بولتی تھی۔

یونان میں سخت جوش پھیلا ہوا تھا۔ قندیہ کی کمیٹی نے، جس کے اجلاس اثینا میں ہو رہے تھے، رضا کار، اسلحہ اور سامان حرب و ضرب قندیہ کو بھیجدئے۔ عوام کا یہ مطالبہ تھا کہ جنگی بیڑا بھی قندیہ کو بھیجدیا جائے۔ یورپین طاقتوں نے، جو یہ نہیں چاہتی تھیں کہ یونان اور ترکی میں لڑائی چھڑ جائے، مداخلت کی۔ انگلستان، فرانس، ایطالیہ اور روس نے خلیج سودہ میں اپنے اپنے جنگی جہاز بھیجدیے اور فوجوں نے جزیرے پر اتر کر بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا (۲۱ فروری ۱۸۹۷ء)۔ یونان کو لڑائی سے روکنے کے بجائے چاروں طاقتوں کی اس مداخلت کی بنا پر

مصروفیتوں کی رفتار میں بے انتہا سرعت پھیل گئی - ۱۰ فروری کو یونانی بیڑہ قندیہ کے سمندر میں داخل ہو گیا اور ۱۴ کو کرنل فسوس (Vassos) لاقانیہ کے قریب چند بٹالینوں اور رضاکاروں کی ایک فوج کے ساتھ، جوان باشندگان قندیہ پر مشتمل تھی جو ترک وطن کر کے یونان میں اقامت پذیر ہو گئے تھے خشکی پر اتر گیا۔ دول یونان کی فوجوں کو خشکی پر اترنے سے روکنے کے لئے یہ تدبیر کر چکی تھیں کہ انھوں نے ترکی سے یہ اعلان کرا لیا تھا کہ اس نے یہ جزیرہ ان طاقتوں کے سپرد کر دیا ہے اور یہ کہ اس جزیرے کو اختیارات خود انتظامی عطا کر دیئے جائیں گے۔ جہاز میں پھر سوار ہو جانے کا مطالبہ کئے جانے پر کرنل فسوس نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور یورپین جہازوں نے اس کے مورچوں پر آتش باری شروع کر دی - کرنل فسوس جزیرے کے وسط کی طرف ہٹ گیا اور قندیہ پر یونان کے قبضے کا اعلان کر دیا۔ دولت علیہ ترکیہ نے جواب میں جنگ کا اعلان کر دیا (۱۸ اپریل)؛

ترکی نے تھسلی کی سرحدوں پر ادھم پاشا کی زیر کمان (۱۹۲) بٹالینیں اور (۳۵۰) توپیں جمع کر لی تھیں - یونانیوں کے پاس ان کے مقابلے کے لئے صرف (۳۵) ہزار آدمی تھے اور پھر ان لوگوں نے لڑائی کا بدترین طریقہ اختیار کیا۔ انھوں نے اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، جو علٰحدہ علٰحدہ طور پر جنگ کا آغاز کرنے والی تھیں اور جو ایک قریب قریب ناقابل عبور پہاڑی سلسلے کے بیچ میں حائل ہو جانے کی وجہ سے ایک دوسرے سے قطعی علٰحدہ ہو گئے تھے - ایک حصہ جس میں پچیس ہزار آدمی تھے اپیرس کی سرحد پر اور دوسرا حصہ جس میں پچاس ہزار آدمی تھے تھسلی کی سرحد پر متعین کیا گیا۔ پھر ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ دوسرا حصہ پورے ڈیڑھ سو کلو میٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا؛

جنگ، جو یونان کے لئے تباہی خیز تھی، تین حصوں پر منقسم ہو گئی تھی :-

۲۰ تا ۲۳ اپریل خود سرحد پر ۳ تا ۵ مئی فرسال (Pharsale) کے گرد و نواح میں اور ۷ تا ۱۸ مئی دماقوس (Demokos) کے قرب و جوار میں یونان کی ہائی کمانڈ کی نااہلیت کی بنا پر ہر جگہ ترکوں کو فتح حاصل ہوئی - یہ واقعہ کہ ترکوں نے کس طرح

دماقوس پر قبضہ کیا اور کونسی تدبیر اختیار کر کے جنرل قسطنطین کو کوہ اوتھرس (Othrys) کی پشت کی طرف پسپا کر دیا، اب تک ایک راز سر بستہ ہے خصوصاً اس لحاظ سے کہ قدرتی طور پر دماقوس نہایت محفوظ مقام تھا اور اس کی مدافعت نہایت آسان تھی۔ اسی واقعے کے متعلق لفٹنٹ کرنل ہیبرڈی کا بیان ہے کہ:۔"پانچ ترکی ڈویژنیں ایک ہی مرکز سے اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوئیں تین فرسالے، دماقوس اور لامیہ کے خط جنگ کے وسط میں، ایک کردستو (Kerdisto) سے روانہ ہو کر یمین پر اور دوسری ایوالی سے چل کر یسار پر یمین و یسار کے موثر حملے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور وسط محاذ کے حملے کا بھی یہی حشر ہوا۔ یونانیوں نے حریف کے اس اضطراب سے فائدہ اٹھانے اور اپنی تمام قوت کے ساتھ یمین و یسار پر حملہ کر کے اپنی عارضی عددی فوقیت سے اس کو تباہ کر دینے کے بجائے، اپنے مورچوں کا تخلیہ کر دیا اور کول ڈیوٹر کا (Col du Tourca) کے راستے سے اس قدر پریشانی کے ساتھ لامیہ کی طرف پسپا ہو گئے کہ دوسرے دن بیشمار متفرق و منتشر گروہ نہ صرف لامیہ ہی سے گزر گئے، بلکہ انھوں نے اسپر کیاز (Sperkios) کو بھی عبور کر لیا"۔

ابھی ترکی فوج کے مقدمتہ الجیش نے کوہ اوتھرس کو اپنی مصروفیتوں کا آماجگاہ بنایا ہی تھا کہ ڈپلومیسی نے لڑائی کو روک دیا (۲۷ مئی) اور قسطنطنیہ میں توپ ہانی (Top Hane) کے مقام پر صلح کے لئے ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا اور چار مہینے کی محنت طلب گفت و شنید کے بعد مبادیات صلح پر دستخط ہو گئے۔ (۱۸ ستمبر) اور پھر ترکی اور یونان کے مابین راست گفت و شنید کے بعد ۱۳ دسمبر کو صلح نامہ پر دستخط ہو گئے۔ ترکوں نے تھسلی کا تخلیہ کر دیا لیکن سرحدات کے تشخص جدید سے بعض نہایت اہم جنگی مورچے ان کے ہاتھ آ گئے۔ اس کے علاوہ ایک سو ملین فرانک کا تاوان جنگ بھی ان کو ادا کیا گیا۔ قندیہ کے متعلق دولت علیہ ترکیہ نے دول سے یہ استدعا کی کہ یہاں سے فوجیں ہٹائی جائیں، کیونکہ ان کی موجودگی ترکی علاقے کے شاہی حقوق کے لئے ایک اہانت کی حیثیت رکھتی ہے۔

قندیہ کی حالت افسوسناک تھی۔ مسلمانی عیسائیوں پر حملہ کرنے کے لئے صرف یوروپین فوجوں کی روانگی کا انتظار کر رہے تھے اور عیسائی مسلمانوں کے اخراج کے لئے بجائے خود نہایت گہری چالیں چل رہے تھے اندرون جزیرہ میں، جو ان لوگوں کے قبضے میں تھا باغیوں نے مسلمانوں کے جو شہروں کو بھاگ گئے تھے، مکانات اور زراعتیں جلا ڈالی تھیں۔ دول نے اہل قندیہ سے اختیارات خود انتظامی کا وعدہ کر لیا تھا لیکن اس کو پورا کرنے کے لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ جزیرے کا گورنر جنرل ترکی کی رعایا نہ ہو۔ ۱۸۹۷ء میں انگلستان نے یہ تحریک کی تھی کہ یونان کا شہزادہ جارج قندیہ کا گورنر جنرل مقرر کیا جائے مگر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔ چانسلریوں کو کسی امیدوار کے انتخاب پر اتفاق نہیں تھا۔ لہذا جنوری ۱۸۹۸ء میں انگلستان نے اپنی اس تحریک کو پھر تازہ کیا اور اب فرانس، ایطالیہ اور روس نے بھی اس کی حمایت کی۔ لیکن ڈپلومیسی نے اپنی دانست میں واقعات کا جو فاضلانہ اندازہ لگایا تھا، اس میں قندیہ کی مسلمان آبادی کی دلی حالت کا کوئی لحاظ نہیں کیا تھا۔ مسلمانوں کی اس وقت یہ حالت تھی کہ کسی معمولی سے ترکی سپاہی کو دیکھتے ہی انھیں یہ یقین ہو جاتا تھا کہ غیور (Giaours) کے کشت وخون کے لئے فوج جہاز سے اتر رہی ہے اور وہ امرائے بحر احکام کی تعمیل سے انکار شروع کر دیتے تھے۔ ۱۴ر جولائی کو مارشل جواد پاشا، سابق وزیر اعظم، کے ماموره ولی اور سپہ سالار افواج جزیرے کی حیثیت سے، قندیہ میں ورود نے مسلمانوں کی امیدوں میں جان ڈال دی۔ علاوہ بریں۔ خود استنبول میں قندیہ کے مسلمانوں کی ایک انجمن قائم تھی، جس کا ہادی وزیر تجارت، محمد جلال الدین پاشا تھا، جو اپنے سفیروں کو ہمیشہ ان احکام کے ساتھ قندیہ بھیجتا رہتا تھا کہ مسلمانوں کو ایک عام بغاوت کے لئے تیار کر دیا جائے۔ قندیہ سول اور فوجی ترک عہدہ دار قسطنطنیہ کی کمیٹی کے احکام کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ اس صورت حال سے اُن سنجیدہ واقعات کی صراحت ہو جاتی ہے، جو غیر متوقع طور پر قندیہ میں واقع ہوئے اور جنھوں نے مسئلۂ قندیہ کے آنے والے مصائب کو بہت زیادہ تیز گام کر دیا؛

۶ار ستمبر کو، منگل کے دن مسائر کی چوکی کے حقوق کے مسئلے پر قندیہ کے مسلمانوں نے قندیہ کے نئے باشندوں کو، جو اندرون ملک سے آئے تھے، اور بن غازی کے باشی بزوک کو ساتھ لے کر انگریزی فوج پر، جس کا شہر پر قبضہ تھا، حملہ کر دیا اور عیسائی محلے کو نذر آتش کر کے حسب عادت کشت وخون پر اتر آئے۔ ان ہنگامہ آفرینیوں کی صدائے بازگشت قانیہ سے اٹھی اور مسلمانوں نے یہاں بھی غیور (Giaours) پر حملہ کر دیا۔ چاروں دول نے، جو باب عالی سے ترکی فوجوں کے جزیرے سے تخلیہ کر دینے کے متعلق بحث کر چکی تھیں، ترکی کے نام اعلان جنگ بھیجنے کا تصفیہ کیا (۵ار اکتوبر) اور اس امر کا مطالبہ کیا کہ ۴ر نومبر تک ترکی فوج کو واپس بلا لیا جائے ورنہ بصورت دیگر وہ قندیہ پر باب عالی کی داوریت کی ذمہ دار نہیں ہوں گی۔ ۱۲ر اکتوبر کو باب عالی نے یہ جواب دیا کہ ترکی داوریت اور قندیہ میں قیام افواج کا چولی دامن کا ساتھ ہے لہذا ترکی فوجوں کو واپس نہیں بلایا جا سکتا! مگر مقاومت کا زمانہ گزر چکا تھا، سلطان کو دول کی باقاعدہ خواہشات کے آگے سر تسلیم خم کر دینا پڑا، جو شہزادہ جارج کو قندیہ کا گورنر جنرل منتخب کر چکی تھیں۔ ۵ر نومبر کو انگریزی امیر البحر نے ترکی فوجوں اور عثمانی عہدہ داروں کو جبراً جہاز پر سوار کرا دیا۔ اور ۲۱ر دسمبر کو انگلستان، فرانس، ایطالیہ اور روس کی حمایت میں شہزادہ جارج قندیہ کا گورنر جنرل مقرر کر دیا گیا۔

مسئلۂ قندیہ نسلی اور مذہبی تصادم

بغاوت میثاق مرزطاغ (Murzsteg)

مقدونیہ میں ترکی تسلط پیالے کو چھلکا چکا تھا۔ ہر قوم اس سے آزادی

حاصل کرنے کی خواہشمند تھی خواہ قومی اختیارات خود انتظامی کے ذریعے سے جیسا کہ بلغاریوں نے مطالبہ کیا تھا، خواہ یوروپین نگرانی میں حکومت کی مرکزیت کے اعدام سے۔ جان و مال کی حفاظت کے لئے فوری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ باشندوں نے دول سے اپیل کیا لیکن دول کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ صلح میں رخنہ اندازی نہ ہو چنانچہ نہایت ہی بددلی کے ساتھ انھوں نے اس معاملے میں مداخلت کی اور مختلف مذاہب و قوموں کے تصادم کی بنا پر آیندہ لاحق ہونے والی مشکلات سے ڈر کر انھوں نے اپنی مصروفیتوں کو قلیل ترین مراعات تک محدود کر دیا، جن سے ان کا خیال تھا کہ کم سے کم یہ اثر تو ہوگا کہ فی الحال باب عالی اور اس کی عیسائی رعایا کے خاص خاص امور مابہ النزاع کا تصفیہ ہو جائے گا۔ دولت علیہ نے بجائے خود دول کی تحریکات کو نہایت آسانی کے ساتھ منظور کر لیا بلکہ خود ہی اس معاملے میں پیشقدمی بھی کی اور ایسے فرامین شاہی معرض ظہور میں آئے جن میں فیاضانہ قوانین نافذ کئے گئے تھے۔ لیکن انتظامی مشین اور ترکوں کی فطرت نے انھیں پہلے ہی سے ڈیڈ لیٹرس (Dead-letters) کی حیثیت عطا کر دی تھی۔ خط شریف گلہان کے بعد جو فرامین شاہی نفاذ اصلاحات کے متعلق جاری ہوئے، اُن کے اُن کی عدم تعمیل کے بیان کے ساتھ تذکرے سے زیادہ عجیب و غریب اور معنی خیز کوئی دوسرا تذکرہ نہیں ہو سکتا۔ اس تذکرے سے ترکی کی تاریخ کی بہت سی ایسی باتوں کی صراحت ہو جائے گی جو عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں۔

ایک اور سوال جو سب سے زیادہ مشکل اور دشوار تھا یہ تھا کہ اصلاحات کو عام اس سے کہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں کس طرح نافذ کیا جائے؟۔ اس امر کی ضرورت تھی کہ باشندوں کی تمام باتوں کو ترکی عہدہ داروں کی، جو ان تمام قانونی انتظامات کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے، جو غیور (Giaours) کے حق میں مفید ہوتے تھے، مرضی پر چھوڑ دیا جائے نیز یہ کہ سلطان کے اقتدار شاہی کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچنے پائے۔ قانونی امور کو ترک بہت کم سمجھا کرتے ہیں اور اسی طرح تحریری قوانین کی پابندی میں بھی بہت زیادہ غیر محتاط

واقع ہوئے ہیں لیکن وصول اقتدار کو وہ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور اس میں نہ تو وہ کسی کو اپنا شریک وسہیم بنانے پر آمادہ ہوتے ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے اقتدارات محدود ہو جائیں حکومت کی خارجی صورت کو وہ اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس پر اعتنا کیا جائے۔ جس مسئلے سے ان کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے وہ یہ ہے کہ آیا وہ ملک کے مالک بھی ہیں یا نہیں؟۔ اپنے اقتدار میں عیسائیوں کو شریک کر لینے کا آج تک ان کے دل میں خیال نہیں آیا ہے۔ اگر اس قسم کے ایثار پر ان کو مجبور کر دیا جائے تو وہ نہایت تاسف کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اب یہاں ہمارا کوئی اقتدار نہیں ہے"۔ اس جابرانہ نظم ونسق کو ختم کر دینے کے لئے اس امر کی لازماً ضرورت تھی کہ بلقانی صوبوں کو اختیارات خود انتظامی عطا کر دیے جائیں جن سے ان مظالم کا انسداد ہو جائے جن کو ترک عہدہ داروں نے ایک مستقل طرز حکومت قرار دے لیا تھا۔ یہ وہی بات تھی جس کو سلطان قطعی طور پر پورا نہیں کرنا چاہتا تھا گو اس نے اس کی تکمیل کے لئے عہد و پیمان کر لیا تھا۔

۱۸۷۶ء میں قسطنطنیہ کی کانفرنس کی مجوزہ اسکیم نے ترکی کے یورپین صوبوں کے اختیارات خود انتظامی کو مسلم قرار دے دیا۔ یہ اختیارات ویسے ہی مشترک نہیں تھے جن کا کہ مقدونیہ اور بلغاریہ کی کمیٹیوں نے زمانۂ مابعد میں سازاقاف کی ترغیب پر مطالبہ کیا تھا بلکہ یہ سررشتہ داری اختیارات تھے۔ یا یہ کہنا چاہئے کہ محض ایک نمود سیمیائی تھی اس لئے کہ اتحاد مقدونیہ محض ایک افسانہ ہے۔ جن کا میدان عمل بہت محدود تھا اور جن کی بنا پر اس امر کا امکان تھا کہ مجلسیں، جو انتظامی اور معاشی مسایل پر متوجہ ہونے پر مجبور تھیں سیاسی امور کے بجائے مقامی ضروریات کے مطابق بعض قومی مسایل کو حل کر لیں گی۔ لیکن ان اختیارات کی صورت پذیری کو سلطان پر جس کی طاقت مطلق کو ان سے صدمہ پہنچتا تھا، منحصر کر دینے کے یہ معنی تھے کہ ان کو آغاز ہی میں پامال کر دیا جائے یہی وجہ تھی کہ کانفرنس نے اصول استقلال کے علاوہ یوروپین نگرانی کے متعلق یہ شرط بھی عائد کی تھی، کہ نفاذ اصلاحات کے وقت وہ صدارت کرے گی اور اسکی

ماتحت (۲) سے (۴) ہزار تک ایسی فوج ہوگی، جو یوروپین کن ٹن جنٹ سے لی گئی ہو۔ صوبہ جات میں باقاعدہ ترکی عساکر اور ایک مقامی فوج کی موجودگی سے سلطان کی داوریت کی پوری حفاظت تھی۔

اسکیم اصلاحات میں اقلیتوں کی قومی آزادی کی حفاظت کا بھی خیال رکھا گیا تھا مگر اس مسئلے پر کچھ زیادہ زور نہیں دیا گیا تھا۔ اس میں صرف قومیتوں کی مساوات ہی کے اعلان پر اکتفا کیا گیا تھا، جس کی غالبًا یہ وجہ تھی کہ اندرون جزیرہ کی جنگ نے وہ صورت حال اختیار نہیں کی تھی، جو ۱۸۸۶ء کے بعد پیدا ہوگئی تھی۔ لہٰذا یہ پتہ چلانا مشکل تھا کہ اونٹ کس کل بیٹھے گا۔

ترکی نے دستور اصلاحات کی پابندی کرنے سے انکار کردیا اور روس نے بزور شمشیر اس مسئلے کو طے کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ کامیاب ہوتے بلقانی باشندوں کے لئے اس کا پہلے کے بہ نسبت زیادہ مطالبات کرنا ایک طبیعی امر تھا لیکن برلن کانگریس نے، جس پر بلقانی قومیتوں کی مخالفتوں کا اثر غالب تھا، معاہدۂ سان اسٹیفانو کے مجوزات کو نہایت حقیر بنادیا اس نے ترکوں اور عیسائیوں کے مناقشات کے مسئلے کو بالائے طاق رکھ کر صرف انتظامی، عدالتی، اور معاشی اصلاحات ہی سے بحث کی، جن کے نفاذ کا دارومدار سلطان ہی کی ذات پر رکھ دیا گیا تھا۔ معاہدۂ برلن کے فقرے (۲۳) میں یہ تحریر کیا گیا تھا کہ اسپشل کمیشن، جن میں خود رو عناصر کی نمایندگی نہایت وسیع پیمانے پر کی جائے گی، نافذ ہونے والی اصلاحات کے متعلق مفصل اسکیمیں پیش کریں گی۔ اور یہ کہ یہ اسکیمیں مشرقی رومائلی کے یوروپین کمیشن ملاحظے میں پیش کی جائیں گی۔ باب عالی نے اپنے کو اس شرط کی پابندی سے آزاد کرکے خود ہی ایک عام قاعدہ اپنے لئے وضع کرلیا اور اس کو کمیشن کے روبرو پیش کردیا۔ اس خیال سے کہ طوالت واقع نہ ہو کمیشن نے ترکی کے مجوزہ طرز عمل کو منظور کرلیا اور باب عالی کی مرتبہ اسکیموں کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ کمیشن کے افعال پر یوروپین سیاسیات کے خیالات حاوی تھے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ انقلابی تحریکات، کا جن کی بنا پر مسئلۂ مشرق کو اہمیت حاصل ہوجانے کا قوی امکان تھا، انسداد ہوجائے۔ اسی بنا پر اس نے ایک ایسے مقام پر جہاں

مختلف قومیتیں، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششوں میں مصروف عمل تھیں۔ مشترکہ انتظامی اتحادات کے قیام کی کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نفرت اور حقارت کے جذبات کے ابھرنے اور خانہ جنگیوں کی آگ بھڑک جانے میں آسانیاں پیدا ہوگئیں۔ تاہم قانون ولایات (۲۳ اگست ۱۸۶۸ء) اور باب عالی اور یوروپین کمیشن کی مشترکہ جانفشانیوں میں اکثر زمانہ حاضرہ کے اصول بھی شامل تھے جن سے ان لوگوں کی آئندہ ترقیوں کے لئے بہترین بنیادیں قائم ہو جاتیں۔ اگر دیانت داری سے کام لیا جاتا تو ان تجاویز سے مابہ البحث صوبہ جات کے باشندوں کو ترقی کا بہت کچھ موقع مل جاتا۔ لیکن رومائلی کا قانون ولایات ایک ایسا مکتوب بنا رہا، جسکے مکتوب الیہ کا کوئی پتہ نہ ہو۔ اس قانون کے متعلق شاہی منظوری کبھی عطا نہیں کی گئی، اس کی اشاعت کبھی نہیں ہوئی اور اس کے نفاذ کے متعلق دول نے کبھی کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔

مقدونیہ کے سلافیقی (Slavs) اور کوزروفلاقی (Couzo-valaque) عناصر پر ترکی افسروں اور فناری (Fanariote) پادریوں کے مشترکہ ظلم وستم میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ بلغاریوں نے جن کی ۱۸۷۷ء و ۱۸۷۸ء کی خطائے جنگ کو ترکی نے کبھی معاف نہیں کیا، ۱۱ مارچ ۱۸۷۰ء کے فقرۂ (۱۰) کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس فقرے میں بلغاری اگزارکیٹ (Exarchate) کے قیام کے ساتھ ساتھ اس امر کی منظوری دی گئی تھی کہ ہر اس جگہ، جہاں دوثلث یا اس سے کچھ کم اور تھوڑا کس عیسائی باشندے اگزارک کی ماتحتی میں رہنا چاہیں، وہاں اس امر کی عام آزادی ہوگی۔ باب عالی نے مقدونیہ کے بلغاری باشندوں کے مطالبات پر کان بھی نہیں دھرا ساتھ ہی مقدونیہ میں بلغاری اسقفوں کے تقرر کی اگزارک کو آزادی دینے سے انکار کر دیا۔ ریاست بلغاریہ، جس میں اب پھر تنظیم کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور جس پر روس کا اثر غالب تھا، مقدونیہ کے بلغاری باشندوں کی کسی طرح حمایت و اعانت نہیں کرسکتی تھی خصوصاً اس لئے کہ روسی اگزارک جوزف کو پسند نہیں کرتے تھے۔ روسیوں نے یہ سمجھا تھا کہ جوزف ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن جائے گا مگر اس باب میں انھیں سخت

مایوسی) ہوئی۔ خود حکومت روس، جو معاہدۂ سان استیفانو کی تکمیل کے بعد سے ضعیف ہوگئی تھی، یہ نہیں چاہتی تھی کہ مقدونیہ میں اصلاحات نافذ ہو جائیں اور اس طرح لوگوں کی شکایتیں رفع ہو جانے سے ترکی کے داخلی امور میں مداخلت کرنے کا روس کے لئے کوئی بہانہ باقی نہ رہے؛

انقلاب فلبہ، جو ریاست بلغاریہ کے ساتھ مشرقی رومائلی کے اتحاد جدید کا ذمہ دار اور جو روس کے حدود کے باہر مصروف عمل تھا، سربیہ اور بلغاریہ کی کی لڑائی، پرنس بیٹن برگ کے حکومت سے دستکش ہو جانے کے بعد استامبولاف کی ڈکٹیٹرشپ (اگرچہ اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا ہے کہ کس دباؤ کی بنا پر یہ صورت حال واقع ہوئی تھی) غرض ان تمام باتوں سے مسئلۂ مقدونیہ میں ایک بھونڈی تبدیلی واقع ہوگئی تھی۔ بلغاری پروپاگنڈا نے جس کے علمبردار اس وقت تک اسقف، پادری اور معلمین تھے، ایک نیا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ صوفیہ کی انجمن ہائے مقدونیہ کی مصروفیتوں کی بنا پر اس پروپاگنڈا نے مذہبی اور تعلیمی حیثیت کے بجائے اب بالکلیہ سیاسی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ان لوگوں کو مدرسین کے طبقے میں بہترین مددگار مل گئے تھے، جو اگزارکیٹ کے پیروؤں میں بلغاری احساسات قومی پیدا کر دینے کے درپے تھے؛

بلغاریہ کو ایک مستقل ریاست قرار دیدینے کے بعد سے، ریاست کے بلغاری مقدونیہ کو ایک ایسا خطہ سمجھنے لگے تھے، جس کو نجات دلانا داخل فرض تھا۔ برخلاف اس کے مقدونیہ کے بلغاری صوفیہ پر تاک لگائے بیٹھے تھے۔ ہزارہا باشندگان مقدونیہ، جن میں مزدوروں اور کاشتکاروں کی زیادہ تعداد ہوتی تھی، محنت مزدوری کے لئے گرمیوں کے موسم میں بلغاریہ چلے جاتے تھے اور جاڑوں میں پھر واپس آجاتے تھے اس گھٹتی بڑھتی رہنے والی آبادی کے علاوہ مقدونیہ کے بے شمار خاندانوں نے، جن میں اعلیٰ طبقے کے افراد بھی شامل تھے، ترکوں کے مظالم سے عاجز آکر بلغاریہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ فوج کے ادنیٰ عہدوں پر مقدونیہ والوں کا تقرر کیا جاتا تھا، جو اپنی جوشیلی فطرت کی بنا پر، ناک بھوں چڑھا کر روسی افسروں کی حرکتوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ اس طرح اہل مقدونیہ میں ان واقعات میں،

جو انقلاب فلبہ کے بعد ظہور پذیر ہوئے، نمایاں حصہ لیا تھا سلیسترہ اور پیرات کی فتحوں سے بلغاریوں کو بہت کچھ مغالطہ ہو گیا تھا ان کے دلوں میں ریاست کی حدود کے باہر پھیل جانے کا خیال پیدا ہو گیا تھا اور وہ بلغاریہ عظمٰی کی انھیں سرحدوں کو پھر قائم کر دینا ضروری تصور کرنے لگے، جو معاہدہ برلن کی رو سے توڑ دی گئی تھیں۔ اس کے برخلاف استامبولاف نے، جس کا تمامتر انحصار مقدونین عنصر پر تھا، جس کو اپنی فوجی تعداد غالب کی بنا پر بلغاریہ کو بہت کچھ رسوخ اور اثر حاصل تھا، مقدونین کمیٹیوں کو اس امر کی کامل آزادی دیدی تھی کہ وہ جس طرح چاہیں کام کریں۔ استامبولاف کی شرکت کی بنا پر ان کمیٹیوں نے ایک قومی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ یہ کمیٹیاں اب سلافیتی اور آرتھوڈاکس اخوت کی تمام باتیں چھوڑ چکی تھیں اور دلیری کے ساتھ سیاسی آزادی کے مغربی خیالات کو آگے بڑھا رہی تھیں۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ عام سلافیتی مفادات کا خاص بلغاری مفادات سے جواب دیتی تھیں یہ پالیسی بہر حال بلغاریہ میں تشدد کے ساتھ شروع نہیں ہوئی اور اس کی بنا پر یہ معلوم ہو گیا کہ اگزارکیٹ کے افعال کی حمایت کے ساتھ ساتھ بلغاری قومیت کو مقدونیہ میں کس طرح وسعت دیدی جائے۔ استامبولاف کی عیارانہ مداخلت کا مشکور ہونا چاہئے کہ مقدونیہ میں تین جدید اسقفوں کی تقدیس کے متعلق ترکی کی منظوری حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی اور اس طرح یونانیوں پر ایک کاری ضرب پڑی۔

استامبولاف کے زوال کے بعد مقدونین کمیٹیوں اور روس کے مابین زیادہ تر مخالفت پیدا ہو گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تمام روس پسند وزراء جن کو صوفیہ میں اقتدارات حاصل ہوئے، ان کمیٹیوں کے شدید مخالف تھے۔ وسط مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری کی پالیسی کو مقدونیہ کے بلغاریوں کی بلغاریہ اور مقدونیہ کو متحد کر دینے کی پالیسی نے رفتہ رفتہ بالکل دبا دیا بالخصوص اس زمانے میں جبکہ اس تحریک کا انتظام داخلی تنظیم کے ہاتھوں میں تھا۔ صوفیہ کی مرکزی کمیٹی ایک عضو معطل بن کر رہ گئی۔ جس زمانے میں کہ رومانی حکومت کے مطالبے پر روس پسند وزیر، قراویلاف دانیف (Karaveloff-Daneff) نے

سارافاف (Saragoff) پر پروفیسر ماہے لیسکو (Mahailesen) کے قتل میں شرکت و اعانت کا الزام لگایا اور مرکزی کمیٹی کی صدارت اس سے چھین لی گئی۔ مقدونین کمیٹیوں نے اس امر کو ظاہر کر دیا کہ مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری کا مطالبہ ان کا مقصد اولیں ہے۔

سیاسی استقلال کا خیال بلغاریہ کے ساتھ اتحاد کے خیال سے پیدا ہوا تھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب بلغاریہ میں سیاسی ارتقا کی تکمیل ہو چکی تو تنظیم داخلی نے، بورس سارافاف (Boris Sarafoff) اور اس کے شرکا کی امداد و اعانت حاصل ہو جانے پر اس اصول کا کہ "مقدونیہ مقدونیہ والوں کے لئے ہے" اور اپنے اس ارادے کا کہ وہ بلغاریہ کے لئے نہیں بلکہ مقدونیہ کے لئے اپنی کوششوں سے کام لے گی اعلان کر دیا۔ مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری سے یہ فائدہ بھی تھا کہ ملک میں حلقہہائے اثر کے قیام کا سد باب ہو جاتا، جو دراصل خارجی ہمسایوں کے مابین ملک کی تقسیم کی ایک تمہید تھی۔ برخلاف اس کے مرکزی استقلالی اتحادی کا یہ نتیجہ ہوتا کہ بلغاریہ والوں کے فائدے کے لئے صوبے کی غیر قابلیت تقسیم کے متعلق اصول مرتب ہو جاتے۔ مقدونیہ کے استقلال اور خود مختاری کے متعلق اسی بنا پر دوسری قومیتوں میں نزاع پیدا ہو جاتی۔ تنظیم داخلی اور سارافاف کمیٹی نے ہر چند شور مچایا کہ وہ بلغاریہ کے لئے نہیں بلکہ مقدونیہ کے لئے مصروف عمل ہیں لیکن ان کی ایک نہیں چلی۔ انھوں نے اس امر کا دعویٰ کیا کہ ایک مستقل مقدونین قومیت موجود ہے لیکن تاریخ اور علم نسل انسانی کے ذریعے سے ان کے تمام دعووں کی تردید کر دی گئی۔ ان القائات سے مخالفین کی تشفی اس لئے نہیں ہوئی کہ بلغاری استقلالی نظام العمل میں اکثریت رکھنے والی قومیت میں سے گورنر منتخب کرنے کی اجازت دی گئی تھی اور یہ بیان کیا گیا تھا کہ اسی قومیت کی زبان سرکاری زبان تسلیم کی جائے گی۔ ان تمام باتوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ترکی تسلط کے بجائے بلغاری تسلط قائم ہو جائے کوزوولاشی (Couzo-Wallachian) طبقۂ یونانیوں سے متنفر ہونے کی بنا پر نہایت خوشی سے ان کا شریک حال ہو گیا۔ روسی قونصل موسیٹے روس توس کی (Mons. Rostousky) اور فرانسیسی قونصل

مدسیو شوبلئے کے مرتب کردہ اعداد و شمار کے مطابق ولایت میں حسب ذیل قومیتیں آباد تھیں:-

(۱۸۶٫۶۵۶) اگزارکیٹ سلافیتی - (۹۳٫۶۹۴) بطرقی (Patriarchists)

(۴۷٫۳۷) آرتھوڈاکس - (۵۳٫۲۲۷) کوزو ولاشی ۔

ولایت سالونیکا کی آبادی حسب ذیل تھی:-

(۲۴۳٫۰۰۰) اگزارکیٹ سلافیتی - (۱۳۱٫۰۰۰) بطریقی - (۲۴٫۰۰۰) کوزوولاشی -

(۱۳۰٫۰۰۰) یونانی ۔

ولایت کسافو (Kossoro) کے ضلع میں، جو مقدونیہ کا ایک حصہ تھا، یعنی سربیۂ قدیم کے باہر حسب ذیل آبادی تھی:-

(۱۹۲٫۰۰۰) اگزارکسٹ سلافیتی - (۶۲٫۰۰۰) بطریقی - کسافو اور منستیر (Monastir) کی ولایتوں میں سربیہ اور بلغاریہ کے مابین جو جنگ واقع ہوئی وہ انھیں بطریقی سلافیتیوں کے متعلق تھی - سربیۂ قدیم اور ولایت سالونیکا کا جس حد تک تعلق ہے، اس معاملے میں کسی قسم کا تذبذب اس لئے نہیں ہے کہ سنجک پلولی (Pleole) نوی بازار (Novi-Bazar) اپیک (Ipak) اور متروتش (Mitrovitz) کے ایک لاکھ سینتالیس ہزار آرتھوڈاکس یقیناً سربی باشندے ہیں اور اسی طرح ولایت سالونیکا کے ایک لاکھ اکتیس ہزار بطریقی سلافیتی باشندے یقیناً بلغاری الاصل ہیں - سلافیتی باشندے مسلمان آبادی کے ایک کثیر حصے کو بھی، جو بجبر مسلمان کئے جانے والے عیسائیوں کی نسل ہیں، سلافیتی باشندے شمار کئے جانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں - اس قسم کے مسلمانوں کی تعداد حسب ذیل ہے:-

سربیۂ قدیم اٹھانوے ہزار، جو سب کے سب سربی الاصل تھے - ولایت کسافو کے متقدونین حصے میں اٹھاون ہزار - ولایت منستیر میں گیارہ ہزار نو سو بیالیس - ولایت سالونیکا میں اٹھاسی ہزار، جو سب کے سب بلغاری الاصل تھے --- یہ واقعہ ہے کہ مذہب، جو قومی تعلقات سے زیادہ قوی ہے، مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہمیشہ ایک ناقابل عبور سد راہ بنا رہا ہے ۔

یونانیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو ایک خطرناک عددی فوقیت اس لئے

حاصل ہے کہ وہ تمام لوگ، جو آرتھوڈاکس مذہب رکھتے ہیں، یونانی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ان کے یہ تمام دعوے باطل واقعے کے بالکل خلاف ہیں۔ یونانی مقدونیہ میں جس حد تک وہ مطالبہ کر سکتے ہیں وہ جزیرہ نمائے چلقیس (Chalchis) اور مغربی ساحل پر ایک چھوٹا سا علاقہ ہے۔ ترک قبیلوں کی صورت میں ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور ان کو کم و بیش اہمیت حاصل ہے۔ ان میں سے خاص خاص قبیلے حسب ذیل ہیں:-

سالونیکا کے شمال میں وردر (Vardar) اور قرہ سو (Kara-son) کے وسط میں۔ استرومیزہ (Stroumitza) منستیر، اسکوب (Uskub) وغیرہ میں۔ مقدونیہ میں بلغاریوں کو سب سے زیادہ اکثریت حاصل ہے اور جب عیسائیوں کی قابل افسوس حالت کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اس سے بلغاری مراد ہوتے ہیں۔ یونانی مذہبی تعصب سے اندھے ہو کر ترکوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ بطریقیت فنار (Fanar) نے مقدونیہ میں اپنے تمام پادریوں کے نام ایک اعلان بھیجا تھا، جس میں ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے پادریوں اور ان کے پیروؤں پر یہ فرض عائد کر دیں کہ وہ ہر اس بلغاری کو مردود قرار دیدیں، جس کے متعلق ان کو یہ شبہہ ہو کہ مقدونین کمیٹیوں سے اس کے تعلقات ہیں۔

ستمبر ۱۸۹۵ء میں ایک بغاوت، جس کی بانی صوفیہ کی مرکزی کمیٹی تھی بلغاری افسروں کی زیر ہدایت برپا ہو گئی۔ الگزارک نے اس کی بہت کچھ مخالفت کی مگر اس کی ایک نہیں چلی، تمام مدرسین اور خود پادری بھی اس کے حلقۂ اثر سے خارج ہو چکے تھے، اگرچہ ظاہر ان کی طرف سے یہی کیا جاتا تھا کہ ان کے دلوں میں اس کا بہت کچھ احترام ہے۔ لیکن ریاست کی جس خفیہ امداد پر باغیوں کا تمامتر دار و مدار تھا، وہ اس لئے ان کو نہیں مل سکی کہ پرنس فرڈیننڈ پر روس کا اثر حاوی تھا اور روس یہ نہیں چاہتا تھا کہ ملقانی امن و صلح میں رخنہ اندازی واقع ہو۔ بغاوت فرو کر دی گئی اور مارچ ۱۸۹۶ء میں باب عالی نے پرنس فرڈیننڈ کو بلغاریہ کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ پرنس نے اس کے دوسرے سال قسطنطنیہ میں سلطان کی خدمت میں باریابی حاصل کی، جس کے نتیجے میں ولایت ہائے رومانلی میں اصلاحات کے

متعلق ایک جدید شاہی فرمان" نافذ ہوا۔[1] اصلاحات کی اس اسکیم کا بھی وہی حشر ہوا، جو سابقہ اسکیم کا ہو چکا تھا۔ صرف اگزارک کو جس کی شکایتوں کی صدائیں بڑھتی چلی جارہی تھیں، خاموش کردینے اور بلغاری پادریوں کو انقلابی تحریک سے علیحدہ کر لینے کے خیال سے، سلطان نے ۱۸۹۷ء کے اختتام پر بطریق کو آسترومیتزہ، منستیر اور دبرمین (Debre-mein) میں تین اسقفوں کے تقرر کی اجازت دیدینے کا ارادہ کیا۔ یہ تمام باتیں ناکافی تھیں۔ مقدونیہ کی صورت حال روز بروز ابتر اور اس کی حیثیت ایک خونین غدر کی سی ہورہی تھی تو مغربی دول کے اعتراضات میں اور زیادہ شدت پیدا ہوگئی اور سلطان نے ایک ایسی چال چلنے کا ارادہ کیا، جس کو وہ اپنی دانست میں نہایت حیرت انگیز سمجھتا تھا۔ نومبر ۱۹۰۲ء میں ایک یادداشت "صوبہ جات رومائلی میں نفاذ اصلاحات کے متعلق شایع ہوئی، جس میں ایک مشترک جنداِرمہ کی تنظیم اور کسی وزارت کا منصب رکھنے والے شخص کا بہ حیثیت انسپکٹر جنرل آف ریفارمس تقرر امور خاص کی حیثیت رکھتے تھے"۔

آسٹریا ہنگری اور روس نے، جن کو یورپ نے مسئلۂ مقدونیہ کی ترتیب کا اپنی طرف سے مجاز قرار دیدیا تھا، اس کو کافی نہیں سمجھا اور ۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء کی ایک یادداشت میں انھوں نے اصلاحات مطلوبہ کے متعلق ایک دستور اساسی کا اعلان کیا۔ لیکن مقدونیہ کے بلغاری باشندے اس کا انتظار نہیں کرسکتے تھے اور ۲۵ر جولائی کو تنظیم داخلی کے سردار گروایف (Grouyeff) اور سارافاف نے منستیر کے قریب پیرستری (Peristeri) میں بغاوت کا اعلان کردیا۔ ۲۲ر اکتوبر کو آسٹریا اور روس کے سفیروں نے باب عالی کے نام ایک یادداشت روانہ کی، جس میں ان کے فیصلہ جات مندرج تھے۔ اس یادداشت کو مرزشٹگ نظام العمل اس مقام کے لحاظ سے کہا جاتا ہے جہاں یہ فیصلے کئے گئے تھے۔[1]

---

[1] ۲۲ر اکتوبر کو آسٹریا ہنگری اور روس کے سفیروں، کاونٹ گولوچوسکی (Golachowski) تتمہ حاشیہ صفحہ آیندہ

اصلاحات مقدونیہ کی ناکامیابی۔ انگریزی و روسی معاہدہ۔ دولت علیہ ترکیہ کے ہاتھ سے نظم و نسق کا نکل جانا۔

۲۴ نومبر کو باب عالی نے یہ دیکھ کر کہ مقاومت سے کچھ کام نہیں چل سکتا، آسٹریا اور روس کے مجوزہ نو امور کو منظور کر لیا۔ ۸ دسمبر کو آسٹریا اور روس نے اپنے اپنے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور کاؤنٹ لیمس ڈارف (Lamsderf) نے جو یادداشت باب عالی کے نام روانہ کی تھی، اس میں حسب ذیل امور شامل تھے:۔

(۱) جس حد تک اصلاحات کا تعلق ہے مقامی ترکی عہدہ داروں کی مصروفیتوں پر نگرانی قائم کی جائے۔ حلمی پاشا کی اعانت کے لئے، جس کو انسپکٹر جنرل کے ساتھ ہر ایک مقام پر جانا پڑے گا، آسٹریا ہنگری اور روس کے خاص خاص سویلین عہدہ داروں کا انتخاب کیا جائے۔ یہ لوگ انسپکٹر جنرل کی توجہ عیسائی آبادی کی ضروریات کی طرف مبذول کریں گے۔ مقامی عہدہ داروں کے غلط افعال سے اس کو آگاہ کریں گے۔ ان امور کے متعلق جو سفارشیں کی جائیں گی ان کو قسطنطنیہ کے سفیروں کے پاس بھیجیں گے اور ملک کے تمام واقعات سے اپنی اپنی حکومتوں کو مطلع کریں گے؛

ان ایجنٹوں کی امداد کے لئے سکریٹری اور ترجمان نامزد کئے جا سکتے ہیں، جو ان کے احکام کی تعمیل کریں گے اور جن کو اضلاع میں عیسائی مواضعات کے باشندوں سے استفسارات کرنے کی غرض سے دورے کا اور مقامی عہدہ داروں وغیرہ کی نگرانی کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ سول کارکنوں کا فرض نفاذ اصلاحات کی نگرانی اور آبادیوں کی مصالحت کرانا ہوگا۔ ان کے اختیارات تاریخ نامزدگی سے دو سال کے بعد منسوخ ہو جائیں گے۔ باب عالی کو مقامی عہدہ داروں کے نام ان کارکنوں کے لئے تمام قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے احکام جاری کر دینے چاہئیں؛

(۲) چونکہ ترکی پولیس کی تنظیم میں ملک کی مصالحت کا ایک بڑا راز سربستہ مضمر ہے

سول ایجنٹوں کا انتخاب کر لیا اور دوسری طاقتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کر دی۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس امر کی فوری ضرورت ہوگی کہ باب عالی سے نفاذ اصلاحات کا مطالبہ کیا جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ ہو ٹیڈش اور دوسرے عہدہ دار جواب تک مقرر کئے جا چکے ہیں مقامی حالات اور زبان سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے' کار آمد ثابت نہیں ہوئے ہیں۔ ابتدائی اسکیم میں حسب ذیل ترمیمات مناسب ہیں ا۔ تینوں ولایتوں میں جنڈارمہ کی تنظیم جدید کا کام ایک ایسے خارجی قومیت رکھنے والے جنرل کے تفویض کیا جائے گا' جو امپیریل آٹومان گورنمنٹ کا ملازم ہو۔ اس جنرل کی ماتحتی میں دول عظمیٰ کے بعض فوجی اشخاص دئے جائیں گے جو باہمی طور پر اسکس امر کا تصفیہ کریں گے کہ بہ حیثیت کنٹرولرس' انسپکٹرس اور آرگے نائزرس وہ کون کون سے اضلاع میں اپنی مصروفیتوں کا آغاز کریں گے۔ اس صورت سے وہ اپنی دوسری مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی پتہ چلا سکیں گے کہ باشندوں کے مقابلے میں فوج کا کیا طرز عمل ہے۔ بشرط ضرورت ان افسروں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ خارجی قومیت کے زائد افسروں یا ذیلی افسروں کے تقرر کا مطالبہ کریں۔

(۳) ملک کے ایک حصے میں امن قائم ہوتے ہی باب عالی سے انتظامی افراد کے ٹیری ٹوریل ڈی لی می ٹیشنس کی ترمیمات کا مطالبہ کیا جائے گا تاکہ مقامی خود مختاریوں کی اور بھی زیادہ ترتیب عمل میں آسکے۔

(۴) اسی کے ساتھ ساتھ سیاسی اور عدالتی امور کی تنظیم جدید کا' جس میں مقامی عیسائیوں کی شرکت پسندیدہ تصور کی جائے گی نیز مقامی خود مختاری کی ترقی کو بہ نظر استحسان دیکھنے کا بھی مطالبہ کیا جائے گا۔

(۵) ولایتوں کے خاص خاص مرکزوں میں مشترک کمیشن قائم کئے جائیں گے' جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی تعداد مساوی ہوگی اور جو اس امر کی تحقیقات کریں گے کہ بدامنی کے زمانے میں کون کون سے سیاسی اور دوسرے جرائم کا ارتکاب کیا گیا ہے۔ آسٹریا ہنگری اور روس کے نمایندگان قونصل خانہ جات ان کمیشنوں میں حصہ لیں گے۔

(۶) دولت علیہ ترکیہ سے رقوم کا اس غرض سے مطالبہ کیا جائے گا کہ جن عیسائی خاندانوں نے بلغاریہ یا دوسرے مقامات میں پناہ لی ہے۔ ان کو اپنی اپنی بستیوں میں پھر آباد کر دیا جائے نیز ان

یوروپین سول ایجنٹس کی مصروفیتوں کے باوجود جن کا ترکی عہدہ دار نہایت لطیف پیرائے میں مضحکہ اڑاتے تھے، صورت حال میں کوئی اصلاح واقع نہ ہونے پر دول نے ۲۲ر اکتوبر ۱۹۰۳ء کا ایک اور نوٹ مرتب کیا، جس میں باب عالی سے مالی متحفظین (فینانشیل کنٹرولرس) کے انتخاب کا اس لیے مطالبہ کیا گیا تھا کہ صرف روپئے ہی کے زور سے ترکوں پر قابو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ باب عالی نے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نومبر ۱۹۰۵ء میں جنگ کا اعلان کردئے جانے پر باب عالی نے نوٹ کو تسلیم کر لیا اور ۶ر دسمبر کو منظوری دیدی گئی۔ اس کے جواب میں تلافی کے طور پر دول اندرونی کروڑ گری کی مد میں تین فیصد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ عیسائیوں کی امداد کی جائے، جن کا مال اور اسباب اور جن کے مکانات تلف ہوگئے ہیں اور ان مکانوں، گرجاؤں اور مدرسوں کو از سر نو تعمیر کرا دیا جائے، جن کو بغاوت کے زمانے میں ترکی فوج نے منہدم کر دیا ہے۔ ایسے کمیشنوں کا تقرر عمل میں لایا جائے گا جو عیسائی مشاہیر پر مشتمل ہوں اور جو یہ تصفیہ کریں کہ روپیہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ آسٹریا ہنگری اور روس کے سفیر اس کام پر اپنی نگرانی رکھیں گے؛

(۷) ان عیسائی مواضعات میں، جن کو ترکی باشی بزوک نے نذر آتش کر دیا ہے، دوبارہ بس جانے والے عیسائی باشندوں کو ایک سال کے لیے تمام محاصل سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا؛

(۸) دولت علیہ عثمانیہ از سر نو اس امر کا وعدہ کرے گی کہ گزشتہ فروری میں جن اصلاحات کی تجویز کی گئی تھی ان کو نیز ان اصلاحات کو جن کی آئندہ ضرورت لاحق ہو بغیر کسی تعویق کے نافذ کر دیا جائے گا؛

(۹) البانیہ والوں پر جو مظالم ہوئے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو دوسرے درجے کے رضاکاروں اور باشی بزوک کے افعال پر مبنی ہیں لہٰذا اس امر کی فوری ضرورت ہے کہ اول الذکر کو منتشر کر دیا جائے اور ثانی الذکر کی گروہ بندی قطعی ممنوع قرار دیدی جائے؛
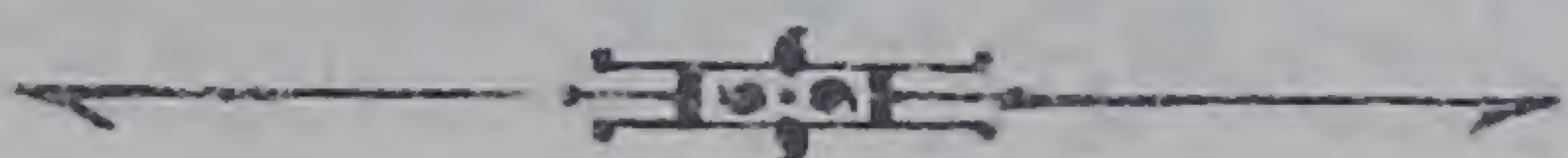
مزید محصول اور یورپ سے آنے والے اسباب تجارت پر آٹھ فیصد بحساب قیمت مال کے سات سال تک عائد کئے جانے سے اتفاق کرلیا۔ آمدنی کے تمام تر مقدونیہ کی تینوں ولایتوں، سالونیکا، منستیر اور اسکوب کے اخراجات میں صرف کئے جانے کے متعلق تصفیہ ہوا اور خارجی تجارت نے باب عالی کی بدانتظامیوں کے اخراجات ادا کئے۔ یہ درست ہے کہ دول نے ۸ امئی ۱۹۰۶ء کی ایک یادداشت میں سائرات کے محصول کو حسب ذیل شرائط کا ماتحت قرار دیدیا تھا:۔

(۱) ان قوانین کی نظر ثانی، جو ترکی میں یوروپین تجارت کے لئے مضر ہیں مثلاً قانون سائرات، قانون معادن، قانون تجزیۂ پیداوار درمحاصل خانہ جات سرکاری۔ قانون ذخیرۂ پیٹرول۔

(۲) دولت علیہ اس امر کی موثر ضمانت دیگی کہ محاصل کے اضافے سے جو آمدنی ہوگی اس میں سے اپنے حصے کی پچیس[2] فیصد رقم پبلک ڈیبٹ (Public Debt) کے لئے وقف کردی جائے اور بقیہ ترکوں کے استعمال میں آئے اور یہ کہ جو حصہ حکومت کو ملے گا وہ سب کا سب رومائلی کی تینوں ولایتوں کے موازنہ (بجٹ) کی کمی کے پورا کرنے میں صرف کیا جائے گا۔

(۳) دولت علیہ اس امر کا معاہدہ کرے گی کہ محاصل خانہ جات کی بقا کی غرض سے اسٹامپ کی شکل میں یا کسی دوسرے قسم کے کوئی جدید محاصل عائد نہیں کئے جائیں گے۔

اِن تمام باتوں کے باوجود مقدونیہ میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کی حیثیت تلوار کے ان زخموں سے زیادہ نہیں تھی، جو پانی کی سطح پر لگائے جائیں۔ ہر چیز کی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی اور دول کی، جن کو اس فرض کے انجام دینے کی طرف سے، جس کی انھوں نے ذمہ داری لی تھی، یاس شروع ہوگئی تھی، یہ نوبت پہنچ گئی تھی کہ انھوں نے اس امر کا اعلان کردیا کہ اگر بلغاری، سربی اور یونانی (یہ اور بات ہے کہ وہ البانیوں اور ترکوں کا نام لینا بھول گئے باشندوں نے حمیدی چابکدستیوں کے نیچے بھیڑوں کی طرح تحمل اور مسکینی سے کام نہیں لیا تو

اصلاحات کے متعلق وہ کسی طرح ذمہ دار نہیں ہوں گی ؛"

۲۷ نومبر ۱۹۰۷ء کو میں نے اس مضمون پر مارشیلیز کے جریدہ سیمافور (Semaphore) کو حسب ذیل تحریر بھیجی تھی :۔

"مرز طاغی اسکیم کے فقرہ ۳ کی عبارت یہ تھی :۔ "ملک کی مصالحت کی تکمیل کے بعد ہی مختلف قومیتوں کی ایک باقاعدہ تر گروہ بندی کی غرض سے دولت علیہ ترکیہ سے انتظامی یکسانی کی ملکی سرحدوں میں بعض ترمیمات کا قطعی مطالبہ کیا جانا چاہئے"۔ سوال یہ ہے کہ مصالحت کا فرض کس کے ذمے عاید کیا جانا چاہئے ؟۔ یہ فرض اصلاح ساز دول کے ذمے عاید ہونا چاہئے خصوصاً اس لئے کہ مصالحت کو ترکی مقتدرین کی بد انتظامیوں کے انقطاع کا ماتحت قرار دیا گیا تھا، جن کے مظالم نے برہم شدہ عیسائیوں کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ مرز طاغی اسکیم میں اس صورت حال کو اس حد تک تسلیم کیا گیا تھا کہ فقرہ ۲ میں "ملکی مصالحت کی ایک نہایت ضروری تدبیر" کی حیثیت سے ترکی جندارمہ اور پولیس کی تنظیم پر زور ڈالا گیا تھا۔ اس جندارمہ کے فرائض یہ قرار دئیے گئے تھے کہ امن و انتظام قائم کیا جائے اور جان و مال کی حفاظت کی جائے اور اس کے متعلق یوروپین افسروں پر بھی یہ ذمہ داری عائد کی گئی تھی کہ وہ "باشندوں کے مقابلے میں افواج کے طرز عمل پر نگرانی رکھیں"۔ اس جندارمہ کی کاغذی تکمیل بھی اب تک عمل میں نہیں آئی ہے۔ اور یہ مقدونیہ کے عیسائی باشندوں کا قصور نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خونین غدر سے ایسا ملک تباہ ہو جاتا ہے جہاں بیگانے عناصر ایک دوسرے کے خلاف مصروف مصاف ہوں لیکن یہ غدر خود ترکوں کا پیدا کیا ہوا اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ مستقلاً قایم کیا ہوا ہے، جنھوں نے سلطنت کے ان دشمنوں پر زیادہ آسانی کے ساتھ فتح حاصل کرنے کی غرض سے عیسائیوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار دینے میں نہایت فراست سے کام لیا ہے۔ یہی دشمن اگر متحد ہو جاتے تو سلطنت کے لئے ایک صعب ترین خطرہ پیدا ہو جاتا مگر اب یہی لوگ ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کر کر کے اس سلطنت کی آسودگی کا کھیل کھیل رہے ہیں"۔

اگر ڈپلومیسی کا یہ خیال تھا کہ باغی گروہوں کی مصروفیتیں مرز طاغی نظام العمل کے فقرہ ۳ کی غلط تعبیرات کا نتیجہ ہیں، اگر دول یورپ یہ باور کرتی تھیں کہ کمی تاجیز (Comitajis) عام اس سے کہ وہ کسی قومیت سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے طرز عمل کو یورپ کی چانسلریوں کے آشفتہ حال قیاسات پر قائم کر رہے ہیں تو وہ سخت غلطی میں مبتلا تھی۔ عیسائی قومیتوں میں اس میثاق کے معرض ظہور میں آنے سے کہیں پہلے سے لڑائی جاری تھی اور یہ ترکی نظم ونسق ہی کا ظلم وجور تھا جس نے اہل بلغاریہ کو بغاوت پر برانگیختہ کر دیا تھا۔ یہ اہل البانیہ کا کیا ہوا کشت وخون ہی تھا، جس نے سربی گروہ بندیوں کے قیام کا اشتعال دلایا تھا۔ یہ تمام مقدونیہ کے بلغارستان کے خلاف تنظیم داخلی کا کیا دھرا ردعمل ہی تھا، جس نے یونانی جتھا بندیوں کی تشکیل کی تھی، جن کی پہلے پہلے خود حکومت ترکیہ بھی طرفدار تھی۔ یہ تفارِ قومی ہی کے لئے لڑائی تھی، جس نے عیسائیوں کو ترکوں کے خلاف مسلح اور ساتھ ہی ایک دوسرے سے نبرد آزما بھی کر دیا تھا۔ مقدونیہ کی خوں ریزیاں ایک ایسے فقرے کی غلط تعبیرات سے واقع نہیں ہوئی تھیں۔ جس کے وجود کا اہل مقدونیہ کو گمان بھی نہ تھا۔ بلکہ یہ نتیجہ تھا موعودہ اصلاحات کے عدم نفاذ اور ایفائے عہد کے متعلق ڈپلومیسی کی بے بسی۔ بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ڈپلومیسی کی بدخواہشات کا۔

علاوہ بریں ویانا اور سینٹ پیٹرس برگ کی مجریہ سرکاری تردیدوں کے باوجود ۱۹۰۷ء سے اگر تعلقات بالکلیہ منقطع نہیں ہو گئے تھے تو کم سے کم آسٹریا اور روس کے مابین اختلاف رائے ضرور واقع ہو گیا تھا۔ روس یہ سمجھتا تھا، اور بجا سمجھتا تھا کہ اس کو اس کے حلیف نے بیوقوف بنا دیا ہے۔ یورپ نے روس اور آسٹریا کو مسئلۂ مقدونیہ کے مصالحانہ تصفیے کے متعلق کامل آزادی دیدی تھی اور اپنی داخلی نازک صورت حال سے خائف ہو کر اور اس میں منہمک ہو کر روس نے آسٹریا کو اس امر کا مجاز کر دیا تھا کہ وہ دونوں کی طرف سے اس معاملے میں اپنے قول وفعل کو کام میں لائے۔ لیکن ویانا نے خود اصلاحات کی کوئی پروا نہ کر کے صرف آسٹریا کے مفاد کو ملحوظ رکھا تھا۔ نوبنہ کی ریلوے لائن کا

متروفیزہ، اسکوب اور سالونیکا کی ریلوے لائینس سے اتصال آسٹریا کے اصلاحات کی رفتار میں سستی پیدا کردینے کی قیمت قرار دی گئی تھی۔ لیکن اگر آسٹریا نے بصورت ریلوے لائن اصلاحات کی کایاپلٹ کو منظور کرلیا تھا تو انگلستان بھی، جواب تک صرف تمام واقعات کا مطالعہ کررہا تھا، مداخلت کرنے اور فوراً مصروف عمل ہو جانے کا تصفیہ کرچکا تھا۔ مرزطاغی نظام العمل کی ترتیب کے وقت انگلستان نے یہ اعتراض کیا تھا کہ جو تجویزیں پیش کی گئی ہیں وہ ناکافی ہیں چنانچہ اس نے اپنی طرف سے اصلاحات کے متعلق ایک اسکیم تیار کی تھی اور اس امر کا یقین دلایا تھا کہ وہ دوسری ہر دو اصلاح ساز طاقتوں کو اپنی تجاویز کے روبعمل لانے کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دے گا اور ان کے نفاذ میں ان کی مدد بھی کرے گا۔ اب اس موقع پر نسینٹ جیمس کی کابینہ نے یہ اعلان کرتے ہوئے کہ مرزطاغی نظام العمل کے خلاف جو اعتراضات کئے گئے تھے ان کو واقعات نے بالکل حق بجانب ثابت کردیا ہے اس امر پر زور دیا کہ جو تجویزیں اس نے پیش کی تھیں اور جن میں وہ تمام کم سے کم باتیں شامل تھیں جو ترکی میں ہوسکتی ہیں اور ہونی چاہئیں، ان کو نافذ کیا جائے۔

اس اسکیم میں ایک موثر اور عام یورپین نگرانی کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس نگرانی کو موثر بنانے کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس کے فیصلوں کو منظور کرلیا جائے اور اس منظوری کے حاصل کرنے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہ تھی کہ ۱۸۷۶ء کی قسطنطنیہ کی کانفرنس کے مجوزہ اصلاحات کی طرف رجعت کی جائے، جن کو حسب ذیل دو امور میں مجملاً بیان کیا گیا تھا:-

(۱) ترکی نظم ونسق اٹھالیا جائے اور عثمانی افواج مستحفظ ملک کا تخلیہ کردیں، جس سے سلطان کی داوریت نیز ایک مقامی فوج کا تحفظ ہوسکے۔

(۲) یورپین نگرانی کی ضرورت، جو نفاذ اصلاحات کے موقع پر صدارت کرے گی اور مختلف طاقتوں کے فوجی دستے اس کے حسب ایما کام کریں گے۔

۱۸۷۶ء کی اسکیم میں یورپین قبضے کا مطالبہ نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس میں

صرف ایک مشترک سیاسی کمیشن کی نامزدگی کا مطالبہ کیا گیا تھا، جس کے ماتحت کئی ہزار کی فوج دی جانے والی تھی۔ لیکن اس کے بعد قانون اقوام نے بہت کچھ ترقی کرلی تھی اور ایک مشترکہ قبضے کا امکان پیدا ہو گیا تھا، جس کی قندیہ میں ایک تعجب خیز نظیر بھی موجود تھی؛

مقدونیہ کے ایک مشروط قبضے سے، مخصوص شرائط کے ماتحت عمل میں لائے جانے کی صورت میں، کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ تھا اور اس کے جواز میں یہ دلیل پیش کی جاسکتی تھی کہ ترکی حکومت کا فوری تبادلہ ایک انتہائی انقلاب ہوتا۔ ان خیالات سے متاثر ہو کر سالونیکا کے فرانسیسی قونصل، ام اسٹیگ (Steeg) نے یہ مشورہ دیا کہ مقدونیہ کے آیندہ اختیارات خود انتظامی فرانس کے تفویض کر دئے جائیں ورنہ وہاں عام طور پر غدر مچ جائے گا۔ اس مشورے میں صرف ایک نقص تھا اور وہ یہ کہ ترکی اختیارات خود انتظامی کو محقق نہیں کرسکتی تھی الا اس صورت میں کہ ان کو پامال کر دیا جائے۔ یہ کہیں بہتر ہوتا کہ دول کے زیر نگرانی اس فرض کو خود آبادی کے تفویض کر دیا جاتا۔ علاوہ بریں خود انتظامی کے خیالات کو اس لئے بالائے طاق رکھ دینے کی ضرورت تھی کہ اسی میں مقدونیہ کے سیاسی اتحاد کا امکان مضمر تھا، جس کا صرف بلغاریہ کے پروپاغنڈا پھیلانے والے دماغوں میں وجود تھا، جو یہ چاہتے تھے کہ مقدونیہ پر بلغاریہ کی اثر بالکلیہ حاوی ہو جائے۔ یہ خیال سربیہ کے ظرف داروں میں موجود تھا، مگر ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، جو مقدونیہ کو سربیہ میں شامل کرلینا چاہتے تھے اور یونانیوں کے دماغ میں بھی یہی خیال بسا ہوا تھا، جو اب تک سلطنت بائزنطہ کے احیائے جدید کے خواب دیکھ رہے تھے۔ عثمانی نظم ونسق کو اس شرط کے ساتھ بیدخل کر کے کہ شاہی اقتدارات بحال رہیں نیز ایک مشروط یورپین قبضے کے ذریعے سے اگر ایک مرتبہ بھی ترکوں اور عیسائیوں کے مناقشات کی تلخیاں رفع ہو جاتیں تو اس امر کا قوی امکان تھا کہ مقدونیہ کی مختلف قومیتوں کی باہمی لڑائیوں کا بھی تصفیہ ہو جاتا، جس کی صورتیں یہ تھیں:- (۱) خود انتظامی کے خیال کو ہٹا کر اور اس کی جگہ

اصلاحات کا خیال پیدا کرے۔ (۲) اُن قومی مناقشات کی نوعیت کے لحاظ سے جو وہاں پھیلے ہوئے تھے، مختلف سررشتوں کی جماعت بندی کے ذریعے سے۔ (۳) گورنر جنرلوں، سپہ سالاران افواج، جندارمہ اور پولیس کو دول کی ماتحتی میں اس شرط کے ساتھ دے کر کہ وہ صرف انھیں کی جوابدار ہوگی (۴) قانون اقوام کو پیش نظر رکھتے ہوئے آزادی اور مساوات کا یقین دلاکر (۵) زبانوں کے متعلق بھی یہی طریقہ اختیار کرکے۔ (۶) مسئلۂ اراضیات کی ترتیب کے ذریعے سے۔

لیکن ۱۹۰۸ء میں دارالعوام میں مقدونیہ کے لئے دول کی جانب سے ایک گورنر جنرل کے انتخاب اور ترکی افواج کی تخفیف کے متعلق سر ایڈورڈ گرے کی تقریر کا قسطنطنیہ میں وہی اثر ہوا، جو ایک بم کے گولے کا ہوتا ہے۔ اصلاحات کے مصالحانہ نفاذ کے لئے سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت تھی کہ آبادی کو ترکی عہدہ داروں سے نجات دلادی جائے، جو اپنی ایذا رسانیوں سے تمام قانونی تدابیر کو، جو عیسائیوں کے حق میں مفید ہوتی تھیں، بے اثر کر دیتے تھے، نفاذ اصلاحات کے متعلق تمام کوششوں کے مقابلے میں یہ عہدہ دار جس عام مخالفت سے کام لیتے تھے، وہ تعجب خیز نہیں تھی۔ یلدیز سے جو احکام ان کے نام بھیجے جاتے تھے، ان کے قطع نظر بھی یہ اُن کی بہ حیثیت مسلم خصوصیتوں کے فطری، منطقی اور طبعی نتائج تھے[1]۔ اصلاحات کے مصالحانہ نفاذ کی ایک دوسری شرط یہ تھی کہ مقدونیہ میں سلطان کے اقتدار اعلیٰ پر کوئی اثر نہ پڑنے پائے اس لئے کہ بصورت دیگر نہ صرف بلقانی قوموں ہی میں رقابت پیدا ہو جانے کا امکان تھا بلکہ آسٹریا ہنگری اور ایطالیہ میں بھی رقابت پیدا ہو جاتی۔ اس لئے ہر شخص کو اس امر کا اطمینان دلادینے کی ضرورت تھی کہ (۱) سلطان کا اقتدار شاہی علیٰ حالہ برقرار رہے گا اور (۲) یہ کہ ترکی عہدہ دار امن عامہ میں رخنہ اندازی یا

[1] کس قدر آزادی کے ساتھ مسلمانوں کی خصوصیتیں بیان کی جارہی ہیں۔ ایک ایسے شخص کو جو شیشے کے مکان میں رہتا ہے، سوچ سمجھ کر دوسروں کے مکانوں پر پتھر پھینکنے چاہئیں۔ مصنف کو شاید یہ نہیں معلوم ہے کہ مسلمان بھی عیسائیوں کی کچھ خصوصیتیں بیان کرسکتے ہیں۔ (رعنا)

باشندگان مقدونیہ کی آزادانہ ترقی میں حائل نہیں ہو سکیں گے۔"

صرف انگلستان ہی ایک ایسی طاقت نہیں تھی جو مرزطاغی نظام العمل کی تنگ و تاریک حدود کی توسیع کے لئے تجاویز مرتب کر رہی تھی بلکہ روس نے بھی بجائے خود ایسی تدبیریں پیش کی تھیں، جو سینٹ پیٹرس برگ کے بیانات کے مطابق اصلاحات مقدونیہ کو ممکن النفاذ بنا سکتی تھیں۔ اس بامعنی یادداشت کے اجرا کے بعد اس نظام العمل کے مجہول الحال حامیوں اور سرودگاہ یورپ کے نے نوازوں کے لیے یہ قسمت نکھارنا محال نہیں تو کم سے کم مشکل ضرور تھا کہ کاؤنٹ گلوچوسکی (Goluchowski) اور کاؤنٹ لمسڈارف (Lamsdorf) کی مرتبہ تجاویز کو روبعمل لانے کے لئے دول یکجہتی اور ائتلاف افکار سے کام لیں گے۔ روسی یادداشت میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ زار کی حکومت کو اصولاً ریڈورڈ ہنفتم کی حکومت کی پیش کردہ تحریکات سے کامل اتفاق ہے لیکن برطانوی نظام العمل کو مکمل کرنے کی غرض سے اس امر کی ضرورت تھی کہ وہ خود بھی بعض تجاویز مرتب کرے۔ چنانچہ روس کے مطالبات یہ تھے:۔ یہ کہ گورنر جنرل کی اعانت کے لئے ایک بین القومی کونسل کا قیام عمل میں آنا چاہئے، جو یورپین فنانشیل کنٹرول کے ارکین پر بعض اضافوں کے ساتھ مشتمل ہوگا۔ یہ کہ جندارمہ کے عاملہ میں معتد بہ اضافہ کیا جائے اور جندارمہ کو خارجی افسروں کی راست ماتحتی میں دیدیا جائے جن کو عمدگی کے ساتھ کام کرنے کے لئے ضروری اختیارات عطا کئے جائیں گے۔ یہ کہ مقدونیہ میں ترکی افواج کو معتدل حد تک تخفیف کردیا جائے۔ یہ کہ اس فوج کی تنخواہ کسی صورت میں بھی ہر سہ ولایتوں کے موازنوں (بجٹ) سے ادا نہیں کی جائے گی، جو اپنی فوجی گن ٹن جنٹ کی تعداد کے مساوی رقم شاہی خزانے کو ارسال کریں گی۔"

ایک اہم مسئلہ جس پر روس اور انگلستان دونوں کو کامل اتفاق تھا، تمام قومیتوں اور زبانوں کی کامل مساوات تھا۔ مختلف فرقوں کی رابطہ بندی مذاہب کے لحاظ سے کی گئی تھی۔ کمیونس (Communes) ویسے ہی مقرر کئے گئے تھے جیسے کہ آسٹریا ہنگری میں تھے اور خود ترکی میں بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک

کمیون (Commune) کو ایک علیحدہ گرجا اور مدرسہ دیا گیا ہے یہ ہر کمیون ان باشندوں پر مشتمل ہے جو اس کو قائم رکھنے کے لئے چندہ دیتے ہیں اور اسی چندے کے ذریعے سے اس کمیون کے ممبر بن جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ "سیاسی" فرقہ داری انتظام بھی ہے، جس کا کمیون کے معاشی اور انتظامی مفادات سے تعلق ہے اور کوئی مذہبی یا تعلیمی حیثیت نہیں رکھتا۔ مذہبی اور تعلیمی مسائل کا تعلق کمیونٹی سے ہے۔ ہر مذہبی فرقے کی نمائندگی کے تحفظ کے لئے میونسپل کونسلوں کے قیام کا امکان بھی ظاہر کیا گیا تھا۔ مقامی پولیس کے لیے جنداریہ اور فوج کی طرح گورنر جنرل کی ماتحتی میں دیا جانا تجویز کیا گیا تھا تاکہ اس سے وہ مختلف جماعتیں فائدہ نہ اٹھا سکیں، جن کو میونسپل کونسلوں میں اکثریت حاصل ہو۔

انگلستان اور روس کے مدبرین نے سلطان کو یہ اطمینان دلانے کی بہت کچھ کوشش کی کہ اگر اس نے ان تجاویز کو منظور کر لیا تو دول اس امر کے متعلق مشترکہ طور پر ضمانت دیدیں گی کہ عثمانی علاقہ میں کسی خارجی مداخلت کو جائز نہیں رکھا جائے گا۔ لیکن ترکوں نے ان کے اخلاص اور سچائی نیز "مشترکہ ضمانت" کی تاثیر و قوت پر اعتماد کرنے سے انکار کر دیا مقدونیہ میں کسی ایسی تنظیم کے نفاذ کو وہ نہ صرف مقدونیہ ہی میں بلکہ البانیہ میں بھی اپنے زوال کی تمہید سمجھتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے خطرات بے بنیاد تھے بلکہ یہ تاریخی قوانین کے مہلک نتائج کے شعور خیز توہمات تھے، جن کی کوئی شخص تردید یا مخالفت نہیں کر سکتا۔ لیکن بہ لحاظ واقعات بغیر لڑے بھڑے مقدونیہ کی مصالحت کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ عثمانی اقتدار کو بے اثر کر دیا جائے یعنے مقدونیہ کو خود انتظامی عطا کر دی جائے، جو جس حد تک ترکوں کا تعلق تھا، اس کی خود مختاری

---

۱ جیسی کچھ ہے ظاہر ہے (رعنا)۔

کا پیش خیمہ تھا۔ ترکی قومیت پسندوں کو یہ توقع تھی کہ عبد الحمید کو معزول کرکے وہ ان خطرات کا سدباب کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ تمام خیالات بے کار تھے اور قسمت ان کو ایک ناگزیر مشکل کے حل کی طرف کھینچ رہی تھی۔

اٹھارھواں باب

مطلق العنانی کا زوال عبد الحمید ثانی کی معزولی

(۲۷ ر اپریل ۱۹۰۹ء)

عبد الحمید کی شخصی حکومت۔ تحریک اتحاد بین المسلمین۔ شاہی مقربین۔ جاسوسی اور مخبری۔ نیازی بے اور انور بے کا باضابطہ اعلان۔ دستور ملکی کا دوبارہ قیام۔ (۲۴ ر جولائی ۱۹۰۸ء) وزارت کامل پاشا (۵ ر اگست ۱۹۰۸ء) بلغیریا، ہرزی گونیا، اور کریت کا مسئلہ۔ کانفرنس اور اتفاق دول۔ مجلس عثمانیہ۔ حکومت کی لڑائی۔ کامل پاشا کا عزل (۱۳ ر جنوری ۱۹۰۹ء) ۱۳ ر اور ۱۴ ر اپریل کی شورشیں۔ صوبے اور دار الخلافت کا مقابلہ متقدونی فوج کا قسطنطنیہ پر قبضہ۔ (۲۴ ر اپریل) عبد الحمید کی معزولی۔

عبد الحمید کی شخصی حکومت تحریک اتحاد بین المسلمین اور شاہی مقربین

ترکی کی ملکی تاریخ تمامتر بابعالی اور حرم سرائے سلطانی کی باہمی مخالفت پر مشتمل ہے جس میں ایک طرف وہ وزرا تھے جن کی جد و جہد ایک حد تک سلطنت کے ضروریات کے لئے تھی۔ اور ایک طرف سلطانی حرم کی حمایت میں وہ مقربین تھے

جن کے اثرات در پردہ بہت بڑھے ہوئے تھے۔ جب تک شاہانِ روم کو جنگ اور ملکی نظم و نسق کا خیال رہا وہ کبھی دار الخلافت میں نچلے نہیں بیٹھے رہے۔ آج ایک طرف سلطنت کی بغاوت فرو کرنے جاتے تھے تو کل دوسری طرف تسخیر صوبہ کے لئے کوچ کرتے تھے۔ کبھی ان کے گھوڑے یورپ میں دوڑتے تھے کبھی ایشیا میں۔ اس زمانے میں سرائے کا وجود ہی نہ تھا محمد ثانی کی فتح بائزنتیم تک سرائے کی حالت ایک پڑاؤ کی سی تھی جس میں سلاطین ہمیشہ بزمانۂ مہمات ٹھہرتے تھے۔ محمد الفاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد سے سرائے کو رونق دی۔ اور قسطنطین ہفتم کے دربار کے بگڑے ہوئے پُرتکلف آداب اختیار کئے چنانچہ حرم سلطانی یونانی زنانخانے کا نمونہ بن گیا۔ یونانی زنانخانے کی طرح حرم کی عورتوں، لونڈیوں اور خواجہ سراؤں کا مذموم اقتدار بہت جلد بڑھ گیا اور معاملات سلطنت میں بھی انھیں دخل حاصل ہو گیا سلطان سلیمان اعظم کے بعد اس کے بیٹے سلیم خرابانی کے عہد میں محل سرائے کا دور دورہ تھا۔ اور تمام امور مملکت حرم سے ہی تصفیہ پاتے تھے قریب قریب تمام سلاطین اس کمزوری سے نہ بچ سکے۔ ترکی کو جن صدر اعظموں پر ناز ہے مثلاً خاندان صقولوی اور خاندان کپرولی ان میں سے کتنے ہی ان مقربوں اور خواصوں کے شکار ہوئے جن کا حرم سرائے میں دور دورہ تھا۔

عبد الحمید کی حالت اس سے جداگانہ تھی۔ یہاں باب عالی اور حرم سرائے کا باہمی مقابلہ نہ تھا۔ ملک پر نہ تو خواصوں کی ہی حکومت تھی اور نہ مقربین کی بلکہ خود سلطان ہی باب عالی کی تمام کارروائیوں کو تہس نہس اور باطل کرنے میں حصہ لے رہا تھا۔ صدر اعظم وہ خود تھا۔ اور جو صدر اعظم تھا اس کی حیثیت باب حکومت کے ایک صیغہ دار کی سی تھی جس کا عہدہ سلطنت میں سب سے بڑا اور جو سب سے بڑی تنخواہ رکھتا تھا لیکن اقتدار کے اعتبار سے اس کی منزلت سلطانی اعزاز کے مقابلے میں ایک ادنیٰ کاتب کی سی تھی۔ جس آسانی کے ساتھ اس کے چچا عزیز اور اس کے بھائی مراد کو معزول کیا گیا تھا۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلطان کے دل میں یہ بات جاگزیں ہو گئی تھی کہ

کسی صدر اعظم کا مدحت پاشا کی طرح سیاہ وسفید کا مالک ہونا یا محمد رشدی پاشا کے مثل امور مملکت میں دخیل ہونا سلطنت کے لئے خطرناک ہے۔ باب عالی اور حرم سرائے کی مخالفت ضروری تھی۔ صدر اعظم اپنے مالک کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی تھا جو بغیر چون وچرا اور کسی قسم کے پس وپیش کے اس کی ادنیٰ سی خواہش کے آگے سر تسلیم خم کردیتا تھا اس کے علاوہ دیگر مختلف محکموں کے اعلیٰ احکام کا وجود بھی محض برائے نام تھا تاکہ یوریپین سفرا کو وزارت کا سراب نظر آتا رہے۔ جملہ امور کا تصفیہ ایلدیز میں ہوتا تھا۔ باب عالی کا کام صرف بارگاہ سلطانی میں کارروائی پیش کرنا تھا۔ اور بس،

سلطان کے ان منصوبوں کی تکمیل میں دو آدمیوں نے خصوصیت کے ساتھ حصہ لیا ایک تو محمود ندیم پاشا جو سابق میں علی پاشا اور فواد پاشا کا مدمقابل عبدالعزیز کا بہکانے والا، مدحت اور اس کی دستوری اصلاح کا سخت دشمن تھا۔ دوسرے کوچک سعید پاشا صدر مجلس اعیان تھا جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ وہ اپنے ماتحتوں کے حق میں جیسا تنک مزاج، مغرور اور ظالم تھا ویسا ہی اپنے مالک کے آگے عاجزی اور فرماں برداری کی تصویر تھا۔ سفرا کے ساتھ وہ سختی کا برتاؤ کرتا تھا اور اہل یورپ سے اس کو سخت نفرت تھی۔ وہ نو سال تک صدر اعظم رہا۔ اپنے تمام زمانۂ وزارت میں اس نے اصلاحات کی سخت ترین مخالفت کی، اور یورپ سے کھلم کھلا مخالفت پر تلا رہا۔

دسمبر ۱۸۹۵ء میں جب اس کے خلاف محل میں سازش ہوئی تو اپنے قتل کے خوف سے اس نے اپنے بیٹے کے ساتھ انگریزی سفارت خانے میں پناہ لی۔ مدحت پاشاہ سے زیادہ وہ اس معاملے میں خوش نصیب تھا۔ دول یورپ نے اس کی طرفداری کی اور اس کی طرف سے سلطان سے طمانیت حاصل کرلی اس واقعے کے بعد لوگوں میں اس کی آزادی اور خود مختاری کا بہت کچھ چرچا ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ٹیسی ٹس کے وہ الفاظ جو اس نے آتھو کے بارے میں لکھے ہیں اس پر صادق آتے ہیں۔

حرم سرائے کے افسر اعلیٰ ہونے کی حیثیت سے اس نے باب عالی سے

ایک ایسی جنگ کا آغاز کیا جو صدر اعظم کی موتوفی پر ختم ہوئی جب اس کو صدارت عظمیٰ کے حصول میں کامیابی ہوئی تو اس نے عطوفت سلطانی کو اپنے پر قائم رکھنے اور باب عالی کو سلطان کے نزدیک بر اٹھہرانے کی کوشش جاری رکھی اور جس طرح سلطان کے سامنے اس کی حیثیت ایک صیغہ دار سے بڑھ کر نہ تھی اسی طرح وہ دوسرے وزرا کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کر کے اپنے آپ کو خوش کر لیتا تھا۔ یہ اچھی طرح سے کہہ سکتے ہیں کہ باب عالی کو اُس نے ہی رام کیا۔

سعید پاشا کے میلان اصلاحات کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ساعت سے زیادہ کسی بات پر قائم نہیں رہتا تھا۔ مدحت پاشا کے ساتھ اس نے عیاری کی تھی اور اُن آدمیوں میں سے تھا جنھوں نے اس پر مقدمہ چلایا تھا۔ احمد وافق پاشا نے (جو رومیلی حصار کا کیٹو" تھا اور جس کی ذات سے اصلاح پسند دل کی امیدیں وابستہ تھیں نیز جس کا سعید پاشا جانی دشمن تھا) مجھ سے ۱۸۸۳ء میں بیان کیا کہ "سعید پاشا بھی بہت مشہور آدمی ہے۔ اور یہ سب شہرت اس کی ان اخبارات کی وجہ سے ہے جن میں اسے اپنے متعلق مضامین شایع کرانے کے طریقے خوب آتے ہیں لیکن یہ سب نام و نمود اور دکھاوے کی باتیں ہیں درحقیقت وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ایک بات میں البتہ اس کا زور چل سکتا ہے اور وہ بات ضرر رسانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ اور اس کے ساتھی سلطنت کو تباہ کر دیں گے"

سعید کی ایک نہ ایک سلطنت سے علانیہ مخالفت کی کوشش برابر جاری رہی اور اسے اس کی پروا نہ تھی کہ جھگڑا طول کھینچے اور جنگ کی نوبت آ جائے۔ خدیو اسماعیل پاشا کی معزولی کے بارے میں وہ ترکی کو انگلستان اور فرانس سے لڑا دینا چاہتا تھا۔ اور جب یونانیوں کو تھسلی کے حوالے کرنے کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا تو وہ یونان پر حملہ کر کے تمام یورپ کو اعلان جنگ دیدینا چاہتا تھا۔ انقلاب فلپیولی پر اس کی یہ رائے ہوئی تھی کہ بلغیریا سے فوری اعلان جنگ کر دیا جائے اور عثمانی فوجیں مغربی رومیلیا پر فوراً حملہ کر دیں۔ ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء کو اس نے سلطان کو مزاحمت کرنے اور توپوں سے آتش باری کا مشورہ دیا تھا۔

عبدالحمید کے ابتدائی دور حکومت میں کسی کو یہ یقین نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خود تمام کاروبار سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے گا۔ ۲ اردسمبر ۱۸۹۲ء کو سعید پاشا نے جو تیسری مرتبہ صدر اعظم ہوا تھا احمد وافق پاشا کو اپنی خدمت کا جائزہ دیا۔ احمد وافق پاشا کو سلطان نے جو اپنے سرکاشی دستے کی سازش سے بالکل گھبرایا ہوا تھا، بلایا۔ اور مندرجہ ذیل شرائط کی فرمانبرداری پر اس کے دستخط لئے۔ صدر اعظم کی جگہ مدار المہام کا تقرر۔ جو ملک کا جواب دہ رہے گا۔ اور فوری انعقاد مجلس نیابت۔ سلطان نے اس جدید انتظام پر پابند ہونے کا وعدہ کیا اور قرآن کی قسم کھائی۔ اڑتالیس گھنٹے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس نے وافق پاشا کو بلایا اور اس پر واضح کیا کہ اغراض ترکی و اسلام کے لئے صدارت عظمیٰ ضروری اور مدار المہامی کا اصول قابل ترک ہے۔ احمد پاشا نے سلطان کی اس بات پر یقین نہ کیا لیکن جب سلطان کا اصرار عمل درآمد قدیم پر بڑھتا گیا اور جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ سلطان کے ارادے کو بدلنے کی کوشش بیکار ہے تو کہا کہ بندگانِ عالی نے قرآن کی قسم کھائی ہے، اور میں اس حلف کی پابندی کے لئے بندگانِ عالی کو مجبور کر سکتا ہوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس سے کنارہ کشی کر رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں میں آپ کی بدنامی ہو اور وہ یہ کہیں کہ خلیفہ نے حلف کو توڑ دیا اس لیے میں خود اپنی طرف سے آپ کو قسم کی پابندی سے آزاد کرتا ہوں"

اس صاف بیانی سے متاثر ہو کے عبدالحمید نے پھر وافق ہی کو صدر اعظم رہنے پر مجبور کیا لیکن وافق نے ایک نہ مانی اور مدار المہامی سے استعفا پیش کر دیا۔ سعید پاشا پھر بحال ہو گئے اور سلطان کا منشا پورا ہو گیا۔

آگے چل کر سعید پاشا نے اپنی وزارت پنجم اور اس سے بھی زیادہ وزارت ششم میں جس کا زمانہ ۱۶ ار نومبر ۱۹۰۱ء سے ۱۴ جنوری ۱۹۰۳ء تک رہا بابِ عالی کو پھر اس کے اس قدیم اقتدار کو واپس دلانے کی کوشش کی جس کے حصول میں اس نے پہلے نمایاں حصہ لیا تھا لیکن یہ کام باوجود اس کی ذہانت کے اس کے امکان سے باہر تھا۔ اس میں اور حرم سرائے میں

درپردہ جنگ چھڑی ہوئی تھی چنانچہ چودہ ماہ کے بعد وہ معزول کیا گیا۔
اپنی شخصی حکومت کو پائدار اور مطلق العنانی کو استوار بنانے کے لیے عبدالحمید نے بنیاد حکومت مذہبی اور فوجی قوت پر رکھی اور قرآنی تلوار کو اپنا وسیلہ قرار دیا یہی وجہ ہے کہ اس کا عہد حکومت اتحاد بین المسلمین اور پرٹیوری ان دو عناصر سے مرکب تھا۔ جس دن سے کہ اس کو روس کی طرف سے جنگ کا خدشہ باقی نہ رہا اسی روز سے صرف یہی ایک خیال اس کو سرگرداں کئے ہوئے تھا کہ کن طریقوں سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو متحد کیا جائے تاکہ انیسویں صدی میں باقاعدہ خلافت سے اسلامی اتحاد کی تنظیم ہو سکے عثمانی سلطنت کی گوناگوں پریشان حالیوں میں بھی اس کی خارجی سیاست کا مطمح نظر یہی رہا عبدالعزیز نے بھی مسلمانوں کے اتحاد کے منصوبے سوچے تھے لیکن یہ منصوبے ان موہوم خواہشوں ہی کی حد تک رہے جو خواہشیں کہ عبدالعزیز کی بے انتہا نخوت کی وجہ سے پیدا ہوئی تھیں۔ عبدالعزیز اپنی ذات کو ذات مطلق کا براہ راست مظہر سمجھتا تھا۔ چنانچہ یہی عقیدہ عبدالحمید کا بھی تھا۔ اتحاد مسلمین کے متعلق عبدالعزیز کے ان موہوم خیالات کی تشکیل عبدالحمید نے کی۔ اس نے اپنی تمام عقل حصول مدعا کی تمام تر کوشش اس میں صرف کر دی۔ خلیفہ صرف ایک بڑا مذہبی پیشوا ہی نہ تھا بلکہ سنی مسلمانوں کا سیاسی سردار بھی تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ نہ تو عبدالعزیز ہی نے اور نہ عبدالحمید نے اس خیال کی بنیاد رکھی تھی بلکہ اس اتحاد کا وجود ان سے بہت پہلے زمانے کا تھا۔ ان لوگوں نے ان پنہاں جذبات کی صرف تشکیل کی تھی جو دستور عثمانی کا نتیجہ لازمی اور ہنوز منتشر خواہشوں کی حد تک محدود تھے۔ اسلام نے مذہب کے آگے قومیت کی پروا نہ کی تھی چنانچہ جہاں جہاں بھی مساجد میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اس میں وہ تمام مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار تھا مسلمان عملی حیثیت سے اس کو اپنا مالک سمجھتے اور بغیر کسی پس وپیش کے اس کی اتباع کرتے تھے اخوت مسلمین سے عثمانی تسلط اور وسیع پیمانے پر اسلامی کاربوریت (جمہوریت) قائم کرنے کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ تھی جس جمہوریت کا سب سے بڑا سردار الخلیفۃ السلطان ایک دوسرا پہاڑی بوڑھا تھا

یلدیز کے ساتھ اتحاد مسلمین کا مدعا منسوب کرنے کے بعد عہد عبد الحمید کی وہ تمام کارروائیاں اور سیاسی اعلانات صرف قابل فہم ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں مآل اندیشی کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کے سوا اتحاد مسلمین کا خیال عبد الحمید کے ساتھ ناپید نہیں ہو گیا بلکہ یہ سلطنت عثمانیہ کی زبردست میراث قرار دیا گیا ہے چنانچہ ترکی اخبارات کے ان مضامین سے اس کی تصدیق ہوتی ہے جن میں اکثریت کے معاملے میں بتیس کروڑ مسلمانوں سے یورپ کو دھمکی دی گئی تھی اور اس فیصلے سے محترز رہنے کی اُسے تنبیہ کی گئی تھی جس سے جزیرۂ مذکور کو یونان میں شامل کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔

تاکہ دوبارہ فوجی سازش کا موقع نہ ملے جس کی بدولت عبد العزیز معزول ہوا تھا اور جو بالکل برملا کی گئی تھی عبد الحمید نے اپنے تمام دور حکومت میں جملہ فوجی معاملات میں دو امور مدنظر رکھے تھے۔ ایک تو یہ کہ اپنی حکومت کو مستحکم بنانے میں فوج سے کام لے۔ دوسرے یہ کہ فوجی افسروں کا اثر بالکل زائل کر دے تاکہ قائدین کی عدم موجودگی سے جن کے پیچھے فوجیں ہو لیتی تھیں سازش کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ اس نے پہلے ایک پریٹوری دستہ مرتب کیا جس میں زیادہ تر غیر اقوام کے سپاہی، یعنی البانی، حبشی، چرکس، عرب اور کرد تھے۔ سلطان کی اُن پر بہت مہربانی تھی اور وہ جو چاہتے کر سکتے تھے۔ یلدیز کا دوسرا دستہ شاہی محافظ تھا جس میں مشکہ، تاش کشلہ، اور ٹیکزم کی چھاؤنیوں کی (جو حرم سرائے سے قریب تھیں) ترکی سپاہ اور توپ خانہ اور ارطغرل اور حمیدیہ کی سوار فوج شامل تھی جو داؤد پاشا اور بیرون استامبول میں رہتی تھی۔

سپاہیوں کی تالیف قلوب کی جاتی اور انھیں انعامات دئے جاتے تھے۔ افسر اعلیٰ حکام کی اجازت کے بغیر انھیں سزا دینے کے مجاز نہ تھے۔ ایک مجرم سپاہی کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس کو سلطان کا تحریری حکم حاصل کرنا پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ افسروں کا اثر و اقتدار روز بروز کم ہونے لگا۔ نوکری کے باہر ان کا زور کچھ نہیں چل سکتا تھا جس کی وجہ سے شہر میں ظلم و تعدی کا بازار گرم تھا۔ حرم سلطانی کے متوسلین پر بغیر حکم سلطانی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا تھا۔

اور سپاہی خواہ کیسے ہی مجرم کیوں نہ ہوں یہاں تک کہ خواہ عین ارتکاب جرم کے وقت انھیں کیوں نہ ماخوذ کیا گیا ہو ملکی اور فوجی پولیس انھیں گرفتار نہ کرسکتی تھی۔ انھیں کوئی چھو نہ سکتا تھا۔ یلدیز میں افسری اقتدار کا اس قدر خوف چھایا ہوا تھا کہ پولیس کو کسی قسم کا اختیار ہی نہ رہا تھا چھاؤنیوں کا تمام انتظام یہاں تک کہ روزمرہ کے جزوی ضروریات پر بھی سلطان کی نگرانی رہتی تھی۔ اور تمام امور کے لیے (خواہ وہ ٹیکزم چھاؤنی کی گھوڑا گاڑی کی مرمت کے متعلق ہی کیوں نہ ہوں یا ایک شکستہ دیوار کی تعمیر یا آگ بجھانے کی نسبت ہوں) سلطان کا تحریری حکم ضروری تھا۔ اس خوف سے کہ افسروں کی وقعت سپاہیوں کے دل میں قائم نہ ہو اور ان کی منزلت نہ بڑھے فنون جنگ کی مشق کبھی نہیں کرائی گئی۔ گو رسالے کا مدرسہ تو تھا۔ لیکن تمام فوج کے دوش بدوش بریگیڈ اور دستے کے سپاہی جنگی مشقوں سے محروم رکھے گئے تھے۔ ان فوجی تفریحوں سے خدشہ تھا کہ کہیں پھر یلدیز پر یکایک اسی طرح حملہ نہ ہو جائے جیسا کہ ۲۹۔ ۳۰ مئی ۱۸۷۶ء کی شب کو ہوا تھا جس کی بدولت عزیز معزول ہوا تھا اور مراد تخت پر بٹھایا گیا تھا۔ انھیں وجوہ سے نشانہ بازی کی مشق بھی موقوف تھی۔ اول تو اس میں گولہ باروت کی کفایت تھی۔ دوسرے سپاہیوں کو کارتوس دینا سلطان کے لیے خطرے کا باعث تھا لیکن پر ہیٹوری دستہ اس قید سے مستثنیٰ تھا۔

صوبوں میں فوجی افسروں اور جنرلوں کو کسی قدر آزادی تھی۔ ان کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ جزئی امور کے لیے یلدیز سے حکم حاصل کریں کیونکہ اس میں اجازت حاصل کرنے تک کام کے رک جانے سے وقت کا سامنا ہوتا لیکن ان پر ہمیشہ جاسوس لگے رہتے تھے اور اگر ذرا بھی وہ خود سے سلطنت یا فوج کی بھلائی کا کوئی کام کرتے تو ان پر اعتراض وارد ہوتا تھا۔ اور قاعدے سے رہنے کی ہدایت کی جاتی تھی۔

عبدالعزیز جس وقت فوجی سازش سے معزول ہوا اس وقت عثمانی فوج میں ایسے افسروں کا ایک رسالہ تھا جس کی تنظیم اور تعلیم زمانہ جنگ میں

ہوئی تھی۔ اور تمام رجمنٹیں ایسی تھیں جو جنگ قرم، جنگ مانٹینگرو، بغاوت اکریت یمن کی مکرر تسخیر، بغاوت بوسنہ اور ہرزیگو نیا میں نبرد آزمائی کر گئی تھیں۔ اگرچند افسروں کو رعایتی ترقی دی گئی تھی تو باقی تمام اپنے کارہائے نمایاں کے صلے میں اس کے مستحق ٹھہرے تھے۔ ۱۸۷۸ء کے بعد سے اشیر اور یمن کے معمولی ہنگاموں کے سوا کہیں بھی جنگ نہ ہوئی تھی اور یہ ہنگامے تھسلی کی اس بڑی بغاوت اور ہم کا پیش خیمہ تھے جس میں جرمن افسروں اور خصوصاً ان گرمبکو پاشا نے حصہ لیا تھا۔ افسروں کی رعایتی ترقی سے فوجی خدمات کی ذلت ہو رہی تھی۔ اور اس پر ستم یہ تھا کہ تمام عہدہ داروں اور عمال کے چھوٹے سے چھوٹے کام اور معمولی سی معمولی گفتگو کی باقاعدہ جاسوس رپورٹ کرتے تھے۔ زمانہ قدیم پر بھی ہم نظر ڈالتے ہیں اور قیاصرۂ روم کے بدترین دور سے موازنہ کرتے ہیں تو اس قدر جاسوسی اور مخبری وہاں بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ عہد عبدالحمید میں انھیں دو چیزوں پر حکومت کا مدار تھا۔ خوشامدی، چغل خور، اور جاسوس اس قدر کثرت سے پھیلے ہوئے تھے کہ یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ آمیز نہ ہو گا کہ آدھا شہر آدھے شہر پر جاسوسی کرتا تھا۔ قصر یلدیز میں ایک بڑا پولیس کا دفتر تھا جہاں کی سزاؤں کا شمار ان سزاؤں سے بھی بڑھ گیا تھا جو جمہوریت ہند وفیہ کے تمام دور میں قصر تعزیر کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ صرف سلطان ہی کی ایک خفیہ پولیس نہ تھی بلکہ ہر مصاحب کے خفیہ کارندے تھے اور قصر کا ہر آنے جانے والا ایک تجربہ کار پولیس کا سپاہی تھا۔ عمال کوتوالی و قضاءت اور متصرف پیرا، اور افسر سلکتاش تمام باشندوں کی جاسوسی کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے بھی جاسوس تھے۔ سپاہی مخبری گویا سلطنت کا ایک قانون ہی نہ تھی بلکہ ایک مذہبی عقیدے کی حیثیت بھی رکھتی تھی اور لطف یہ تھا کہ ان بغاوت اور غداری کی مخبریوں میں مخبروں کو اپنی راست گوئی کے ثبوت کے لئے متردد ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ آرمینی کمیتا جیوں مراد کے طرفداران ترکی مصلحوں، اور بلغیری کمیتا جیوں کے خلاف مخبری کرنا سلطان کو خوش کرنا ہے۔ اور خصوصاً ان لوگوں کے متعلق جھوٹی خبریں دینا جن سے سلطان

بدگمان تھا ہر طرح سے نفع بخش تھا۔ یہ گرفتاریاں دن دہاڑے عمل میں نہیں آتی تھیں افسروں، سفطوں (مفتی) اعلیٰ عہدہ داروں اور امیر ترکوں کو خصوصیت کے ساتھ رات کے وقت گرفتار کیا جاتا تھا۔ سلطان المعظم کے قید خانے شیروں کے غار تھے۔ جہاں یہ تو پتا چل سکتا تھا کہ اس غار کا کون بدقسمت شکار ہوا لیکن یہ معلوم نہ ہوسکتا تھا کہ کون رہا ہوا۔ جب ایکبار ایک شخص قید ہو جاتا تھا تو اس کو موت ہی رہا کر سکتی تھی۔ خواہ وہ خندق میں گرفتار مصیبت رہے خواہ طرح طرح کی تکلیفوں سے اس کو سزا دیجائے خواہ فزن، سینٹ جان آف ایکر، یا یمن بھیج دیا جائے (یہ وہ بڑے مقامات تھے جہاں کے رہنے والوں پر ڈانٹی کی مشہور نظم صادق آتی تھی) خواہ کال کوٹھری ہی میں اس کا گلا گھونٹ دیا جائے۔ خواہ بحیرۂ مارمورا کی مچھلیوں کا وہ لقمہ ہوا۔ غرضکہ ان مختلف روح فرسا حالات میں اس بات کا پتا چلانا امکان سے خارج تھا کہ معتوب دہشت وسختی کی کس منزل سے گزر رہا ہے۔

ان بدگمانیوں سے نجات پانے کا صرف ایک ہی راستہ یعنے غیر مملکت کی جانب فرار تھا چنانچہ عہد عبد الحمید میں طبقۂ اعلیٰ کی بہت بڑی جماعت نے غیر ملکوں کو آباد کیا۔ جب دستوری حکومت کی عملداری ہوئی تو اسی ہزار سے زیادہ قابل سزا اشخاص قسطنطنیہ واپس ہوئے باوجودیکہ پولیس کا نہایت سخت انتظام تھا (جس کی تعداد قسطنطنیہ کی محافظ فوج سے بھی بڑھ گئی تھی) کہ کوئی بغیر اجازت دار الخلافت سے باہر نہ جائے اور باوجود اس کے کہ فرار ہونے والوں کے راستے میں بے انتہا دشواریاں اور رکاوٹیں حائل تھیں، پھر بھی ہر فرانسیسی اور انگریزی کشتی میں جو بندرگاہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوتی تھی پوشیدہ ایک نہ ایک معزز شخص چھپ رہتا تھا جس کے متعلق اصلاحات کے طرفدار ہونے کا خدشہ ہوتا تھا۔ صرف یہی لوگ نہیں بھاگے بلکہ وہ تمام سزا یافتہ بھی جو قید خانے میں تھے فرار ہو گئے تھے۔ البتہ صرف فزن اور یمن کے قیدی مصیبت سے چھوٹ نہ سکے۔
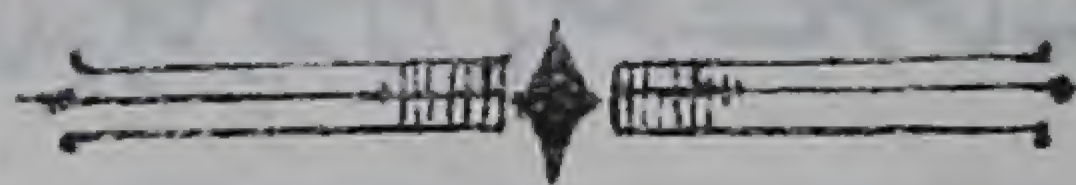
نیازی بے اور انور بے کے اعلان

حکومت دستوری کا دوبارہ قیام

دوشنبہ ۷ر جولائی ۱۹۰۸ء کو صوبہ منستیر کے ایک گاؤں ریسنا میں جہاں سابق میں بلغاروی اور مقدونوی بغاوت پھیلی تھی ایک میجر نیازی بے نامی نے فوجی خزانے، کے ساتھ ساتھ توپوں، اور اُن ذخائر حرب پر قبضہ کرلیا جو جنگی گودام میں تھے اور پھر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ اس کی ماتحتی میں پیدلوں کا ایک دستہ تھا جسے اس نے باغیوں کے تعاقب کے حیلے سے تیار کیا تھا اور ایک جماعت حکام کی تھی جس میں سفطہ (واعظ)، علما، اور عہدہ دار تھے۔ اس نے ایک اعلان شایع کیا جس میں "اللہ جل شانہ، کے نام پر اور انصاف اور آزادی کی خاطر" عیسائیوں اور مسلمانوں کو ایک ہوجانے کی دعوت دی گئی تھی تاکہ حمیدی حکومت کو معدلت اور مساوات کی حکومت سے بدل دیں۔ چنانچہ مدحت پاشا کی حکومت دستوری کے دوبارہ قیام کا اعلان کردیا گیا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی صوبۂ مذکور کے ایک دوسرے مقام پر یسا میں ایک جماعت نے بغاوت کردی جس میں اکثر و بیشتر جندرمہ (فوجی پولیس) کے سپاہی تھے جو نیازی بے سے مل جانے کے لیے روانہ ہوئے تھے۔

جب ان واقعات کا غلغلہ بلند ہوا تو انھیں کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ اور قسطنطنیہ کے سیاسی حلقے، اخباروں کے نامہ نگار، اور حکام سب کے سب خاموش رہے ان کی نظر میں یہ سپاہیوں کی ایک معمولی سی بغاوت تھی جس کا مطالبہ بھتا یا تنخواہ کے لئے تھا۔ چنانچہ اس جھگڑے کو مٹانے اور امن قائم رکھنے کے لئے

چالاکی کے ساتھ چند ہزار تر کی پاؤنڈ کی تقسیم کافی سمجھی گئی۔ میرے خیال میں یہی ایک ایسا شخص تھا جس نے اس بغاوت میں انقلاب کے آثار دیکھے چنانچہ ۸ جولائی کو میں نے "پیام رساں مارسلیز" کو یہی کیفیت بھیجی تھی جس کا عنوان "ابتدا و انتہا" تھا۔ واقعات بہت جلد وقوع میں آئے۔ حمیدی حکومت کو اصل حقیقت کا انکشاف ہوا۔ شمسی پاشا جو مونستر کا فوجی افسر تھا، گو اس عالم میں جب کہ وہ تار گھر سے قسطنطنیہ کو ایک طویل مراسلت بھیج کر نکل رہا تھا۔ ایک افسر کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ مونستر کی فوج بھی نیازی سے مل گئی۔ اُسی زمانے میں مجلس اصلاح نے جو "اتحاد و ترقی" کے نام سے موسوم تھی اور جو سالونیکا میں منعقد ہوئی اس تحریک کو مقدونیہ کی فوج میں عام کرنے کی کوشش کی۔ اس فوج کے نوجوان افسروں کی بڑی تعداد ان سیاسی پناہ گزینوں کی چودہ سال کی متواتر خفیہ کوششوں سے دستوری حکومت کی طرفدار ہوگئی تھی جو پیرس میں پناہ گزیں ہو کے حمیدی مطلق العنانی کا مقابلہ کر رہے تھے۔ ان پناہ گزینوں کی مجلس کا صدر احمد رضا بے تھا جس کا "اخبار مشورت" سلطان کی شب بیداری اور تفکرات کا باعث تھا۔

ان غداروں کے جو پیرس، لندن، جنیوا، بروزلس اور مصر میں عبدالحمید کی مطلق العنانی کے خلاف معرکہ آرائیاں کر رہے تھے اور بھی بہت سے لوگ مثلاً حلیل غانم، ڈاکٹر اسحاق سقوطی، ڈاکٹر عبداللہ جودت، ڈاکٹر رضا توفیق بے، اور سلیم فارس وغیرہ شریک حال تھے لیکن ان سب میں احمد رضا بے ہی ایک ایسا شخص تھا جو سلطان کی تشویش کا حقیقی باعث تھا۔ دن رات سلطان کو یہی فکر دامنگیر رہتی تھی کہ رشوت جبر یا سختی سے کام لے کر کسی نہ کسی صورت سے اسے خاموش کیا جائے اور یہ تمام طریقے اختیار بھی کئے گئے لیکن ایک بھی کارگر نہ ہوا پچیس ہزار ترکی اشرفیاں اسے پیش کی گئیں۔ اور اس شرط کے ساتھ اس سے سفارت کا وعدہ بھی کیا گیا کہ وہ سلطان کی مخالفت سے دست بردار ہو جائے۔ اس سے معافی مانگے اور وفادار رہے اس کے علاوہ اس کو بلجیم سے نکلوا دینے کی بھی کوشش کی گئی۔ فرانس کی عدالت العالیہ سے اس کے خلاف حکم بھی حاصل کیا گیا۔ اور آخرکار مئی ۱۸۹۹ء میں ایک سرفروش اس غرض سے

پیرس بھیجا جانے والا تھا تاکہ چھیڑ کر کے رضا کو لڑائی پر مجبور کرے اور اسے ہلاک کر ڈالے۔
لیکن رضا کو قسطنطنیہ سے اس فریب کی خبر پہنچ چکی تھی۔ جب سرائے میں اس واقعے کا
علم ہوا تو فرانسیسی سرزمین پر قتل کا خیال چھوڑ دیا گیا۔ اس سے بہت کچھ وعدے
کئے گئے۔ جب وعدوں سے کام نہ چلا تو دھمکیاں دی گئیں لیکن ان وعدوں اور
ان دھمکیوں کے باوجود احمد رضا بے اپنے انتخاب کئے ہوئے راستے سے ذرا بھی
نہ ہٹا اور اپنے ارادے میں ثابت قدم رہا۔

گو اصلاحی تحریک ابھی خیالات کی حد تک ہی تھی اور کوئی عملی حیثیت نہیں
رکھتی تھی لیکن سلطان کو اس کی طرف سے بہت سخت تشویش تھی۔ قسطنطنیہ اور
صوبہ جات کے وہ لوگ جن کے متعلق پولیس کو بیجا یا بجا شبہ ہوتا تھا کہ سلطان
کی مطلق العنانی کے خلاف خیالات رکھتے ہیں عتاب سلطانی کے شکار ہوتے تھے۔
سلطان کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ اس کی مطلق العنانی کے خلاف خیال کرنا تک
ممنوع قرار دیا گیا تھا اور اس کے لئے بغاوت کی سزا دی جاتی تھی یہ سب کچھ سہی
لیکن وہ اپنی اس رعایا کے مقابلے میں بالکل بیدست و پا تھا جس نے مہماں نواز
مغرب میں پناہ لی تھی۔ پولیس کی احتیاط اور نگرانی کے باوجود ان پناہ گزینوں کے
شایع کردہ اخبارات ترکی میں ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے۔ ان کی پرجوش
تحریکوں سے رضا کاروں کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ اس میں شک
نہیں کہ جو لوگ واجب التعزیر گردانے گئے تھے یا جو اپنی خوشی سے جلاوطن ہو گئے تھے ان میں سے بعض ایسے
بھی تھے جو اپنے کنبے سے دور غیر ملکوں میں فلاکت کی زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے اس لئے
انھوں نے ان لالچ دلانے والی خدمتوں، عظمتوں اور رشتوں، کو قبول کر لیا تھا۔ جو
ان کے سامنے سلطنت کی جانب سے پیش کی گئی تھیں اس کے علاوہ ان میں چند
ایسے بھی تھے جنھوں نے ترکی کو محض فائدہ حاصل کرنے کی امید پر چھوڑا تھا۔ ان کے
اخراج کا منشاء صرف اتنا ہی تھا کہ اپنی اطاعت کو خاطر خواہ منافع پر فروخت کریں۔
ان میں سے ایک مراد بے مدیر "میزان" وسابق امپریل کمشنر قرضہ عثمانی نے بھی کیا تھا۔
۱۳/ اپریل ۱۹۰۹ء کو وہ بغاوت کے جرم میں جلاوطن کیا گیا۔ اور پھر بحال ہوا البتہ جن
لوگوں نے خطرات کی پرواہ نہیں کی تھی اور اپنے کو مصیبت میں دیدہ و دانستہ ڈال دیا تھا۔

وہی اس کام کے لئے بہت کافی تھے جس کا انھوں نے بیڑا اٹھایا تھا۔
انھیں کے زیر اثر ایک مجلس موسوم بہ "مجلس اتحاد و ترقی" ترکی میں قائم
ہوئی۔ اس تحریک کا آغاز فوجی طبی مدرسے سے ہوا اور بہت جلد اس کے
اثرات ہنکالڈی کے فوجی مدرسے توپ خانے اور انجنیرنگ مدرسے اور
دیگر شعبہ جات میں پھیل گئے اور روز بروز اس کے معاونین کی تعداد بڑھتی گئی
جس میں حکام اور علما بھی شامل تھے۔

لاہے کی پہلی کانفرنس کے موقع پر جبکہ احمد رضا بے اور ایک آرمینی
کاثولی پیر انمیگین ہالنڈ کے پائے تخت میں ظلم سلطانی کے خلاف عوام میں
تحریکیں کر رہے تھے ایک اہم واقعہ ظہور میں آیا یعنی نوجوان ترک کمیٹی اور ہیکن
انقلابی کمیٹی، (ہنچاک اور ہوچاک) کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا۔ پیر انمیگین
(Pierre Anmeghian) قسطنطنیہ کا ایک اخبار نویس تھا اور پیرس سے
اخبار "دول" شایع کرتا تھا۔ اس اخبار نے عثمانی اصلاحی جرائد میں وہی کام
کیا جو "لانترن" (Lantern) نے نہری روشن نور کی ادارت میں فرانس
کے دوسرے دور سلطنت میں کیا تھا۔

۱۸۹۹ء میں سلطان کا بہنوی محمود داماد پاشا احمد رضا کے گروہ
میں شامل ہوجانے کی خاطر اپنے دونوں لڑکوں صبیح الدین بے اور لطف اللہ بے
کو ساتھ لے کر پیرس بھاگ گیا۔ قسطنطنیہ اور دیگر صوبہ جات میں حمیدی
دور سے بددلی روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ خود سلطان کے ہوا خواہوں
نے اس کی بدگمانیوں سے تھک کر اور اپنے کو دائمی خطرے سے بچانے کے لئے
غیر ملکوں میں پناہ لی تھی۔ "اتحاد و ترقی" کی مرکزی کمیٹی کا مقام سالونیکا قرار پایا
کیونکہ یہاں تفتیش کم تھی اور زبردست رضاکار یہیں دارالخلافت کے ان
جلاوطنوں سے فراہم ہوئے جنھیں سلطان نے یہاں جلاوطن کیا تھا۔

کمیٹی کا اجلاس اطالوی فری مشن کی منزل میں ہوا۔ اس کے کاغذات
اور رقوم ایک اطالوی سوداگر کے پاس رکھائے گئے تھے۔ ہر اجلاس کے بعد
اس کے تجاویز کی ایک رپورٹ مرتب ہوتی تھی اور بحفاظت منفصل

کردی جاتی تھی۔ کمیٹی کے تمام اراکین اور رفقا مستقل مزاج اور تجربہ کار لوگ تھے جن میں سے اکثر ایسے خدمات پر مامور تھے جن کی بدولت حکومت کے اغراض سے فوری واقفیت ہوسکتی تھی چنانچہ حلمی پاشا، صدر ناظم اصلاحات (مقدونیہ) ناظم تلغراف کا پراؤیٹ سکرٹری اور مصاحب خاص اس کمیٹی کا ممبر تھا۔ وہ یلدیز کی خفیہ تحریر سے واقف تھا۔

فوج میں خاص طور پر تحریک پھیلانے کی کوشش کی گئی کیونکہ فوج ہی مطلق العنانی کا زور توڑ سکتی تھی اور یہ زمین پہلے سے ہی تخم ریزی اور بارآوری کے لئے تیار تھی۔

عبدالحمید کی بتیس ۳۲ سالہ حکومت میں جاسوسی، مخبری، اور رشوت ستانی کی بدولت سلطنت کے تمام انتظامات ملیامیٹ ہوچکے تھے اور اُن میں خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ نظم و نسق مال کی کوئی شاخ درست حالت میں نہ تھی۔ سب میں ابتری کا بازار گرم تھا، صرف فوج کا صیغہ ہی ایک ایسا صیغہ تھا جو کسی قدر ان مہلک اثرات سے بچا ہوا تھا۔ قوم کا بہترین عنصر اور قوم کے مستعد ترین افراد فوج میں شامل تھے۔ گو حرم سرا کے ساختہ و پرداختہ افسر، جنرل، اور خواجہ سرا قسطنطنیہ میں بھرے پڑے تھے جو اپنی زرق برق وردیوں میں ملک کے لئے باعث ننگ تھے مگر صوبوں میں فوج کا بڑا حصہ اطمینان بخش حالت میں تھا۔ اس کے سوا ترکی کی فوج ہی قوم کے نہایت متدین، ہوشیار اور تعلیم یافتہ طبقے پر ناز کرسکتی ہے، ترکی کے تعلیم یافتہ ممالک یورپ کی طرح قوم کی آزاد پیشہ جماعت سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ فوج ان لوگوں کا مسکن و مرکز ہے۔ طبقہ بندی ترکی میں نہیں اور یہ چیز شریعت اسلامی کا نتیجہ ہے اور یہ ترکوں کے طبائع کے لحاظ سے مناسب بھی ہے چنانچہ ادنیٰ اعلیٰ اور متوسط کا ترکی میں وجود نہیں ہے۔ ترکوں کی قوم ہمیشہ سے سپاہی قوم رہی ہے۔ ان کے علاوہ اگر دیگر افراد ہیں تو وہ علما اور قضاۃ ہیں ان کے سوا اور کوئی طبقہ نہیں باقی سب خدمتگار ہیں۔ ایک مدت مدید تک ان میں بھی جنگ کی بدولت زمیندار امرا کا سلسلہ چلا لیکن بعد میں یہ سلسلہ توڑ دیا گیا اور محمود ثانی کے زمانے سے

جس نے جاں نثاروں کو مٹایا تھا اس کے اب صرف نشانات رہ گئے ہیں
جو روز بروز ناپید ہوتے جاتے ہیں۔ پس قوم کی روح رواں فوج تھی اس
کی دستوری حکومت کی طرفداری مطلق العنانی کا خاتمہ کر سکتی تھی۔ تھوڑے ہی
زمانے میں نوجوان ترک اپنی توقعات سے زیادہ کامیاب ہوئے۔
ایک سال کے اندر مقدونیہ کے فوجی مدارس کے بہت سے افسر تحریک دستوری
کے طرفدار بن گئے۔ تحریک کی کامیابی زیادہ تر اس وجہ سے بھی ہوئی کہ وہ فوجیں
جو کئی سال سے دیہات میں باغی بلغاریوں، یونانیوں، اور حربیوں کا تعاقب
کر رہی تھیں حکومت سے سخت بددل ہوگئی تھیں جس کی وجہ یہ تھی کہ نہ تو انھیں
کافی کپڑا ہی ملتا تھا نہ غذا، اور تنخواہ، یلدیز کے افسروں، اور سرائے کے بیشمار
جاسوسوں اور محافظ فوج کے سامنے حکومت کے خلاف حکام کوئی کام نہیں
کر سکتے تھے۔ لیکن شہر کے باہر ناشائستہ علاقوں میں جہاں فوجیں ہمیشہ نقل و حرکت
کرتی رہتی تھیں وہ خود مختار تھے۔ یہاں حمیدی جاسوسوں کی کوششیں ناکام رہتی
تھیں۔ اور یہاں انھیں اپنے سپاہیوں پر ان کے ساتھ تکالیف، خطرات،
اور مصائب جھیلنے کی وجہ سے وہ قابو حاصل تھا جس کی طرف سے سلطان کو ہمیشہ
خدشہ لگا رہتا تھا۔ مقدونیہ کو ترکی اقتدار سے خارج کرنے کا سوال۔ یورپ
کے پیش نظر تھا، اور سلطان کے عیارانہ تدابیر سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ
اس فیصلے پر روس اور دول مغرب کے آگے سر تسلیم خم کردے گا یہ امور
ایسے تھے جن سے ان افسروں کا جذبۂ حب الوطن اور بھی دوبالا ہوگیا۔ "روال
کے پروگرام" (Reval Programme) کے متعلق اخبارات کے انکشافات
سے نوجوان ترک افسروں کو عبدالحمید کے خلاف جلد بغاوت کا علم بلند
کر دینا پڑا حالانکہ کمیٹی کا تصفیہ کچھ دن بعد تھا۔ مقدونیہ کو بچانے کے لیے
عبدالحمید کی معزولی ضروری تھی۔ مجبوراً نیازی بے نے رسنا میں اپنی تدابیر
کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

قسطنطنیہ میں سلطان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ایک
کمیشن تحقیقات کے لئے جنرل اسماعیل ماہر پاشا کی زیر صدارت سالونیکا

روانہ کیا تاکہ اس بدامنی کی تحقیقات کرے جو مقدونی فوج میں پھیلی ہوئی تھی۔
اس کمیشن کے اراکین جنرل صدیق پاشا اور جنرل رجب پاشا اور معتمد مجلس ا
نعیم بے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسین حلمی پاشا بھی کمیٹی کا طرفدار
ہوگیا تھا کیونکہ کمیشن کو غلط خبروں سے دھوکا دیا گیا جس کی وجہ سے ماہر پاشا
نے قسطنطنیہ کو جو کیفیت بھیجی اس میں نوجوان ترکوں کی قوت کو بہت بڑھا چڑھا کر
بتایا تھا اور یہ لکھا تھا کہ نوجوان ترک فوج پر اس قدر مسلط ہوگئے ہیں کہ
اندیشہ ہے کہ کہیں قسطنطنیہ پر دھاوا نہ کر بیٹھیں۔ نیازی بے کی رفتار ترقی
ماہر پاشا کی رپورٹ سے اس وقت مطابقت بھی رکھتی تھی چنانچہ یلدیز
میں اس رپورٹ کی اصلیت پر کچھ شبہہ نہیں کیا گیا۔ صدر اعظم فرید پاشا ہی ایک
ایسا شخص تھا جو اس بارے میں کسی قدر مذبذب تھا۔ اس نے ماہر پاشا سے
دریافت کیا کہ آیا خود اس نے مقدونیہ کا دورہ کر کے یہ کیفیت لکھی ہے یا کسی
اور ذریعے سے اس نے حالات معلوم کئے ہیں ماہر پاشا نے جواب دیا کہ مقدونی
فوج کی تمام چھاؤنیوں اور علاقوں کا دورہ ناممکن تھا لیکن جو کچھ اسے
کیفیت ملی ہے وہ نہایت معتبر اور موثق ذرائع سے ملی ہے چنانچہ
صدر ناظم اصلاحات کا وثوق کسی طرح مشتبہ نہیں ہو سکتا۔ ایک دوسرا کمیشن
سالونیکا بھیجنے کا تصفیہ ہوا لیکن وہ ابھی روانہ ہونے والا ہی تھا کہ سب کچھ
تصفیہ ہوگیا۔

گو نوجوانان ترک کمیٹی کے اراکین کو سالونیکا میں کوئی جانتا نہ تھا
لیکن اس کمیٹی کا وجود مخفی نہ تھا۔ جب لفٹننٹ کرنل ناظم بے کو جو سالونیکا
کا فوجی افسر اور انور بے کا (جو بانیان کمیٹی سے تھا) نسبتی بھائی تھا انور بے
کے متعلق شبہہ ہوا کہ اس کو اصلاحی مجلس سے تعلق ہے تو اس نے سلطان کو
اس سے آگاہ کیا۔ کمیٹی نے ناظم بے کا منہ بند کرنے کے لئے اس کی موت
کا فیصلہ کیا۔ لیکن قتل کی کوشش ناکام رہی۔ وہ صرف سخت زخمی ہوا۔ ایسا ہی
قسطنطنیہ میں کمیٹی کا ایک اور شخص کراسو آفندی بری طرح پھنس گیا تھا۔ یہ
شخص بظاہر ایک انگریزی کمپنی کا معتبر نمائندہ تھا اور تجارتی اغراض کے

حیلے سے قسطنطنیہ آیا جایا کرتا تھا اور اس طرح سے سالونیکا کی کمیٹی اور دارالخلافت کے نوجوان ترکوں کا پیام رساں تھا۔ خوش قسمتی سے اس پر کچھ ایسا زیادہ شبہہ نہ تھا اور گو محمد چرکس پاشا حرم سرائے کے خاص جاسوس نے اس کو بہت کچھ ڈرایا لیکن اس کے کچھ نہ کہنے پر چھوڑ دیا گیا۔ اس طرح سے نوجوان ترک آفت سے بچ گئے لیکن یہ ضروری تھا کہ سلطان کی طرف سے سدباب ہونے سے قبل ہی اس کارروائی کی ابتدا ہوئی تھی۔

چنانچہ انور بے چند افسروں کو لے کر سالونیکا سے روانہ ہوا تاکہ ان فوجوں کو بغاوت پر آمادہ کرے جو ریلوے لائن پر متعین تھیں اور جن کے بہت سے افسر اصلاحی تحریک کے حامی تھے یہ مہم غیر معمولی طور پر کامیاب ہوئی۔ ہر جگہ پلٹنوں کے سرداروں نے انور بے کا پرجوش خیر مقدم کیا اور انور بے نے سپاہیوں سے کمیٹی کے اطاعت کا حلف لیا۔ جولائی کی تیئیسویں شب کو کمیٹی نے انور بے کی کامیابی اور نیازی بے کے قبضۂ مونستر سے مطلع ہوکر حکومت دستوری کے اعلان کا تصفیہ کرلیا۔ دو بجے شب کو کمیٹی کے اراکین، رفقا، اور طرفدار جن کی جملہ تعداد چھ سو تھی کونک (کوشک) حلمی پاشا کو روانہ ہوئے اور "دستور سلامت باش" کے نعروں کے ساتھ حملہ کردیا۔ اور پو پھٹتے ہی سالونیکا پر کمیٹی کا قبضہ ہوگیا،

نوجوان ترکوں کے مقابلے کے لئے جو قوت فیصلہ، قوت عمل، مستعدی اور جرأت رکھتے تھے یلدیز میں خدمتگاروں کا ایک گروہ تھا جو نہ تو مردانہ ارادہ رکھتا تھا اور نہ مردانگی کے جوہر دکھانے کی اس میں قوت ہی تھی سلطان نے اپنے غلط اندیشوں اور اپنے نااہل مصاحبوں کے کمینہ اغراض کی بدولت ان لوگوں کو علیحدہ کردیا تھا جو اس وقت میں کام آسکتے تھے۔ اب اس کے گرد لے دے کے صرف ایک گروہ ایسے ذلیل آدمیوں کا موجود تھا جس میں نہ تو کوئی صاحب عقل ہی تھا اور نہ صاحب شمشیر۔

صدر اعظم فرید پاشا نے سلطان پر واضح کردیا تھا کہ صورتِ حال خطرناک

اور وقت بہت نازک ہے۔ تاج و تخت کے بچاؤ کے لئے اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ دستور کا دوبارہ قیام منظور کر لیا جائے، لیکن اس مشورے کی بدولت وہ معزول کیا گیا اور اس کی جگہ کوچک سعید پاشا مامور ہوا جس نے بادشاہ کو یہ صلاح دی کہ مصلحین کے مطالبات کا جواب توپوں کے دہانوں سے دیا جائے۔ ۲۳ر کی صبح کو خبر آئی کہ سالونیکا اور مونسترپر نوجوان ترکوں کا قبضہ ہوگیا اور مقدونی فوج دار الخلافت پر دھاوا کرنے والی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ غلط خبر بھی دی گئی کہ ایڈریانوپل پر جو دوسرا رسالہ متعین تھا وہ مصلحین سے مل گیا اور جو فوجیں قسطنطنیہ کے اطراف چلدہ لائن کی حفاظت پر مامور تھیں وہ بھی باغیوں سے مل جانے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ خبریں سب غلط تھیں۔ درحقیقت نوجوان ترکوں کے پاس صرف وہی رسالہ تھا جو انور بے اور نیازی بے سے مل گیا تھا۔ دوسرا رسالہ مثل قسطنطنیہ کی محافظ فوج کے سلطان کا طرفدار تھا۔ ہمت اور ہوشیاری سے اس بغاوت کا مقابلہ ہوسکتا تھا لیکن ہمت اور ہوشیاری نہ تو سلطان میں ہی تھی اور نہ اس کے ہوا خواہوں میں۔ سعید پاشا سے جب اس کے جلیل القدر مالک نے مشورہ کیا تو اس نے یہ رائے دی کہ دستور کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

بادشاہ نے جب سعید پاشا کو جو اب تک فرید پاشا کے اصلاحات کا نہایت سخت مخالف تھا دستور کی وکالت پر آمادہ دیکھا تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی سلطان نے خیال کیا کہ صورتِ حال یونہی واقع ہوئی ہے تو فرید پاشا کی معزولی درست نہ تھی۔ اس لئے اس نے اس کو بلا بھیجا اور قلمدان صدارت عظمیٰ پیش کیا اور ساتھ ہی ساتھ دستور کے دوبارہ نفاذ کے متعلق رضامندی ظاہر کی۔ سلطان کو بہت سخت حیرت ہوئی جب فرید نے اس عہدۂ جلیلہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ واضح کیا کہ وہ سلطان کی اس تبدیلی کو صداقت پر مبنی نہیں سمجھتا۔ دستور کو وہ اپنا دام تزویر بنانا چاہتا ہے جب دستور کی یہ حالت بنائی جائے تو پھر اور دوسری باتوں کا خدا حافظ ہے۔ سلطان نے قطع کلام کر کے اور جھلا کے کہا "کیا تمھیں اپنے سر کا خوف ہے؟"

فرید نے جواب دیا کہ مجھے اپنے سر کا کچھ خوف نہیں لیکن ہے تو آپ کا اور اہل دربار کے سروں کا خوف ہے۔"

اس طرح سے سعید پاشا ہی صدر اعظم رہا۔ ۲۴ ر کی صبح کو اخبارات کو حسب ذیل سرکاری اطلاع دی گئی۔

"مجلس نیابت (پارلیمنٹ) کے اجلاس کے لئے حکم سلطانی صادر ہوا ہے۔ یہ مجلس نیابت بالکل اس دستور کے طریقے پر ہوگی جسے اعلیٰ حضرت سلطان المعظم نے نافذ کیا ہے۔ یہ حکم سلطانی تار کے ذریعے سے تمام ولایات اور خود مختار متصرفات کو بھیج دیا گیا ہے اور انھیں دعوت دی گئی ہے کہ نیابتی انتخابات اسی طریقے پر عمل میں لائیں جس طریقے پر دستور میں لکھا ہوا ہے"

عوام نے دستوری بغاوت کا جھجکتے ہوئے خیر مقدم کیا کیونکہ یہ شبہہ تھا کہ کہیں یہ دام پھانسنے کے لئے نہ ہو۔ اخبارات پر سے ابھی نگرانی ہٹی نہ تھی اس لئے وہ اس واقعے پر کوئی تنقید نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ۲۵ ر کو تمام اخبارات نے سنسروں کی پروانہ کر کے دستور کی دفعہ ۱۲ کو نقل کیا جس میں آزادی مطابع کی ذمہ داری لی گئی تھی اور جاسوسی، مخبری اور قتل و غارت کے خاتمے پر جن سے ملک تیس سال سے پامال ہو رہا تھا آپے سے باہر ہو کر خوشی کا اظہار کیا۔ عام مخلوق وزارت کے دفاتر اور وزرا کے مکانات کی طرف روانہ ہوئی اور ان سے پبلک میں دستور کا حلف لینے کا مطالبہ کیا۔ مارشل ذکی پاشا اعلیٰ افسر توپخانہ و صدر ناظم مدارس فوجی نے جب ہنکالڈی کے مدرسۂ فوجی کے طلبا کو ڈاکٹر رضا توفیق بے کی واپسی قسطنطنیہ پر خیر مقدم کرنے سے روکنا چاہا تو اسے ہر طرف اور جزیرۂ امرا کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ جلاوطنی میں حسب ذیل آدمی تھے۔

جنرل اسماعیل پاشا صدر مہتمم مدارس فوجی جو دور حمیدی کا بدترین جاسوس اور ستمگر تھا۔

جنرل محمد چرکس مصاحب خاص اور مندرجۂ بالا طبقے کا ایک بدمعاش عزت پاشا دوم معتمد و حاجب سلطان جو مثل نائب سلطان کے تھا۔

بایں ہمہ سعید پاشا نے اپنی دانشمندانہ چالوں سے دستور کو ایک حد تک ناکام کیا۔ روز اول سے ہی ایک خاموش جنگ اس میں اور صدر اعظم سابق کامل پاشا میں جاری تھی جو ۲۲ر جولائی کے کابینہ میں بغیر عہدہ وزارت کے وزیر بنا دیا گیا تھا۔ یہ ایک بدعت تھی جس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ دونوں حریفوں کو آپس میں لڑایا اور اس طرح سے دونوں کا اثر زائل کیا جائے۔ سابق میں محمود کے اصلاحات کے پیشتر ترکی میں صدر اعظم کا ایک قائم مقام ہوا کرتا تھا۔ جب صدر اعظم سپہ سالار افواج ہو کر میدان جنگ یا اور کسی کام پر قسطنطنیہ سے باہر جاتا تو قائم مقام صدر اعظم کا کام انجام دیتا۔ اب قائم مقام کی بجائے مستشیر ہے لیکن مستشیر ایک دوسرے درجہ کا عہدہ دار ہوتا ہے جو صدر اعظم کی عدم موجودگی میں وزرا کو کسی طرح سے بھی احکام نہیں دے سکتا۔ پس کامل پاشا کے متعلق جو بغیر عہدہ وزارت کے وزیر تھا یہ کہا گیا کہ اس کی خدمت سابق قائم مقام کی ہے۔ منشور ۱۸۷۶ء سے صدر اعظم اراکین کابینہ کے تقررات کر سکتا تھا۔ سلطان کو اختیار صرف اس حد تک تھا کہ وہ صدر اعظم کے پیش کردہ تقررات پر صاد کرے۔ سعید پاشا کا منشا تھا کہ وزیر جنگ اور وزیر بحری کے تقرر کا حق سلطان کو دیا جائے جو دستور کی دفعہ ۲۷ کے خلاف تھا۔ اس چال سے سلطان کو بری و بحری فوج پر پورا اقتدار حاصل رہتا اور وہ ان وزرا کے ذریعے جو اسی کے وابستہ ہوتے فوجی انقلاب پیدا کر سکتا تھا جو سابقہ انقلاب کو فنا کر دیتا سعید پاشا اور اس کے رفقا کی مخالفت یہاں تک پہنچی کہ شیخ الاسلام جمال الدین نے اپنا استعفا پیش کر دیا۔ یہ دیکھ کر حسن فہمی پاشا وزیر عدالت حاجی عاکف پاشا وزیر داخلی ترخان پاشا کونسل آف اسٹیٹ کے صدر نشین اور کامل پاشا ان سب نے بھی اپنا اپنا استعفا پیش کر دیا۔ دوسرے دن فوجی افسروں کے ہنگامے کے بعد امیر البحر حسن رحمی پاشا کمیٹی کے حکم سے برطرف کر دیا گیا۔ یہ رحمی وہ تھا جسے سعید رکھنا چاہتا تھا۔ گورنمنٹ کا اب وجود باقی نہ تھا۔ ۴ر کو سعید پاشا نے سلطان کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کیا۔ ۵ر کو نصف النہار کے وقت ایک سلطانی خط

شایع ہوا جس میں کامل پاشا کو نئے کابینہ کی ترتیب کا حکم دیا گیا تھا۔

وزارت کامل پاشا (۵ اپریل ۱۹۰۸ء)

مسائل بلغیریا، ہرزی گوونیہ و اکریت (Crete)

کابینۂ کامل پاشا میں قابل لوگ شامل تھے چنانچہ وزیر جنگ مارشل رجب پاشا تھا جس کی قابلیت اور راستبازی سے خوف زدہ ہو کے سلطان نے بہ اعزاز اسے طرابلس کا فوجی سردار اور والی بنا کے جلاوطن کیا تھا۔ وزیر تعمیرات و تجارت باب عالی کا سابق مشیر قانونی جبرئیل آفندی نورا ڈونگھین تھا۔ وزیر عدالت حسن فہمی پاشا تھا جو اپنی اصلاح پسندی سے قدیم دور میں بھی مشہور تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ وزارت ممالک داخلی پر سابق مشیر قانونی حقی بے تھا جو یلدیز کے اعتمادی درباریوں سے تھا اور جس کی حالیہ حریت پسندی نہایت مشتبہ تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر حیرت یہ تھی کہ ترکی کے دستوری کابینہ کا صدر کمال پاشا سابق صدر اعظم تھا۔ ۵ نومبر ۱۸۹۵ء کو وہ محل کی سازش سے ۳۶ دن دوبارہ صدر اعظم رہنے کے بعد والی حلب بنا کے جلاوطن کیا گیا تھا حلب سے عربستان کی کچھ ایسی زیادہ مسافت نہیں ہے چنانچہ وہ سلطانی کشتی میں حلب پہنچایا جانے والا تھا کہ انگریز اور جرمن سفرا کی سرگرم مداخلت کی بدولت یہ سفر رہ گیا۔ اس کی سیاست انگریزی طرفداری اور جرمنی سمجھوتے پر مشتمل تھی۔ ترکوں میں صرف وہ، اور فرید پاشا دو ایسے حکام تھے جنھیں گرانڈ کراس کا جرمنی سیاہ عقاب کا تمغہ ملا تھا کامل پاشا سے پہلے کوچک سعید پاشا ۱۱۵ دن کی پانچویں وزارت کے بعد برطرف کیا گیا تھا اور سنا یا طیف جلاوطن کئے جانے کے

سفارت خانۂ انگریزی میں پناہ گزین تھا۔ سلطان نے سعید پاشا کی تقلید کی خاطر اور اس غرض سے بھی کہ انگلستان اور جرمن کی ناخوشی کا باعث نہ ہو دونوں سفارت خانوں کو اطلاع دی کہ انھیں غلط خبر پہنچی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ کامل پاشا سلطانی کشتی پر سوار تھا لیکن یہ کشتی اسے صرف سمرنا لئے جا رہی تھی۔ اور اسی کے ساتھ وہ والی عدن کی حیثیت سے بھیجا جا رہا تھا جو سلطنت ٹرکی کا اہم ترین صوبہ ہے۔ کامل پاشا گیارہ سال سے زیادہ اس صوبے پر حکمراں رہا۔ ذاتی جلب منفعت کے سوا کوئی دوسری بات اس کے مدنظر نہ تھی۔ صوبے کو اس نے اپنی ملک سمجھ رکھا تھا۔ اس نے تمام بڑی بڑی خدمتیں اپنے بیٹوں، پوتوں، دامادوں، بھتیجوں اور بھائیوں کو دے رکھی تھیں اور جب قرابتدار ختم ہو گئے تو گھر کے ملازموں کو مامور کر دیا تھا۔ اس کا ایک بیٹا سعید پاشا بحری افسر اور یلدیز کا خاص جاسوس تھا۔ حالانکہ کبھی اس نے جنگ کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی مگر تیس برس کی عمر میں ہی اعلےٰ افسر بنا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی محبت اور ضعیفی سے فائدہ اٹھا کے صوبے کو خوب جی کھول کر لوٹا۔ قزاقوں کی ٹولیاں اس کے زیر اثر تھیں اور ان کی لوٹ میں اس کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ کامل پاشا کی بدانتظامی کے متعلق سلطان کے پاس شکایات کے دفتر پہنچے لیکن پھر بھی وہ معزول نہیں کیا گیا جس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اگر وہ معزول کر دیا جاتا تو قسطنطنیہ میں سدراہ بن جاتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس کی معزولی پر انگلستان اور جرمنی کی ناخوشی کا اندیشہ تھا مگر یہ روک تھام کب تک باقی رکھی جا سکتی تھی سمرنا کی قونصلی جماعت نے اس کی جو شکایتیں کی تھیں وہ ایسی نہ تھیں کہ انھیں نظر انداز کر دیا جاتا۔ تمام دول کے نمایندوں نے۔ جن میں خود کامل پاشا کی سرپرست سلطنتوں کے نمایندے بھی شامل تھے اگر کامل پاشا کو نہیں تو اس کے بیٹے کو تو ضرور اس غارتگری کا ذمہ دار گردانا تھا جس کی بدولت صوبہ تباہ ہو گیا تھا چنانچہ آخرکار کامل پاشا برطرف کر دیا گیا۔ یہی وہ کامل پاشا تھا جسے دستور کی عمل پیرائی کا کام سپرد کیا گیا تھا۔

وزیر ہونے کے بعد کامل پاشا نے اپنے کام کے متعلق ایک شاندار و بلیغ اعلان شایع کیا جس میں لفاظی ہی لفاظی تھی اور کوئی مطلب کی بات نہ تھی۔ اس اعلان کا ایک ایک لفظ جچا تلا اور سمجھا ہوا تھا چنانچہ ایک لفظ دوسرے لفظ سے شاندار اور زیادہ اہم معلوم ہوتا تھا۔ وعدوں کی بھرمار تھی لیکن سب توضیح کے محتاج تھے اور یہ پہلو مخفی رکھا گیا تھا کہ حکومت کس طور سے ان اصلاحات کو جنھیں اس نے ضروری بیان کیا تھا عملی جامہ پہنائے گی۔ آخر وہی ہوا جو اس کے مضمون سے ظاہر تھا یعنی یہ کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ایک دن تقررات کئے جاتے تو دوسرے دن اس حکم کو منسوخ کر دیا جاتا۔ افسروں کے تبادلے ہوتے پھر انھیں اپنی جگہ پر بحال کر دیا جاتا اور اس کے بعد پھر تبادلہ کر دیا جاتا تھا۔ سادات کی گرفتاریاں جو پہلے تھیں وہی اب بھی جاری رہیں (حالانکہ پہلے ان کی گرفتاریاں ایک حد تک بجا ہو سکتی تھیں)۔ ان باتوں کے سوا حکومت کو کچھ کام نہ تھا۔ حکومت مجلس وزرا اور انقلابی کمیٹی کی حکومت تھی۔ کمیٹی کو بظاہر حکومت کے معاملات سے کوئی سروکار نہ تھا لیکن بایں ہمہ وہ افسروں کو برابر احکام روانہ کرتی تھی جن میں ان کے طرز عمل کے متعلق ہدایات ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ اخبارات میں اس کی طرف سے یہ اعلان شائع کئے جاتے تھے کہ جو کمیٹی کے تجاویز کی مخالفت کرے گا وہ باغی سمجھا جائے گا کمیٹی کے نمایندے مجلس وزرا کے اجلاسوں میں موجود رہتے تھے۔ جب سلطان جمعے کو مسجد جاتا تھا تو سلملک کی ترتیب میں صرف وہی رہتے تھے۔ وزرا کو انھوں نے ایک طرف بٹھا دیا تھا۔ کسی امر میں تصفیہ کرنے کے قبل وزرا کمیٹی کی رائے لیتے تھے۔ کابینہ کمیٹی کی رائے کا منتظر رہتا اور کمیٹی ذمہ داری سے بچنے کے لئے کابینہ کی رائے لیتی تھی آخر مجلس وزرا نے اس دور انقلاب سے فائدہ اٹھا کر ان موانعات کو دور کیا جو اس کی راہ میں حائل تھے چنانچہ جب مجلس نیابت کا اجلاس ہوا تو معاملہ ایک خاص شکل رکھتا تھا۔ فوجی انقلاب کی بدولت دستور میں دوبارہ جان آئی تھی جس وقت تک مجلس نیابت قایم نہیں ہوئی تھی۔ یا قایم تو ہو چکی تھی مگر انقلابی حالت میں تھی اس وقت تک انقلابی طریقے پر ہی حکومت ہو سکتی تھی فوج ہی کی بدولت انقلاب ظہور میں آیا تھا جس سے آئینی آزادیاں

حاصل ہوئی تھیں۔ فوج کو لازم تھا کہ وہ اپنے ہاتھ میں زمام حکومت لیتی۔ اس کا یہ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لینا بہت بڑی غلطی کا باعث ہوا۔

خارجی واقعات کے دفعتہً ظہور پذیر ہونے سے صورت حال میں اور بھی پیچیدگی واقع ہوگئی جس سے مخالفان تنظیم کو تنظیم کے خلاف تحریک کرنے کے لئے مواد مل گیا۔ اسی زمانے میں بلغیریا نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ آسٹریا ہنگری نے بوسنہ اور ہرزیگوونیہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا (۵/اکتوبر) اکریت نے یونان کے ساتھ اپنے دوبارہ مل جانے کا اعلان۔ (۸/اکتوبر) بلاشبہ سلطنت کا یہ تجزیہ ان حالات و واقعات کا نتیجہ تھا جن میں کچھ تبدیلی نہیں ہوسکتی تھی لیکن فی الحال تو تامل اندیشی اور مصلحت سے ان حالات و واقعات کو رونما ہونے دیا جا سکتا تھا۔ یوں تو سب امور میں تامل اندیشی ایک بہتر صفت ہے لیکن سیاسیات میں سب سے پہلے تامل اندیشی اور موقع شناسی انتہائے دانشمندی کی بات ہے۔ بدقسمتی سے ترکوں نے خود ہی ان مسائل کو چھیڑ دیا۔ اور غلطیوں پر غلطیاں کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ جو واقعات کہ دفعتہً پیش آئے وہ سراسر خلاف امید تھے۔

اولاً دستور کا جب دوبارہ نفاذ ہوا تو قومیت پسند ترکوں نے غیر متوقع کامیابی سے بدمست ہوکر سخت ناعاقبت اندیشی کے ساتھ اپنے اخبارات میں بوسنہ ہرزیگوونیہ اور اکریت کا ذکر چھیڑ دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ اب جب کہ سلطنت ترکی اصول آزادی پر کاربند ہے اور بغیر امتیاز مذہب و ملت تمام عثمانی رعایا میں مساوات قائم ہے تو اصلاحات دول غیر نہ صرف مقدونیہ میں موقوف ہونے چاہئیں بلکہ ان تمام ممالک کو بھی ترکی کے زیر نگین آجانا چاہئے جو پہلے ترکی کے صوبے تھے۔ یہ سچ ہے کہ بعد میں کمیٹی نے اخبارات کو ان ملال انگیز مسائل کے تذکرے سے روک دیا اور ممانعت کر دی کہ بوسنہ، ہرزیگوونیہ، مصر، اکریت، قبرص اور تونس، کے متعلق وہ کچھ نہ لکھیں لیکن آخر ذکر تو چھڑ ہی چکا تھا اور اہل اسلام کی خوابیدہ امیدیں جاگ اٹھی تھیں اس لئے وہ اپنی ناواقفی کے باعث اس امر کو ممکن الحصول سمجھ رہے تھے۔

ثانیاً گوشوف کا واقعہ پیش آیا جو محل کی ایک سازش کا نتیجہ تھا تاکہ بلغیریا اور

ترکی میں جنگ چھڑ جائے اور سلطان کو دستور پر تیس سال پہلے کا حملہ تازہ کرنے کا موقع مل جائے۔ ۱۲/ستمبر کو وزیر خارجہ نے جماعت سفرا کو سرکاری طور پر دعوت دی لیکن سلطان کے باضابطہ حکم کی بنا پر والی بلغیریا کے ایجنٹ ایم گوشوف کو دعوت نہیں دی گئی۔ اسی شام کو صوفیا سے حکم آنے پر وہ قسطنطنیہ سے روانہ ہوگیا۔ ترکوں کی بحث یہ تھی کہ بلغیریا ترکوں کی باجگذار ریاست تھا۔ پرنس فرڈیننڈ کا سفیر ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا ایک معمولی عثمانی عہدہ دار۔ اس کے ساتھ خدیو کے سفیر کی طرح ہی سلوک ہوسکتا ہے بلغیریوں نے اس کا یہ معقول جواب دیا کہ بلغیریا کا سیاسی نمایندہ" صرف دول یورپ میں ہی مجلس سفرا کا ایک رکن نہیں مانا گیا ہے بلکہ قسطنطنیہ میں بھی اس کو اسی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ شروع سے ہی سفیر بلغیریا نے وزیر خارجہ اور باب عالی سے خط وکتابت رکھی تھی اور ان سیاسی سفرا میں شامل تھا جن کو سلطان نے سابق میں دعوت دی تھی۔ ترکوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ دور قدیم کی غلطی تھی جس کو دستوری حکومت روا نہیں رکھ سکتی۔

قسطنطنیہ سے ایم گوشوف کی روانگی کے دن سے صوفیا میں بلغاروی خودمختاری کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا۔ مشرقی ریلوے کمپنی کے عملے اور مزدوروں کی عام ہڑتال سے جو ۱۸/ستمبر کو واقع ہوئی حالات اور بھی نازک ہوگئے۔ اس ہڑتال سے فائدہ اٹھا کے بلغاریوں نے مشرقی روملیا کی ریلوے لائنوں پر قبضہ کرلیا اور اپنی فوجوں سے مزدوروں کا کام لیا۔ جب ۲۲/کو ہڑتال کا خاتمہ ہوا تو انہوں نے کمپنی کو ان لائنوں کے واپس دینے سے انکار کیا اور حجت یہ پیش کی کہ وہ اپنی لائنیں ان ملازمین کے سپرد نہیں کرسکتے جو قسطنطنیہ میں بیٹھ کے صرف ترکی میں ہی ہڑتال کا حکم نہیں دیتے بلکہ بلغیریا میں بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ترکی فوجی گاڑیاں ہڑتال کے زمانے میں چلتی ہیں۔ ریل ترکی کی ملکیت ہے چنانچہ ترکوں کو سخت خسارہ ہوا اور بیرن ہرش کو کروڑہا فرانک کا فائدہ ہوا۔ حکومت میں اس کاروبار سے تمتع حاصل کرنے کی صلاحیت نہ تھی اس لئے اس نے آسٹروی جماعت کو یہ کام اجارے پر دیدیا تھا۔ اس جماعت میں